کان کن
علیم الحق حقی

گھاس سے بہت نیچے پاتال جیسی تاریکی تھی ۔ راشد نے رسی کی سیڑھی سے دھاتی ریت سے لدے فرش پر قدم رکھا۔ وہ دو قدم چلا تو اسے احساس ہوا کہ اس کی ٹانگیں کانپ رہی ہیں۔ وہ اتنا نیچے اترنے کا جسمانی ردعمل تھا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اوپر بہت اوپر' چھوٹا سا چوکور سوراخ سا نظر آ رہا تھا لیکن ستاروں بھرے آسمان کی جھلک بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس سوراخ کے ذریعے دھات اوپر پہنچائی جاتی تھی' جو ایک دولت مند انسان کو مزید دولت مند بناتی تھی اور پچاسیوں غریبوں کو قبل از وقت قبر میں پہنچانے کا سامان کرتی تھی۔ یہ ہندوستان کے ایک ایسے علاقے کا قصہ ہے جہاں کانیں بہت تھیں اور کان کنی ہی لوگوں کا پیشہ تھا۔

راشد پھر چوبی سیڑھیوں سے اترنے لگا۔ وہ رسی کی سیڑھی تھی' جس میں لکڑی کے قدمچے تھے۔ اس سیڑھی پر چڑھنا اترنا راشد کو بہت مشکل لگتا تھا۔ اس وقت وہاں ہجوم تھا۔ نائٹ شفٹ والے اپنی ڈیوٹی پر آ رہے تھے۔ راشد نے فرش پر اترنے کے بعد دیکھا تھا۔ ہر آنے والا کان کن فرش پر پاؤں دھرتے ہی اپنے بازوں جھلاتا' جو نیچے گرنے کے خوف کے ردعمل کے طور پر ہر قدمچہ بہت سختی سے پکڑنے کے نتیجے میں اکڑ گئے ہوتے۔

کان کن نیچے اترتے ہی ڈھلوانی سرنگوں کا رخ کرتے اور سرنگ میں داخل ہوتے ہی وہ سب سے پہلے موم بتی جلاتے۔ اس کی روشنی میں وہ کام کرتے۔

راشد اس سرنگ میں چل پڑا جہاں اس کا باپ کام کرتا تھا۔ ابتداء میں سرنگ پتلی اور تنگ تھی۔ اس کی دیواروں سے پانی رستا تھا پھر بالکل اچانک اور بے حد ڈرامائی انداز میں وہ پتلی سرنگ ایک کشادہ کوٹھری میں تبدیل ہو جاتی تھی' وہ کوٹھری اسی فٹ چوڑی اور تیس فٹ اونچی تھی ۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے تقریباً خالص تانبے کی دولت نکالی جاتی تھی۔

موم بتیوں کی ہلتی لرزتی روشنی میں ایک چھوٹی سرنگ سے ایک شخص کوٹھری میں داخل ہوا۔ اس کا اوپری جسم برہنہ تھا اور پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ وہ تانبے سے لدی ہوئی ہتھ گاڑی دھکیلتا ہوا آیا تھا۔ اس نے نئے آنے والوں کو دیکھا' ہتھ گاڑی کو ٹکایا اور سرنگ کی طرف منہ کر کے چلایا ''بس کرو سعید۔ رات کی شفٹ والے آ گئے ہیں''۔

ادھر ادھر کی سرنگوں سے کان کن نکلنے لگے۔ وہ سب اس پلیٹ فارم کا رخ کر رہے تھے جہاں سے سیڑھی کی مدد سے انہیں تازہ ہوا تک پہنچنا تھا اور پھر اپنے اپنے گھر ان کے انداز میں بے تابی تھی۔ بس چلتا تو وہ اڑ کر گھر پہنچ جاتے۔

جس کان کن نے سب سے پہلے چھٹی کی صدا لگائی تھی' وہ نوجوان تھا۔ وہ راشد کو دیکھ کر مسکرایا ''کیا بات ہے' ولیم ٹھاکر نے تمہیں تعلیم دینے سے توبہ کرلی ہے یا وہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ اب تمہیں بھی کان میں کام کرنا چاہئے؟

''نہیں' آج پڑھائی جلدی ختم ہوگئی''۔ راشد بھی مسکرا دیا۔ ''آج پہاڑی والے چرچ میں یونین کے سلسلے میں میٹنگ ہو رہی ہے''۔

''تم اپنے بابا سے اس سلسلے میں کچھ نہ کہنا۔ تم جانتے ہو کہ انہیں ٹھاکر کی یونین والی باتیں بہت ناپسند ہیں۔'' یہ کہہ کر رابرٹ اپنی قمیض سے جسم کا پسینہ پونچھنے لگا۔ بعد میں اسے یہی قمیض پہننا تھی۔ اس کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی۔ وہ راشد سے چار سال بڑا تھا۔ اس کی ماں اسے جنم دیتے ہوئے مرگئی تھی اور باپ کو کان کے ایک حادثے میں اس وقت اس سے چھین لیا تھا جب وہ صرف سات سال کا تھا۔ اس کے بعد وہ راشد کے ہی گھر میں پلا بڑھا تھا۔ اب اس نے شادی کرلی تھی اور کان والوں کی دی ہوئی ایک جھونپڑی میں رہتا تھا۔

''اے...... تم میری جینی اور بے بی سے کب ملنے آ رہے ہو؟''

رابرٹ نے راشد سے پوچھا' میری ننھی منی نینسی بہت خوبصورت نکل رہی ہے''

''مجھے معلوم ہے' آج جینی اسے ہمارے گھر لائی تھی''۔

راشد نے کہا اور سنو باپ' جلدی گھر پہنچو' آج جینی نے تمہاری من پسند چیز پکائی ہے''

''تم فکر ہی نہ کرو' تمہارے بابا کے سیڑھی پر قدم دھرنے سے پہلے ہی میں گھر پہنچ چکا ہوں گا'' رابرٹ نے خوش دلی سے کہا' الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا اور کان کنوں

کی بھیڑ میں گم ہوگیا۔

☆......☆......☆

سرنگ میں سعید نے گہری سانس لے کر ہاتھ روکا۔ وہ اس کان کے سب سے زیادہ تجربہ کار کارکنوں میں سے ایک تھا۔ اس کی عمر صرف 35 سال تھی لیکن کان کنی کے معیار کے مطابق وہ بڑھاپے کی سرحد میں قدم رکھ چکا تھا۔ انیسویں صدی کی اس دہائی میں کسی کا کان میں کام کرتے ہوئے چالیس کی عمر کو پہنچ جانا ایک معجزہ سمجھا جاتا تھا۔

سعید رینگتا ہوا سرنگ سے نکلا اور کوٹھڑی میں آ کر سیدھا کھڑا ہوا۔ بیٹے کو دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔ ''کیا بات ہے تم یہاں کیسے؟ اس نے پوچھا۔

''آج پڑھائی جلدی ختم ہوگئی' میں نے سوچا آپ سے مل لوں''

سعید نے رابرٹ کی ہتھ گاڑی اور اس کے بے پروائی سے ڈالے گئے بیلچے کو دیکھا تو اس کا منہ بن گیا۔ اس لڑکے کو ابھی تک یہ نہیں معلوم کہ آدمی کو اپنی ہتھ گاڑی خود ہی خالی کرنی چاہئے۔ اس نے سوچا مگر پھر مسکرا دیا سیکھنے کو عمر پڑی ہے۔ ابھی تو وہ بے چارہ صرف 18 سال کا ہے۔ اس کی خوبصورت بیوی بھی ہے اور پیاری سی بچی بھی۔ ایسے میں گھر جانے کی جلدی تو ہوتی ہی ہے۔

''چلو بیٹے' اوپر چلیں میں تازہ ہوا کا ذائقہ محسوس کرنا چاہتا ہوں۔'' سعید نے بیٹے سے کہا۔

سیڑھی پر ہجوم تھا۔ ہنسی مذاق بھی چل رہا تھا۔ سعید ایک طرف کھڑا رہا۔ شفٹ کے اختتام پر وہ خود کو جوانوں کی سی توانائی اور خوش مزاجی سے محروم محسوس کرتا تھا۔

وہاں ایک شخص اور بھی تھا جو خوش مزاجی سے یکسر محروم تھا۔ وہ تھا موسی ٹریگو' چوڑے کندھوں والا وحشی طبعی موسیٰ۔ وہ سیڑھی پر کہنیوں کی مدد سے اپنے لیے راستہ بنانے کا قائل تھا اور بنا رہا تھا۔ اس کے پیچھے اس کا بھائی جان ٹریگو تھا جو بے حد خاموش طبع انسان تھا۔

سیڑھیوں پر ان دونوں بھائیوں کی موجودگی نے کان کنوں کی خوش مزاجی کا گلا گھونٹ دیا پھر راشد اور سعید بھی سیڑھی پر پہنچ گئے۔

یہ کان کنی کی زندگی کا وہ لازمہ تھا جو ہر گزرتے دن کے ساتھ سعید کو دشوار تر لگتا تھا۔ زمین کی سطح سے 540 فٹ نیچے یہ 540 قدمچے تھے جن پر چڑھنے کے بعد آدمی کا

سرزمین کے اسی سوراخ سے ابھرتا تھا۔سعید ان قدمچوں کو گننے کا عادی ہوگیا تھا مگر اب وہ انہیں نہیں گن سکتا تھا ۔ایک تو وہ گنتی اس کا حوصلہ پست کردیتی تھی پھر اسی عمودی سیڑھی پر چڑھنا...... چڑھتے رہنا اب ایک عذاب بن گیا تھا۔ وہ دانت پر دانت جمائے اندھا دھند چڑھتا رہتا تھا۔

سیڑھی کے پہلے قدمچے پر پاؤں رکھتے ہی کان کنوں کی بولتی بند ہوجاتی تھی' پھیپڑوں کی ہوا ضائع کرنا پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں لاتا تھا اور پہنچتے تک پھیپڑے چنگھاڑ چنگھاڑ کر آکسیجن کا مطالبہ کررہے ہوتے تھے اور بات کرنے میں آکسیجن خرچ ہوتی تھی۔

راشد اس بات سے واقف تھا۔ وہ باپ سے آگے تھا اور بڑی خاموشی اور احتیاط سے قدمچوں پر چڑھ رہا تھا۔

وہ چوتھی سیڑھی پر تھے ... فرش پر کوئی پچاس فٹ اوپر ... کہ اوپر سے خون کو رگوں میں منجمد کردینے والی ایک خوفناک چیخ ابھری یہ وہ آواز تھی جو سعید بارہا سن چکا تھا

راشد سیڑھی سے چپک جاؤ سعید نے چیخ کر کہا اور خود کو پوری طرح سیڑھی سے چپکا لیا۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ گرتے وقت بدنصیب کارکن کا سر دیوار سے ٹکراتا اور اسے کسی بات کا ہوش نہ رہتا لیکن اس روز گرنے والا اتنا خوش نصیب تھا کہ گرتے گرتے اس کی آواز دم توڑنے لگی۔ راشد اور سعید کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ ایک غیر انسانی سرگوشی سے مشابہ تھی لیکن اس سے پتا چلتا تھا کہ وہ ہوش میں ہے اور بے حد اذیت ناک موت کی طرف گر رہا ہے پھر اس کے فرش سے ٹکرانے کا دھماکا سنائی دیا۔

دو سیکنڈ تک خاموشی رہی پھر نیچے فرش پر سیڑھی کے آغاز پر ہٹ جانے والے کان کنوں کے قدموں کی آہٹیں ابھریں۔ وہ گرنے والے کے گرد اکٹھا ہورہے تھے۔

''سعید سعید... کسی نے آواز دی۔

میں یہاں ہوں۔سعید نے جواب دیا ''کیا بات ہے؟ کون گرا ہے؟''

''رابرٹ''

''میرے خدا'' سعید کے حلق سے کراہ سی نکلی ''بے چاری لڑکی کا کیا ہوگا'' لمحوں میں وہ خود کو بوڑھا محسوس کرنے لگا۔ اس نے بیٹے سے کہا 300 فٹ والے لیول پر میرا انتظار کرو۔ نیچے تمہارا کوئی کام نہیں۔ اب کوئی کچھ نہیں کرسکتا''

راشد اوپر چڑھنے لگا مگر اسے اپنے قدم بے جان محسوس ہورہے تھے۔ حلق میں

جیسے کوئی گولا سا پھنس گیا تھا۔ اس گولے کو یا تو اسے رلا دینا تھا یا اس کی طبیعت بگاڑ دینی تھی۔

رابرٹ اس کیلئے بڑے بھائی کی طرح تھا۔

☆......☆......☆

نیچے سعید نے رابرٹ کے ٹوٹے پھوٹے وجود کو بے حد تاسف سے دیکھا۔ زندگی کتنی مشکل سے پروان چڑھتی ہے اور کتنی آسانی سے ضائع ہو جاتی ہے۔ اس رابرٹ کو اس نے سات سال کی عمر سے بیٹے کی طرح پالا تھا۔

پھر اسے جینی کا خیال آیا۔ رابرٹ کی بیوی جو ابھی چند ہفتے پہلے ہی 17 سال کی ہوئی تھی ''بے چاری لڑکی'' وہ بڑبڑایا۔ 17 سال کی عمر میں بیوہ ہوگئی اور اسے ننھی سی بچی کو بھی پالنا ہے۔ رابرٹ کی طرح وہ بھی یتیم تھی۔ اس کا باپ بھی اسی طرح کے ایک حادثے میں ختم ہوا تھا۔

شفٹ کیپٹن ٹام شادل سیڑھی سے اترا اور اس نے سعید کو ہمدردانہ نظروں سے دیکھا ''جو کچھ کیا جا سکتا ہے ہم کریں گے'' اس نے سعید سے کہا لیکن جینی کو تمہیں بتانا ہوگا یا پھر بھابی کو۔ مجھے بہت افسوس ہے سعید بھائی۔ رابرٹ سبھی کو پیارا تھا۔

''جینی کے بارے میں سوچ سوچ کر میرا دل کٹ رہا ہے''

سعید نے دکھی لہجے میں کہا پھر وہ سیڑھی کی طرف بڑھا اور اوپر چڑھنے لگا۔

اوپر 300 فٹ والے لیول پر راشد اس کا منتظر تھا۔ وہاں موجود دوسرے کان کن اس سے ہمدردی کا اظہار کرنے لگے۔

جنگل میں خاصا اندھیرا تھا مارچ کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی راشد اور سعید پہاڑی کی طرف جانے والی پگڈنڈی پر چل رہے تھے۔ اس پہاڑی کی مشرقی سمت کان کنوں کی جھونپڑیاں تھیں جنہیں کاٹیج کہا جاتا تھا۔ وہاں چلتے ہوئے انہیں پہاڑی کے نیچے وادی میں ایک اور کان فونیکس میں چلنے والے پمپ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

''بابا...... بابا...... یہ سب کیا ہوگیا؟'' راشد نے باپ سے پوچھا۔ حادثے کے بعد سے اس کے پہلے الفاظ تھے۔

''میرا خیال ہے رابرٹ کو جلدی ہوگی اور اس کا پاؤں کسی ڈھیلے قدمچے پر پڑا ہوگا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے سعید نے جواب دیا۔

پگڈنڈی پر آتے ہوئے ہلکے قدموں کی چاپ ابھری۔ وہ یقیناً کوئی عورت تھی۔ جیسے ہی اس نے دیکھا وہ بولی ''خدا کا شکر ہے کہ تم محفوظ ہو'' وہ سعید سے لپٹ گئی۔ اس کا جسم لرز رہا تھا۔ حادثے کا مجھے پتا چل گیا تھا۔ میں پریشان ہو رہی تھی' کیا ہوا۔

''رابرٹ۔ وہ سیڑھی سے گر گیا'' سعید نے کہا۔ اسے اپنی بیوی کا جسم تنتا محسوس ہوا۔

''تو کیا وہ....؟''

''ہاں فاطمہ۔ جینی کو علم نہیں ہے۔ میں اسے بتانے جا رہا تھا مگر بہتر ہے کہ یہ کام تم کرلو'

فاطمہ چند لمحے خاموش رہی پھر یک لخت پھٹ پڑی ''کیوں ... آخر کیوں؟ یہ رابرٹ کے ساتھ ہی ہونا تھا۔ اب پہلی بار تو اسے خوشیاں ملی تھیں۔ یہ کان ہی منحوس ہے۔ تھکے ہوئے' بوسیدہ قدمچے' ڈھیلی رسیاں...''

''بس فاطمہ یہ مت بھولو کہ اس کان سے ہمیں رزق ملتا ہے'' سعید کے لہجے میں ہلکی سی تنبیہ تھی۔

''رزق کے ساتھ موت بھی تو ملتی ہے' ہائے بے چارہ رابرٹ .....'' فاطمہ سسکنے لگی۔ سعید نے دلاسہ دینے کیلئے اسے تھپکا دیا تو وہ دور ہٹ گئی ''میں جینی کے پاس جا رہی ہوں میں نہیں چاہتی کہ اسے کسی اور سے پتا چلے۔ اب ہم ہی اس کا سب کچھ ہیں '' وہ پلٹی اور بھاگتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

گھر میں سعید نہا دھو کر تازہ دم ہونے میں مصروف ہو گیا۔ اتنی دیر میں راشد نے کھانا گرم کر لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کام سے واپس آنے کے بعد بابا کو کیسی بھوک لگتی ہے۔ سعید باتھ روم سے نکلا تو راشد دسترخوان لگا چکا تھا' دونوں کھانا کھانے کیلئے بیٹھ گئے۔ راشد سے ٹھیک سے کھانا نہیں کھایا گیا۔ اس کی آنکھوں میں رابرٹ کی صورت گھومتی رہی' جو ان کے گھر میں ہی پلا بڑھا تھا۔ وہ اس کیلئے سگے بڑے بھائی کا درجہ رکھتا تھا۔

سعید خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا۔

کھانے کے بعد راشد برتن سمیٹ ہی رہا تھا کہ دروازہ دھڑ سے کھلا' فاطمہ اندر

آئی' اس نے جینی کو لپٹا کر سہارا دیا ہوا تھا... لڑکھڑاتی ہوئی جینی کے سینے سے لپٹی ہوئی ننھی نینسی چنگھاڑ چنگھاڑ کر رو رہی تھی۔ فاطمہ جینی کو نچلے کمرے میں لے گئی۔ وہ کاٹیج کا سب سے اچھا کمرا تھا۔

چند منٹ بعد فاطمہ واپس آئی ''راشد تم اوپر والے کمرے میں فرش پر اپنا بستر بچھا لو'' اس نے نرمی سے کہا۔ تمہارے کمرے میں اب جینی رہے گی''

''لڑکی کا کیا حال ہے؟'' سعید نے تشویش سے پوچھا۔

''ابھی تک وہ روئی نہیں ہے' فاطمہ نے تاسف سے کہا میں کوشش کر رہی ہوں مگر جانتی ہوں۔ وہ روئے گی تو آسمان پھٹ پڑے گا۔''

راشد اپنا بستر لے کر اوپر چلا گیا۔ یہ بابا اور ماں کا کمرا تھا۔ اس نے ایک کونے میں بستر بچھایا اور لیٹ گیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا لیکن اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

روشنی ہوئی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ بابا لیمپ لے آئے تھے۔

سعید نے بیٹے کے آنسوؤں سے تر رخسار دیکھے لیکن کہا کچھ نہیں۔ لیمپ میز پر رکھ کر وہ وہ کھڑکی کی طرف چلا گیا اور باہر دیکھنے لگا۔ چرچ کی کھڑکیاں روشن نظر آ رہی تھیں۔ لگتا تھا رابرٹ کی لاش وہاں پہنچا دی گئی ہے۔

اسی لمحے نیچے سے سسکی کی آواز ابھری پھر اس کا حجم بڑھتا گیا اب جینی دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ وہ گریہ بے حد اذیت ناک تھا لیکن سعید کو سکون کا احساس ہونے لگا۔ یہ نقصان کو قبول کرنے کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔ روتا ہے تو آدمی حقیقت کو تسلیم کر چکا ہوتا ہے اور پھر صبر اللہ دے دیتا ہے۔ یہی قانون قدرت ہے۔

سعید نیچے چلا گیا اس نے جوتے پہنے' کوٹ اٹھایا اور گھر سے نکل گیا سرد ہوا کے باوجود چرچ میں بیشتر گاؤں والے جمع ہو چکے تھے۔ وہ چرچ میں داخل ہوا تو ہر شخص اس سے جینی کے بارے میں پوچھنے لگا۔ وہاں موجود عورتیں جانتی تھیں کہ آج نہیں تو کل یہی کچھ ان کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ کانوں کی شہرت تھی کہ وہ عورتوں کو بیوہ بنانے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتی ہیں۔ دکھ کا خوف لوگوں کو دکھوں کے ماروں کے قریب کر دیتا ہے۔

سعید کو پادری رائٹ کو چرچ میں موجود پا کر حیرت ہوئی۔ وہ شمالی پہاڑی کے

چرچ کا پادری تھا۔ ان کا چھوٹا سا گاؤں اپنے چرچ کیلئے باقاعدہ پادری رکھنے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ ویسے بھی گاؤں میں اکثریت مسلمانوں کی تھی لیکن وہ سب گھل مل کر رہتے تھے۔ مذہب ان کا مسئلہ نہیں تھا۔

شمالی پہاڑی کا پادری خود بھی کان کن رہ چکا تھا۔ موسیٰ ٹریگو کی طرح وہ بھی کسرتی جسم کا مالک تھا لیکن اس کی آواز بہت میٹھی اور لہجہ بے حد نرم تھا۔ یہ بڑے دکھ کی رات ہے سعید حسن۔ اس نے کہا ''خداوند کی مرضی ہم فانی انسانوں کی سمجھ سے بالاتر ہے'' اس نے چرچ کے بند دروازے کی طرف اشارہ کیا ''رابرٹ کو پہنچایا جا چکا ہے۔ میری کریب اس کے پاس ہے۔''

میری کریب سعید کی پیدائش سے بھی پہلے سے ادھر ادھر کے تمام دیہاتوں کے پیدائش اور اموات کے معاملات نمٹاتی تھی۔

سعید نے اثبات میں سر ہلایا۔ ٹھیک ہے فادر کوئی کمی نہ رہے۔ اخراجات کی فکر نہ کرنا میں ادا کروں گا۔ رابرٹ میرے لیے بیٹے کی طرح تھا۔''

''اور سالم کے بارے میں کیا خیال ہے وہ کچھ نہیں دے گا؟ پادری نے سوال اٹھایا۔''

سعید مسکرا دیا'' تم تو واعظ ٹھاکر کی سی بات کر رہے ہو دیکھو سالم صاحب کان کے مالک ہیں وہ اجرت دیتے ہیں۔ جینی کو اس کا حق وہ ضرور دیں گے بلکہ زیادہ ہی دیں گے''۔

ولیم ٹھاکر کے حوالے پر پادری رائٹ کا منہ بن گیا۔ ٹھاکر ادھر ادھر کے دیہاتوں میں کان کنوں کے حقوق کا چیمپئن بنتا جا رہا تھا۔ وہ شعلہ بیان مقرر تھا۔ اتوار کے وعظ میں وہ کان کنوں کے جذبات سے کھیلتا تھا' جو رائٹ کے خیال میں مذہب کا استحصال تھا ''تم راشد کو پڑھنے کیلئے ٹھاکر کے سکول کیوں بھیجتے ہو سعید'' اس نے کہا۔ ''کیا تم نہیں جانتے کہ ٹھاکر کی صحبت اچھی نہیں۔ وہ بچوں اور لڑکوں کو بگاڑتا ہے''۔

سعید نے کندھے جھٹک دیئے ''فیس کم ہے اور بہر حال وہ پڑھاتا بہت اچھا ہے''

''ٹھاکر وہ کچھ بھی پڑھاتا ہے جو دنیا کی کسی کتاب میں نہیں۔ وہ یونین بازی سکھاتا ہے کان کنوں کو زیادہ اجرت مانگنے پر اکساتا ہے۔ وہ خطرناک آدمی ہے سعید''

''یہ افواہیں ہیں۔ میں نے بھی سنی ہیں مگر راشد کے منہ سے کبھی ایسی بات نہیں سنی'' سعید نے اٹھتے ہوئے کہا اور میں خوش ہوں کہ میرا بیٹا پڑھ رہا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرا بیٹا بھی کان میں مزدوری کرے۔ نہ ہی میں اسے گورکن بنانا چاہتا ہوں اس نے ایک گہری سانس لی اور پھر بولا'' میں چلتا ہوں' ورنہ مجھے ڈر ہے کہ میں ضرورت سے زیادہ بول جاؤں گا''

''ہم برسوں سے دوست ہیں سعید' میں تمہاری بات کا برا نہیں مانوں گا۔'' پادری رائٹ نے مسکراتے ہوئے کہا'' چلو میں بھی چلتا ہوں۔ جینی سے تعزیت بھی کرنی ہے۔''

☆......☆......☆

رابرٹ کی تدفین ایک تاریک دن میں ہوئی۔ آسمان پر گہری سیاہ گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ لگتا تھا آسمان بھی نوجوان رابرٹ کی بے وقت موت پر آنسو ضبط کیے بیٹھا ہے۔ تدفین کے موقع پر وعظ دیتے ہوئے پادری رائٹ نے رابرٹ کو بہت سراہا پھر اس نے پرجوش لہجے میں کہا۔ ''میں اس کان کی مذمت کرتا ہوں' جو آدمی کو موت کی آغوش میں تو دھکیل دیتی ہے لیکن اس کی تدفین پر اپنا کوئی نمائندہ بھیجنے کی بھی زحمت نہیں کرتی''

حالانکہ سالم کا اس میں کوئی قصور نہیں تھا۔ اس نے اپنی کان کے سینئر کیپٹن کو یہ ذمہ داری سونپی تھی لیکن کیپٹن اسد کان کنوں کو جانور سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا۔ اس کے نزدیک ایک جانور کی ستائش سے بھرا وعظ سننا وقت کا زیاں تھا۔ وہ وقت کو اپنے حق میں استعمال کرنا جانتا تھا چنانچہ وہ اپنے گھر میں مے نوشی کرتا رہا۔

سالم کو معلوم نہیں تھا کہ اسد کان کو کتنا کم وقت دیتا ہے۔ وہ بس ہفتے میں ایک بار معائنے کیلئے آتا تھا۔ اس معائنے ہی کی بنیاد پر وہ جامع رپورٹیں تیار کر لیتا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ کان منافع دے رہی تھی۔ درحقیقت اسد بہت اچھا کیپٹن تھا لیکن اپنے رویے کی بنا پر وہ کان کنوں میں بہت ناپسند کیا جاتا تھا۔

☆......☆......☆

''شاباش راشد' تم بہت اچھے جا رہے ہو۔''

راشد نے سر اٹھا کر اپنے استاد ولیم ٹھاکر کو دیکھا۔ اس داد پر اسے خوشی ہوئی تھی کیونکہ ٹھاکر اپنے شاگردوں کو آسانی سے داد کبھی نہیں دیتا تھا۔ وہ کمزور اور غلط حوصلہ

افزائی کا قائل نہیں تھا۔

ولیم ٹھاکر دھان پان سا آدمی تھا۔ اس نے بہت پہلے سمجھ لیا تھا کہ جسمانی اعتبار سے وہ بے حد غیر اہم ہے اور کسی سے مقابلہ نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اس نے الفاظ کو ہتھیار بنا لیا تھا۔ سینٹ کلیر چرچ میں آتے ہی اس نے کان کنوں کی ابتلا کو سمجھ لیا تھا۔ اس نے یہ بھی سمجھ لیا تھا کہ وہ یہاں کے معاشرے کا مصلح بن کر کامیاب ہوسکتا ہے۔ لفظوں کی طاقت اس کے پاس تھی اور وہ اسے بہت اچھی طرح استعمال کرنا بھی جانتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کانوں کے مالک اس کے دشمن بن گئے مگر اسے ان کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

''نوجوان' اس علاقے میں تم وہ واحد شخص ہو جو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ ٹھاکر نے راشد سے کہا'' لیکن یاد رکھو یہ محض آغاز ہے۔ یہ بتاؤ تعلیم حاصل کرکے تم آگے کیا کرنا چاہتے ہو''

سوال اتنا اچانک تھا کہ اس نے راشد کو حیران کردیا' پتہ نہیں سر' وہ منمنایا مگر اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔ میرا خیال ہے میں انجینئر بننا چاہتا ہوں سر....''

''بہت خوب تم اولوالعزم بھی ہو'' ٹھاکر نے کہا اور کلاس کی طرف متوجہ ہوگیا اور تم سب؟ اس نے تہدیدی انداز میں انگلی لہرائی۔ ''تم سب کان کنوں کی اولاد ہو۔ تمہارے والدین چاہتے ہیں کہ تم کان کنی کے عذاب سے محفوظ رہ کر روزی کماؤ۔ تم میں سے کوئی کچھ بننا چاہتا ہے؟

ہچکچاتے ہوئے لرزتے ہوئے کچھ ہاتھ بلند ہوئے۔

''ہوں ہوں ... انداز میں بے یقینی ہے۔ اعتماد کی کمی ہے''

ولیم ٹھاکر نے ایک ایک چہرے کو غور سے دیکھا پھر ایک گہری سانس لے کر بولا'' میں تمہیں تعلیم دے رہا ہوں لیکن جانتا ہوں کہ تم میں سے بیشتر اس تعلیم کو ضائع کردیں گے۔ دھات کے ذروں سے بھری ہتھ گاڑیاں گنتے ہوئے زندگی گزار دیں گے''

پوری کلاس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

''خیر کم از کم کان کے کیپٹن کی بے ایمانی سے تو محفوظ رہیں گے۔ گنتی آنے کا اپنا فائدہ ہے۔'' ولیم ٹھاکر نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا ٹھیک ہے بھئی۔ اب چھٹی۔

☆......☆......☆

سکول سے واپس آتے ہوئے راشد جنگل سے گزرتا تھا۔ فونیکس کان والا

راستہ اسے پسند نہیں تھا۔ اس کے برعکس جنگل اسے اچھا لگتا تھا۔ جنگل کے سناٹے سے اسے پیار تھا۔ اس روز جنگل سے گزرتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ سردی رخصت ہو رہی ہے۔ زرد پھولوں والی خاردار جھاڑیاں پھولوں سے لدنے لگی تھیں۔ ادھر ادھر پانی کے چشمے پھوٹ پڑے تھے اور زمین مخملی رنگت اختیار کرنے لگی تھی۔ فضا میں باز شکار کی تلاش میں چکراتے نظر آنے لگے تھے۔

راشد نے ٹھاکر سے کہہ تو دیا تھا کہ وہ انجینئر بننا چاہتا ہے لیکن درحقیقت وہ مشینوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ دوسری کانوں میں اس نے اسٹیم انجنوں کا استعمال دیکھا تھا۔ ان انجنوں کی آوازوں اور ان کے سائز نے اسے متاثر کیا تھا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کیسے کام کرتے ہیں۔ جنگل سے گزرتے ہوئے اس نے سوچا کہ ان کے بارے میں بنیادی معلومات ضرور حاصل کرے گا۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر اڑتے ہوئے باز کو دیکھا اور مسکرا دیا۔ اسے باز بہت اچھے لگتے تھے۔ انہیں دیکھ کر آزادی کا احساس ہوتا تھا.... وہ آزادی جسے وہ اپنے لیے حاصل کرنا چاہتا تھا مگر وہ اسے میسر نہیں تھی۔ صبح وہ کان پر جا کر کام کرتا تھا۔ سہ پہر کو وہ سکول جاتا تھا شام کو زیادہ تر وہ گھریلو کاموں میں ماں کا ہاتھ بٹاتا پھر سکول کا کام لے کر بیٹھ جاتا۔ ہوم ورک کی اہمیت سے وہ واقف تھا لیکن جب سے جینی آئی تھی گھر میں پڑھائی دشوار ہوگئی تھی۔ ننھی منی نینسی دانت نکال رہی تھی وہ تکلیف سے روتی بہت تھی۔

اب وہ ڈھلوان پر تھا۔ نیچے بنے کاٹیج صاف نظر آ رہے تھے۔ گھر پہنچنے میں اب بس دس منٹ لگتے لیکن اس سے پہلے اسے ٹریگو کے پاس سے گزرنا تھا۔ مورون ٹریگو راستہ روکے ایک بڑے گول پتھر پر بیٹھا تھا۔

یہ ٹریگو فیملی عجیب تھی۔ ان میں جانوروں کی سی وحشت تھی۔ وہ وحشت ان کے گھر کی حالت اور ان کے رہن سہن میں بھی نظر آتی تھی۔ وہ بڑی چٹانوں کے چھجے سے بنا ہوا گھر تھا جس کی پچھلی دیوار دراصل پہاڑی کی دیوار تھی۔ چٹان کی بہت بڑی دراڑ میں سات فٹ اونچا چوبی دروازہ نصب کر دیا گیا تھا۔ یہ وہ گھر تھا جہاں موسیٰ ٹریگو اپنے بیوی بچوں اور اپنے غیر شادی شدہ بھائی جان کے ساتھ رہتا تھا۔

مورون ٹریگو' موسیٰ کا بڑا بیٹا راشد سے دو سال بڑا تھا۔ راشد کو آتے دیکھ کر وہ گول پتھر سے پھسل کر اترا اور راستہ گھیر کر کھڑا ہوگیا۔ راشد محتاط قدموں سے آگے بڑھ رہا

تھا۔ موروں سے دس گز دور وہ رک گیا ''کیا بات ہے موروں؟ کیا چاہتے ہو؟

میں کیا چاہوں گا' اپنے گھر کے باہر کھڑا ہونا میرا حق ہے''

موروں نے بے پروائی سے کہا۔

''تو تم مجھے گزرنے دو گے نا'' راشد کے چہرے پر کھچاؤ تھا''

کیوں نہیں ضرور' مگر پہلے دیکھوں گا کہ تمہارے تھیلے میں کیا ہے؟''

کتابوں کے تھیلے پر راشد کی گرفت سخت ہوگئی '' اس میں کتابیں اور وہ بھی میری نہیں ولیم ٹھاکر کی ہیں''

''واعظ کی کتابیں' مذہبی خرافات' فضول چیزیں''

موروں اپنے باپ کے الفاظ دہرا رہا تھا جب اس نے پہلی اور آخری بار اپنے باپ سے پڑھنے کیلئے اجازت مانگی تو اسے یہی جواب ملا تھا اور اس جواب کے ساتھ ٹھیک ٹھاک مرمت بھی ہوئی تھی۔ یہ ان دنوں کی بات تھی جب موروں بھی راشد کی طرح کان کے باہر کام کرتا تھا۔ اس کے فوراً بعد موسیٰ نے اسے کان کے اندر کام پر لے جانا بھی شروع کردیا۔ موروں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ باپ کا ہم نوا بن جائے۔

''جنہیں پڑھنا نہیں آتا وہ یہی کہتے ہیں'' راشد نے سخت لہجے میں کہا۔

''خیر دکھاؤ تو''

''کتابیں میں بستے سے نہیں نکالوں گا''

دیکھتا ہوں۔ موروں نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا اور نپے تلے قدم اٹھاتا راشد کی طرف بڑھنے لگا۔ راشد نے جھک کر پتھر اٹھایا تو وہ رک گیا۔ وہ غور کررہا تھا کہ کیا پتھر مارنے سے پہلے وہ راشد تک پہنچ سکتا ہے۔

اسی لمحے الجھے اور چپکے ہوئے سیاہ بالوں والی وہ لڑکی نمودار ہوئی اور ان دونوں کے درمیان آ کھڑی ہوئی۔ رک جاؤ تم دونوں۔

اے موروں' جانے دو اسے۔ ورنہ میں ماں سے شکایت کردوں گی کہ تم جھگڑا کر رہے ہو۔ اس نے دھمکی دی۔

مریم ٹریگو' موروں سے تین سال چھوٹی تھی لیکن باپ کی لاڈلی ہونے کی وجہ سے اس کے انداز میں دبدبہ اور لہجے میں اعتماد تھا۔

موروں نے بے حد نفرت سے کہا ''اپنی کتابیں اپنے پاس رکھو بزدل لوگ ہی کتابیں پڑھتے ہیں یا پھر پادری پھر وہ پاؤں پٹختے ہوئے ایک طرف چلا گیا۔

راشد نے پتھر نیچے پھینک دیا ''شکریہ مریم'' اس نے آہستہ سے کہا' ویسے وہ مجھے روک نہیں سکتا تھا''

''مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں بس میں نہیں۔ چاہتی کہ موروں کا سر پھٹے'' مریم نے بھی بھائی کے سے لہجے میں کہا اور جانے کیلئے پلٹی۔

''تم غلط کہہ رہی ہو مریم' تم نہیں چاہتیں کہ لوگ تمہیں اچھا کہیں اور سمجھیں۔ اس وقت تم نے یہ سوچ کر بیچ بچاؤ کرایا کہ کہیں میں زخمی نہ ہوجاؤں۔

مریم نے پلٹ کر اسے دیکھا اور اگلے ہی لمحے بدمعاش لڑکوں کی طرح اپنی قمیض اٹھا کر دکھا دی۔

راشد کا چہرہ سرخ ٹماٹر جیسا ہوگیا۔ وہ پلٹا اور بھاگتا چلا گیا۔ مریم کی وحشیانہ ہنسی جیسے اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ مریم ٹریگو جنگل ہی کی طرح وحشی اور تاریک تھی ویسی ہی پراسرار' ویسی ہی گہری اور ویسی ہی آزاد۔

☆......☆......☆

بہار رخصت ہوئی اور گرمی آ گئی۔ دن بڑے ہونے لگے' اس موسم میں راشد کو جنگل میں وقت گزارنے کے زیادہ مواقع مل جاتے تھے۔ وہ ٹریگو کے گھر سے بچ کر گزرتا تھا لیکن اکثر وہ مریم کو دور کھڑے دیکھتا تھا۔ مریم اپنی ماں کے ساتھ کان کے باہر کام کرتی تھی لیکن اس کی شامیں جنگل میں گزرتی تھیں۔ وہ وہاں خود کو بہت آزاد محسوس کرتی تھی۔

راشد اور مریم کا جنگل میں اکثر آمنا سامنا ہوتا لیکن ان کے درمیان کبھی بات نہ ہوتی۔ راشد تو اس کی وحشت سے گھبراتا تھا لیکن اگلی بار وہ ملی تو بڑی تہذیب سے ملی۔ راشد کو اس نے حیران کردیا مگر اس سے پہلے اور بھی بہت کچھ ہوا۔

وہ اتوار کی خوشگوار شام تھی۔ سعید اور ٹام شاول آگے آگے چل رہے تھے پھر ان سے پادری رائٹ آ ملا۔ ان کے درمیان گندم کے نئے قانون پر گفتگو ہونے لگی۔ راشد ان لوگوں سے چند قدم پیچھے تھا۔ یہ بہت خراب قانون ہے۔ سعید نے تلخ لہجے میں کہا۔

''اس کے تحت باہر سے گندم منگوائی نہیں جاسکتی اور ستم یہ کہ اپنا آدھا گندم باہر بھیج دیا

جائے گا۔ پارلیمنٹ کو اس سلسلے میں کچھ کرنا ہوگا ورنہ وہی کچھ ہوگا جو بیس سال پہلے ہوا تھا۔

''ہمارے علاقے کو فوجی دستوں سے محفوظ رہنا چاہئے''

پادری رائٹ نے سر ہلا کر کہا۔

وہ کاٹیج پہنچ گئے۔ جینی نینسی کو گود میں لیے باہر ٹہل رہی تھی۔ اس عرصے میں نینسی خاصی موٹی تازی ہوگئی تھی جبکہ جینی اور دبلی ہوگئی تھی۔ بچی کو سنبھالنا اب اس کیلئے مشکل تھا۔ ٹام شاول نے ہاتھ بڑھا کر بچی کو گود میں لے لیا۔

''آپ لوگ اندر آجائیں نا'' فاطمہ نے پادری اور ٹام شاول سے کہا۔

وہ سب اندر چلے گئے' انہیں وہاں بیٹھے چند منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ جنگل کی طرف سے چیخ پکار کی آواز سنائی دی۔ ایک منٹ بعد لڑکھڑاتی ہوئی کیٹی ٹریگو اندر آئی اور گر پڑی۔ وہ بہت برے حال میں تھی۔ پادری نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا۔ اس کی ایک آنکھ ورم کی وجہ سے پوری طرح بند ہو چکی تھی۔

''دروازہ بند کردو۔ موسیٰ نشے میں دھت ہے اور پاگل ہو رہا ہے۔ اس نے التجا کی ''وہ مجھے بھی مار ڈالے گا اور تمہیں بھی۔''

پادری نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا ''راشد خاتون کو اندر لے جاؤ'' اس نے کہا۔

میں اسے سمجھاؤں گا'' ٹام شاول نے کہا۔ ''وہ میری سنے گا''

''اس حال میں وہ کسی کی نہیں سنے گا'' پادری نے کہا۔ ''دروازہ بند کردو''۔

دروازہ بند کردیا گیا لیکن چند منٹ بعد دروازہ یوں دھڑ دھڑایا جانے لگا جیسے چوکھٹ سمیت اکھاڑ دیا جانے والا ہو۔ پادری نے دروازہ کھولا سامنے موسیٰ کھڑا تھا۔ اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ وہ نشے میں دھت تھا۔

سامنے سے ہٹ جاؤ وہ دھاڑا۔ ''میں اپنی بیوی کو لینے آیا ہوں''

رائٹ نے دھیمے نرم لہجے میں کہا۔ ''رہنے دو موسیٰ وہ فاطمہ سے بات کر رہی ہے''

''مجھے کسی کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس سے بات کر رہی ہے۔ وہ سست اور حرام خور ہی نہیں' چور بھی ہے'' موسیٰ نے خراب لہجے میں کہا اور آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ اس کے منہ سے شراب کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔

''اس نے کیا کیا ہے؟''

میں بتاتا ہوں اس فاحشہ کے کارنامے میرے سونے کے دوران اس نے میری جیب سے پیسے نکالے چوری کی اس نے۔ سن رہے' ہو تم۔''

''تو اسے ضرورت ہوگی' اس نے نکال لیے۔'' پادری رائٹ نے تحمل سے کہا۔

''چرچ میں چندہ دینے کی ضرورت۔'' موسیٰ نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''سنو پادری مجھے زندگی گزارنا سیکھنے کیلئے چرچ جانے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنے طریقے سے جیتا ہوں اور اسے بھی میری طرح جینا ہوگا۔ اس نے پھر اندر گھسنے کی کوشش کی۔''

پادری رائٹ نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کیا۔ اس نے اپنا کندھا موسیٰ کی بغل میں پھنسایا اور پوری قوت سے اسے دھکیل دیا۔ موسیٰ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گیا اور بالآخر گر پڑا۔ اسے اتنی شدت سے غصہ آیا کہ چند لمحوں کیلئے اس کا نشہ ہرن ہوگیا۔ تمہاری یہ جرأت' میں تمہیں قتل کردوں گا۔ وہ غرایا' پھر وہ اٹھا اور ناقابل یقین پھرتی کے ساتھ جھپٹا لیکن سعید اس سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا۔ اس نے پادری کو ایک طرف ہٹایا پھر اس نے جھپٹتے ہوئے موسیٰ کو اپنے سینے پر روکا اور اس کے دونوں ہاتھ جکڑ لیے۔

موسیٰ کیلئے لڑنا بھڑنا نئی بات نہیں تھی۔ وہ بھی زور لگانے لگا دونوں زمین پر گر گئے ایک لمحے کو سعید کی گرفت ڈھیلی پڑی۔ موسیٰ نے اپنے بازو آزاد کرا لیے اور اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ سعید اٹھنے کیلئے گھٹنوں کے بل بیٹھا ہی تھا کہ موسیٰ کی لات اس کے کندھے پر پڑی اور وہ دوبارہ گر گیا۔ موسیٰ نے اس کے سر پر ٹھوکریں مارنے کی کوشش کی لیکن نشے میں ہونے کی وجہ سے سعید کی پسلیاں ہی نشانہ بن سکیں۔ سعید نے موقع پاتے ہی اسے جھکائی دی اور تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا موسیٰ نے پھر ٹھوکر مارنے کی کوشش کی تو اس نے اس کا پاؤں پکڑ کر اسے پیچھے دھکیل دیا۔ موسیٰ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ سعید کا گھونسا اس کی کنپٹی پر پڑا اور وہ لمبا لمبا لیٹ گیا۔

''واہ کیا پنچ تھا۔'' پادری نے بے ساختہ داد دی۔ ''یہ تو مضبوط سے مضبوط سانڈ کو بھی گرا دیتا''

''یہ ضروری بھی تھا۔'' سعید نے اپنی انگلیوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔

موسیٰ کے سر اور چہرے پر چار بالٹیاں الٹی گئیں' تب کہیں وہ حرکت میں آیا۔ کئی پہلو بدلنے کے بعد وہ اٹھا لیکن وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھامے ہوئے تھا اور کراہ رہا

تھا۔

''یہ تکلیف تو کچھ بھی نہیں ہے موسیٰ ''پادری نے کہا'' خداوند کے ہاں انصاف ہوگا تو وہ سزا ملے گی کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس وقت سے ڈرو اور اپنی اصلاح کر لو''

جواب میں موسیٰ نے گالی بکی۔ ''ایک دن تم اپنی اس حرکت پر پچھتاؤ گے'' سعید حسن۔'' اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''اور پادری تم بھی'' اس نے اضافہ کیا پھر وہ اس طرح چلایا کہ اس کی آواز یقیناً گھر کے اندر اس کی بیوی تک ضرور پہنچی ہوگی۔ میری عورت سے کہہ دینا کہ اگر اب وہ میرے گھر میں نظر آئی تو اس کے جسم کی ہر ہڈی توڑ دوں گا۔'' پھر وہ پلٹا اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے جنگل کی طرف چل دیا۔

''سعید اب تمہیں محتاط رہنا ہوگا۔ ٹام شاول نے پرتشویش لہجے میں کہا ''موسیٰ بہت خطرناک آدمی ہے''

ٹام ٹھیک کہتا ہے سعید بھائی' تم اس سے دور ہی رہنا کیٹی ٹریگو نے کہا' وہ باہر آ گئی اور ایک آنکھ سے ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دوسری آنکھ اور متورم ہو کر بند ہو گئی تھی۔

''نشہ اترے گا تو وہ ٹھیک ہو جائے گا سعید نے بے پروائی سے کہا' ہم لڑکپن میں ساتھ کھیلے ہیں میں موسیٰ کو جانتا ہوں''

یہ وہ موسیٰ نہیں ہے کیٹی نے نفی میں سر ہلایا' پچھلے برسوں میں وہ بہت بدلا ہے وہ سخت مزاج تو تھا مگر اب اس کے اندر زہر بھر گیا ہے اور سعید بھائی تم سے تو وہ جلتا ہے۔ تمہارے پاس وہ سب کچھ ہے جو اس کے پاس نہیں عزت' اچھے بچے اور اچھا گھر۔ سعید بھائی وہ تم سے نفرت کرتا ہے وہ کہتے کہتے رک گئی میں کچھ زیادہ ہی بول گئی شاید۔ بہر حال تم میری بات یاد رکھنا۔ میری مدد کا شکریہ اب میں چلتی ہوں۔

''نہیں ابھی مت جاؤ موسیٰ تمہیں ختم کر دے گا سعید نے تشویش سے کہا۔

ایسا نہیں ہوگا' گھر پہنچ کر وہ بستر پر گرے گا تو صبح ہی اٹھے گا' پھر وہ کام پر چلا جائے گا۔ یہی زندگی ہے اس کی' پینا سونا اور کام پر جانا۔ اب وہ مجھے بالکل نہیں مارے گا کیٹی کی آنکھوں میں آنسو چمکے اور پھر وہ میرا شوہر ہے میں اور کہاں جا سکتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ جنگل کی طرف چل دی اس نے ایک بار بھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔

☆......☆......☆

اس واقعے کے تین دن بعد مریم نے راشد کو پکڑ لیا۔ وہ اس وقت سکول سے واپس آ رہا تھا۔ وہ قد آدم جھاڑیوں سے نکل کر اس کے سامنے آ گئی۔ اس وقت وہ ایسی جگہ پر تھے جہاں کاٹیجز کے پاس کھڑا کوئی شخص انہیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''ہیلو'' مریم نے کہا۔

راشد کی جوابی ہیلو بہت محتاط تھی۔ موروں سے اس کا عناد اب دشمنی میں تبدیل ہو چکا تھا۔ یہ پچھلے واقعہ کے بعد واضح ہو چکا تھا' لیکن مریم کا انداز معاندانہ نہیں تھا۔ تم چرچ سکول سے آ رہے ہو۔ اس نے پوچھا حالانکہ یہ غیر ضروری سوال تھا۔

''ہاں۔''

''وہاں تم کیا سیکھتے ہو''

بہت کچھ' لکھنا' پڑھنا اور ریاضی'

''کاش میں بھی لکھنا پڑھنا سیکھ سکتی۔''

تم اپنے ڈیڈ سے اجازت لے لو۔

مریم نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں نے پوچھا تھا'' انہوں نے کہا' لڑکیوں کو ان فضولیات سے دور رہنا چاہیے۔

موسیٰ ٹریگو کے تذکرے پر راشد کو سانپ سونگھ گیا۔

''میں بتاؤں میرے ڈیڈ اتنے برے بھی نہیں ہیں۔'' چند لمحے کی خاموشی کے بعد مریم نے کہا۔ یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے ننگے پیروں کو دیکھا۔ گاؤں کی عورتیں اسے بہت ٹوکتی تھیں لیکن وہ اس کی عادی ہو چکی تھی۔ اسے ننگے پیر چلنا اچھا لگتا تھا وہ مجھے بھی کبھی کبھی ہی مارتے ہیں اور ہر بار افسوس بھی کرتے ہیں اس نے مزید کہا۔

راشد نے کچھ نہیں کہا وہ اختلاف کر کے جھگڑا مول نہیں لینا چاہتا تھا۔

''اور میرے ڈیڈ بہت محنتی ہیں۔ تمہارے بابا بھی کہتے ہیں کہ میرے ڈیڈ بہت اچھے کان کن ہیں۔''

''ہوں گے۔'' راشد سے نہیں رہا گیا' لیکن پینے کے بعد وہ بہت جھگڑالو ہو جاتے ہیں۔

مریم نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اس کے لہجے میں چیلنج تھا لیکن اگلے ہی لمحے وہ نرم پڑ گئی۔ اس نے راشد کے بیگ سے جھانکتی

ہوئی ایک کتاب کو چھوا' یہ کیا ہے۔

''یہ کاپی ہے۔''

مجھے دکھاؤ' میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ کاپی کیسی ہوتی ہے۔

پلیز۔

راشد ہچکچایا مریم کا انداز دوستانہ تھا لیکن وہ اس پر اعتماد نہیں کرسکتا تھا۔ بالآخر اس نے کاپی نکالی اور اسے کھول کر اپنی تحریر دکھائی۔ چھوٹے چھوٹے حروف لیکن صفائی ذرا کم۔

مریم بہت مرعوب نظر آنے لگی' یہ سب تم نے لکھا ہے۔ اس کے لہجے میں رشک تھا کیا لکھا ہے؟

راشد خوش ہوگیا ایسی تو میں کئی کاپیاں بھر چکا ہوں' پھر وہ پڑھ کر سنانے لگا اس نے دوصفحہ پڑھ دیئے۔ یہ بائبل کے اقتباس ہیں۔''

بہت خوبصورت' مریم کے لہجے میں حسرت آمیز استعجاب تھا۔

راشد نے پہلی بار مریم کو بہت غور سے دیکھا۔ اس کی آنکھیں بے حد سیاہ تھیں اور اتنی بڑی اور خوبصورت پلکیں اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔

تم میرا نام لکھ سکتے ہو..... مریم؟

''ہاں کیوں نہیں راشد نے بیگ کھول کر کاغذ کا ایک ٹکڑا اور قلم نکالا' پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا اسے کہیں رکھ کر لکھنا ہوگا''

مجھے ایک خفیہ جگہ معلوم ہے میرے سوا کسی کو اس کا پتہ نہیں' مریم نے سنسنی آمیز لہجے میں کہا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے کھینچنے لگی۔ وہ پگڈنڈی سے ہٹا کر اسے پھولوں کی جھاڑیوں میں لے گئی۔ جھاڑیوں میں چلتے چلتے وہ رکے۔ پہاڑی کی دیوار سامنے آگئی تھی۔

مریم نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی میرے پیچھے چلے آؤ۔

وہ ایک چھوٹی سی تنگ سرنگ میں گئے کوئی بیس فٹ کے بعد دوبارہ روشنی نظر آئی وہاں ہرطرف گھنی جھاڑیاں تھیں۔ جھاڑیوں کے درمیان ایک بہت بڑی چٹان تھی اس سے دو اور چٹانیں نکی ہوئی تھیں۔ اس کے نتیجے میں ایک چھوٹا سا تکونا غار بن گیا تھا۔ اس غار میں کھڑے ہوکر راشد نے دیکھا وہاں سے پوری وادی نظر آ رہی تھی لیکن انہیں کوئی

نہیں دیکھ سکتا تھا پھولوں کی جھاڑیاں آڑ کا کام دے رہی تھیں۔

''آؤ کاپی اس پتھر پر رکھ کر لکھو' مریم نے اشارہ کیا وہ وہیں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

راشد نے اپنا بستہ کندھے سے اتارا اور ایک کتاب نکال کر پتھر پر رکھی' پھر اس نے ہاتھ سے کاغذ کی سلوٹیں دور کیں اور اسے کتاب پر رکھ دیا' پھر وہ لکھنے لگا۔ ساتھ ہی وہ ہجے بھی کرتا جارہا تھا۔

''یہ لو یہ لکھا ہے مریم۔''

مریم سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ تو اسے جادو کا تماشا لگ رہا تھا'' کیا سچ مچ یہ میرا نام ہے کیا' یہ مریم لکھا ہے؟

ہاں۔

''میں یہ کاغذ رکھ سکتی ہوں'' مریم کے لہجے میں طمانیت تھی۔

''کیوں نہیں' یہ میرے تو کسی کام کا نہیں''

میں نے پہلی بار اپنا نام لکھا ہوا دیکھا ہے۔ میں اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھوں گی۔ چاہو تو میں تمہیں تمہارا نام لکھنا سکھا دوں' پھر تم خود اپنا نام لکھ سکوں گی راشد نے پیشکش کی۔

مریم نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور بے تابی سے بولی ''سکھاؤ نا' پلیز۔''

مگر یہ کام اتنا آسان نہیں جتنا راشد نے سمجھا تھا۔ سب سے پہلے تو یہ سکھانا پڑا کہ پنسل کیسے پکڑنی چاہئے' پھر وہ اس کا ہاتھ تھام کر اس کو حروف کی بناوٹ سمجھانے اور انہیں لکھنے میں مدد دیتا رہا۔ نام لکھنے میں خاصی دیر لگی اور پھر نتیجہ اطمینان بخش نہیں تھا مگر حوصلہ افزائی کے خیال سے اسے تعریف کرنی پڑی۔

''نہیں تمہارا لکھا ہوا بہت خوبصورت ہے' مریم نے اس کے لکھے ہوئے نام والے کاغذ کو مٹھی میں بھینچ لیا لیکن تم سکھاؤ گے تو مجھے بھی اچھا لکھنا آجائے گا۔''

''میں..... میں ..... کیسے۔''

راشد نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''کیا دوگی؟''

''میں تمہیں سیاہ خرگوش کا بل دکھاؤں گی''

سیاہ خرگوش صرف اس علاقے میں پایا جاتا تھا مگر بہت کم۔ اصل میں وہ خرگوش

نہیں تھا بلکہ اسی قسم کا جانور تھا۔ وہ خرگوش سے تھوڑا سا بڑا اور کافی بھاری ہوتا تھا۔ اس میں خرگوش کی سی پھرتی اور تیزی نہیں ہوتی تھی۔ وہ ڈرپوک بھی ہوتا تھا۔ اپنے بل سے صرف رات کو نکلتا تھا۔

سیاہ خرگوش کا سن کر راشد کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے سیاہ خرگوش کے متعلق صرف سنا ہی تھی' کبھی دیکھا نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں اشتیاق دیکھ کر مریم نے اسے اور اکسایا۔ ''ان کے بچے بھی ہیں۔''

راشد کی مزاحمت دم توڑ گئی۔ ''ٹھیک ہے میں تمہیں پڑھاؤں گا لیکن پہلے مجھے سیاہ خرگوش دکھاؤ۔

''تو چلو' مریم نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔ پڑھنے کی خواہش نے اسے ہیجان میں مبتلا کر دیا تھا۔

وہ اسی سرنگ میں چل پڑے۔ آگے جا کر سرنگ چوڑی ہوگئی مزید آگے جا کر وہ پھر تنگ ہونے لگی ''اب دبے پاؤں چلنا ہوگا مریم نے سرگوشی کی۔''

آگے سرنگ ختم ہو رہی تھی۔ سامنے مسطح قطعہ زمین تھا۔ وہاں جھاڑیاں کثرت سے تھیں۔ ہم یہیں سرنگ میں چھپ کر بیٹھیں گے۔ مریم نے کہا' اب بولنا مت۔

مگر وہ ہیں کہاں ؟راشد نے سرگوشی کی

ابھی کچھ دیر میں نکلیں گے' دیکھ لینا' مریم بولی وہ دیکھو' ان کا راستہ نظر آ رہا ہے۔

راشد نے غور سے دیکھا' اسے چار مختلف راستے نظر آئے' جو ایک ہی جھاڑی کی طرف جا رہے تھے تھے۔

ان کا بل اسی جھاڑی میں ہے۔

وہ خاموش بیٹھے رہے' شام کے سائے پھیلتے رہے۔ مریم کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر بیٹھنا راشد کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس کے پاس سے عجیب سی خوشبو آ رہی تھی۔ جنگل جیسی خوشبو' مگر عجیب ہونے کے باوجود وہ اسے اچھی لگ رہی تھی۔ وہ اس کی طرف کھنچ رہا تھا۔

اچانک مریم نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا اور پرجوش لہجے میں بولی۔

''کچھ سنا تم نے۔''

''نہیں .... نہیں تو''

میں نے سنا ہے اب خرگوش باہر آنے والے ہیں۔

چند لمحے میں جھاڑی سے ایک سر ابھرا۔ اس پر کہیں کہیں سفید دھاریاں بھی تھیں۔ راشد سحر زدہ دم سادھے دیکھتا رہا۔ خرگوش سونگھنے کے انداز میں نتھنے ہلا رہا تھا۔ وہ بہت محتاط انداز میں باہر آیا۔ فوراً ہی اندر چلا گیا۔

اس نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔ راشد نے مایوسی سے کہا۔

''شش یہ بات نہیں ہے۔ اپنا اطمینان ہونے کے بعد وہ اپنے بچوں کو باہر لائے گا۔ دیکھ لینا۔''

اور مریم کی بات فوراً ہی سچ ثابت ہوگئی۔ اس بار خرگوش باہر آیا تو اس کے پیچھے دو بچے بھی تھے۔ سب سے آخر میں مادہ باہر آئی۔

راشد سانس روک کر دیکھ رہا تھا۔ وہ چاروں اچھلتے پھدکتے ایک راستے پر بڑھ رہے تھے۔ راشد ایک طرف ہو کر انہیں دیکھنے لگا۔ اس کی کہنی لگنے سے ایک ڈھیلا پتھر علیحدہ ہو کر گرا اور دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ خرگوش خوف زدہ ہو کر اچھلے اور اس جھاڑی کی طرف لپکے جہاں سے برآمد ہوئے تھے۔ نر نے جھاڑی میں جاتے جاتے اس طرف دیکھا جہاں مریم اور راشد دبکے بیٹھے تھے' پھر وہ بھی جھاڑی میں گھس گیا۔

''مجھے افسوس ہے راشد نے کہا۔ میں نے انہیں بھگا دیا''

مریم اٹھ کھڑی ہوئی' کوئی بات نہیں' میں تو انہیں دیکھتی ہی رہتی ہوں' پھر اس نے مشکوک نظروں سے راشد کو دیکھا۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ تم مجھے لکھنا پڑھنا سکھاؤ گے نا۔

راشد نے اثبات میں سر ہلایا' سکول سے واپسی میں تم مجھے ملنا مگر میں روز نہیں پڑھاؤں گا' کچھ بحث کے بعد طے پایا کہ وہ ہفتے میں تین دن اسے پڑھائے گا۔ راشد نے بستہ کندھے پر لٹکایا اور بولا۔ ''تم چل رہی ہو؟''

''مریم نے نفی میں سر ہلایا۔ آج پورے چاند کی رات ہے۔ میں یہاں سے چاند کو نکلتے دیکھوں گی تم بھی چلو نا۔''

نہیں' ماں پریشان ہو رہی ہوگی کہ میں کہاں رہ گیا اور مجھے کھانا بھی کھانا ہے۔

تم میرے ساتھ پہاڑی پر چلو تو میں تمہیں پپی دوں گی۔

''میں اس چکر میں نہیں پڑتا' راشد نے بے رخی سے کہا اور واپس چل دیا۔

''راشد ایک دن تم اس چکر میں ضرور پڑو گے۔ عقب سے مریم نے چھیڑنے والے انداز میں کہا۔ اس کے لہجے میں بہت خوبصورت شوخی تھی۔

راشد کا چہرہ تمتما اٹھا لیکن اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

☆......☆......☆

گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا اسی لیے کسی کو راشد کی غیر موجودگی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ ان میں بیشتر سعید کے ساتھی کان کن تھے۔

راشد کو سب سے پہلے پادری رائٹ کی گونج دار آواز سنائی دی۔ میں نہیں چاہتا ہم لوگ شہر جائیں' وہ کہہ رہا تھا' سرعام سزائے موت کا منظر دیکھنا شرم ناک فعل ہے اور پھر اسی روز میلہ بھی ہے۔ یہ اور بری بات ہے۔ ہمارے جوان گمراہی کے راستے پر بھی پڑ سکتے ہیں۔

لیکن کان کنوں کو پھانسی دی جا رہی ہے۔ ایک کان کن بولا اور وہ قریبی گاؤں کے ہیں۔ ''ہمارے جاننے والوں میں سے ہیں۔''

تو قاتل کی حیثیت سے سزائے موت پانا کوئی فخر کی بات ہے؟'' پادری نے چڑ کر کہا۔

قتل کا الزام کسی پر بھی لگا دو اور اسے پھانسی دے دو' یہ کوئی انصاف ہے۔ فاطمہ نے تند لہجے میں کہا ''اور مقتول کون تھا'' ملیشیا کا آدمی۔

کئی کان کنوں کی تائیدی آوازیں ابھریں اپنا دفاع کرنا جرم ہے۔ ایک کان کن نے چیخ کر کہا۔

یہ قتل کا کوئی جواز نہیں فاطمہ بہن' پادری کا لہجہ مدافعانہ ہوگیا' انسانی جان بہت مقدس ہے۔

''لیکن ظلم خاموشی سے سہہ لینا گناہ ہے۔ اللہ نے بدلے کا حکم دیا ہے۔

''فاطمہ کا لہجہ اب بھی تند تھا' کان کنوں کی جان مقدس نہیں ہے کیا' کان والوں نے انہیں قید کر دیا تھا اور ان کی اجرت بھی انہیں نہیں دی اس پر کان کن مشتعل نہیں ہوں گے اور کان والوں نے مذاکرات بھی نہیں کیے ملیشیا کے دستے کو طلب کرلیا''۔

''فاطمہ بہن' تم ان باتوں کو نہیں سمجھتیں' وہ لوگ مطالبات پیش کر رہے

تھے۔ پادری نے نرم لہجے میں کہا۔ وہ یونین بنانے کی باتیں کر رہے تھے۔ تمام کان کنوں کے متحد ہونے کی بات کر رہے تھے۔ یہ خطرناک رجحان ہے''

''ممکن ہے میں یہ سب نہ سمجھتی ہوں فادر' فاطمہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''لیکن میں یہ ضرور سمجھتی ہوں کہ جس کے بیوی بچے بھوکے مر رہے ہوں اس پر کیا گزرتی ہے جبکہ اسے اس کی محنت کے اجر سے محروم کر دیا گیا ہو۔ یہ کہہ کر وہ پاؤں پٹختی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔

سعید مسکرایا' ان معاملات میں فاطمہ بہت جذباتی ہے فادر۔ اس نے کہا تمہیں یہ تو کہنا ہی نہیں چاہئے تھا کہ وہ یہ باتیں نہیں سمجھتی''۔

پادری نے اپنے چہرے سے پسینہ پونچھا اور ہاتھ اٹھا کر لوگوں کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ ''ٹھیک ہے۔ یہ طے ہوگیا کہ ہم شہر جائیں گے۔ اس نے کہا اب تفصیلات طے کرلیں۔ احمد یہ بتاؤ ہمارے پاس کتنی گاڑیاں ہیں؟

احمد گاؤں کی مسجد کا پیش امام تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ فاطمہ نے پادری کو لاجواب کر دیا تھا۔ یہ نہیں کہ اس کے دل میں پادری کے لیے بغض وعناد ہو۔ پادری کو بھی گاؤں کے غریبوں سے ہمدردی تھی۔ پادری اس کیلئے بھائی کی طرح تھا۔ وہ سب مل جل کر لوگوں کی فلاح و بہبود کی فکر کرتے تھے۔

''عثمان' تم ذرا رائٹ کو گاڑیاں گن کر بتاؤ'' احمد نے نوجوان عثمان سے کہا۔

☆......☆......☆

وہ ایک چمکیلی صبح تھی۔ شہر جانے والی بیل گاڑیاں جلوس کی شکل میں روانہ ہوئیں۔ آگے کان کنوں کی گاڑیاں تھیں۔ پچھلی دو گاڑیوں میں نوجوان تھے۔ ان کے درمیان جن کی بوتلیں گردش کر رہی تھیں۔

راشد مریم کے قریب بیٹھا تھا مگر یہ مریم اس مریم سے بہت مختلف تھی جسے وہ خفیہ پناہ گاہ میں پڑھاتا تھا۔ ننگے پیر تو وہ اب بھی تھی لیکن اس نے سلیقے سے بال بنائے ہوئے تھے۔ وہ نہائی دھوئی ہوئی بہت تروتازہ لگ رہی تھی۔ کپڑے بھی صاف ستھرے پہنے تھے۔ البتہ اس کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔ راشد اس کے مسلسل باتیں کرنے سے شرمندہ تھا اور ہو ہاں میں ٹال رہا تھا۔

پھر کسی نے آواز لگائی کہ شہر نظر آ رہا ہے' راشد نے آگے کی طرف جھک کر کوچ بانوں کی ٹانگوں کے نیچے سے شہر کے آثار دیکھنے کی کوشش کی۔

شہر کے مکانات بالکل مختلف تھے۔ ان میں بڑے بھی تھے اور چھوٹے بھی' لیکن انہیں دیکھ کر یکساں طور پر نفاست کا احساس ہوتا تھا۔

بیل گاڑیوں کا قافلہ ایک کھیت کے باہر ٹھہر گیا۔ جوان لڑکوں نے اترنے میں ذرا دیر نہیں لگائی۔ وہ سب سے پہلے باہر آئے اور شہر کی رونقیں اور موج میلہ لوٹنے کی نیت سے شہر کی طرف چل دیئے۔ پادری رائٹ بوجھل دل لیے اداسی سے انہیں دیکھتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت کوئی واعظ انہیں نہیں روک سکے گا۔

''راشد' تم کیا کرو گے؟'' فاطمہ نے بیٹے سے پوچھا ''ہمارے ساتھ چلو نا۔''

''نہیں اماں' مجھے چھوڑ دو''

فاطمہ نے ناپسندیدہ نگاہوں سے اس کے برابر چپک کر بیٹھی ہوئی مریم کو دیکھا' اسے صرف مریم کے ننگے پیروں پر اعتراض تھا۔ ویسے وہ نہیں چاہتی تھی کہ راشد سزائے موت کا منظر دیکھے۔ تو پھر تم کیا کرو گے؟ اس کے لہجے میں بیٹے کیلئے حوصلہ افزائی تھی۔

''میں شہر کی سیر کروں گا اماں' میلے میں گھوموں پھروں گا۔''

ٹھیک ہے۔ پیسے تو ہیں نا تمہارے پاس' راشد نے بے حد خوشی سے اس کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا' اس کی ہتھیلی پر چاندی کا سکہ چمک رہا تھا ''پیسے یہ رہے اماں''

اچھا تمیز سے رہنا' اور پیسے کھو نہ دینا اور سنو' شام کو سورج ڈھلنے سے پہلے یہیں واپس آ جانا...... گاڑی کے پاس۔

''ٹھیک ہے اماں۔''

بڑوں کے جاتے ہی مریم اور راشد بھی گاڑی سے اتر آئے۔ وہ اسی طرف چل دیئے جدھر انہوں نے گاؤں کے جوانوں کو جاتے دیکھا تھا۔ انہیں میلے میں پہنچنے میں تھوڑی دیر لگی وہاں بڑی رونق تھی۔ سٹال اور دکانیں خوب سجی ہوئی تھیں۔ وہاں وہ چیزیں بھی تھیں جن کا انہوں نے صرف تذکرہ سنا تھا۔ وہ بہت بڑا بازار تھا جہاں چھوٹی موٹی چیزوں کے علاوہ مویشی تک فروخت ہوتے تھے۔ راشد نے چوسنے والی گولیاں خریدیں پھر وہ پھولے ہوئے رخساروں کے ساتھ گولیاں چوستے ہوئے ادھر ادھر پھرتے رہے۔ انہیں اس سے غرض نہیں تھی کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔

اچانک انہوں نے خود کو ایک بہت چوڑے اور بلند و بالا آہنی گیٹ کے سامنے پایا۔ گیٹ کے ساتھ بہت اونچی چوحدی تھی۔ اندر پتھروں کی بنی ہوئی سرمئی عمارت تھی۔ ان کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ جیل ہے۔

عمارت کے سامنے احاطے کے اندر ایک بہت بڑا چبوترہ بنا ہوا تھا وہاں پھانسی گھاٹ تھا۔ بڑے شہتیر سے پھانسی کا پھندا لٹکا تھا۔ وہ بار بار ہوا سے جھول رہا تھا جیسے انسانی گردن کا مطالبہ کر رہا ہو۔ اسے دیکھ کر راشد جھرجھری لے کر رہ گیا۔

پلیٹ فارم پر محافظ دستے کا انچارج ٹہل رہا تھا۔ وہ چیخ کر حکم دے رہا تھا کہ پھانسی گھاٹ اور گیٹ کے درمیان کی جگہ بالکل خالی ہونی چاہئے۔

اس کے علاوہ وہاں کوئی سرگرمی نہیں تھی۔ نہ ہی کچھ ہونے کے آثار تھے۔ راشد اور مریم ہاتھ میں ہاتھ ڈالے آگے بڑھ گئے۔ اس بار وہ شہر کا جائزہ لیتے پھرے۔ دوپہر ہوگئی تو انہوں نے پھر جیل کا رخ کیا مگر اس وقت تک جیل کے سامنے انسانوں کا ہجوم جمع ہو چکا تھا۔ جیل کے سامنے والی پہاڑی کی ڈھلوان تک سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ وہاں تل دھرنے کی بھی جگہ نہیں تھی۔

"پہاڑی پر چلو' وہاں سے زیادہ صاف نظر آئے گا' مریم نے کہا۔ وہ دونوں پہاڑی کی طرف چل دیئے ۔تھوڑی دیر کے بعد ڈھول بجایا جانے لگا' باوردی سپاہیوں کی دو قطاریں نمودار ہوئیں' سپاہی منظم انداز میں گیٹ کے دونوں طرف کھڑے ہوگئے۔

پھر بدنصیب کان کنوں کو چبوترے پر لایا گیا۔ ان کے ہاتھ رسی سے بندھے ہوئے تھے اور پیروں میں بیڑیاں تھیں۔ انہیں دیکھتے ہی ہجوم میں نفرت آمیز بڑبڑاہٹ ابھری اور جیسے ان کے بیچ کرنٹ سا دوڑ گیا' سپاہیوں نے ہچکچاتے ہوئے اپنی بندوقیں سیدھی کرلیں۔

پھانسی دینے والا جلاد آگے بڑھا' اس کا چہرہ سیاہ نقاب سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس کی صرف آنکھیں نظر آ ہی تھیں۔

"بھائیو' فضا میں پادری رائٹ کی آواز گونجی' بھائیو' میرے ساتھ ان دو بدنصیب گناہ گاروں کیلئے دعا کرو جو خداوند کے فیصلے سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمیں خداوند سے رحم کی التجا کرنی چاہئے۔

مجمع میں ہلچل سی مچ گئی' بیشتر مرد اور عورتیں جو مسیحی تھے گھٹنوں کے بل جھک گئے تھے۔

"خداوند...... ہم شکر گزار ہیں کہ تو نے ہمیں معافی طلب کرنے کا یہ موقع فراہم کیا...... پادری رائٹ کی آواز گونجی۔ یہ پادری خداوند کا شکریہ کیوں ادا کر رہا ہے؟ مریم نے راشد سے پوچھا ؟؟ ان بے چاروں کو تو لٹکایا جا رہا ہے نا۔"

"ہاں انہیں پھانسی دی جا رہی ہے۔" راشد نے کہا۔

مریم خاموش ہوگئی' پادری رائٹ طویل دعا کی تاثیر پر ایمان رکھنے والوں میں سے تھا۔ وہ دیر تک دعا مانگتا رہا۔ دعا ختم ہوئی تو اس نے ہجوم کو حکم دیا کہ وہ اس کے ساتھ آواز ملا کر مناجات پڑھیں۔

دس ہزار انسانوں نے ایک آواز ہو کر مناجات کے بولوں کو فضا میں اٹھایا تو محافظ دستے کے انچارج کا تحمل جواب دینے لگا۔ اس نے سر گھما کر دیکھا۔ جلاد سزائے موت کے مجرموں کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ سینے پر باندھے ہوئے تھے آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر ایسی عقیدت تھی جیسے وہ چرچ میں کھڑا ہو۔

مناجات کا تیسرا بند شروع ہوا تو آفیسر انچارج نے اپنے قریب کھڑے

سارجنٹ سے کچھ کہا' جواب میں سارجنٹ نے جلاد کو جگایا۔ چند منٹ کی کوشش کے نتیجے میں جلاد مجرموں کے گلے میں پھندے ڈالنے پر آمادہ ہوگیا۔ یہ منظر دیکھ کر مناجات گانے والوں کی آوازیں لڑکھڑانے لگیں۔

آفیسر انچارج آگے بڑھا اور تنی ہوئی آواز میں چلایا' خاموش ہو جاؤ۔ قانون کے نام پر خاموش ہو جاؤ۔ مجمع پر ایک دم خاموشی چھا گئی۔

"ان دو مجرموں آرتھر سلیڈن اور جوزف ڈارلنگ کو عدالت نے سزائے موت سنائی ہے۔ اس سزا پر عملدرآمد کرانا میری ذمہ داری ہے۔ ان دونوں پر ملیشیا کے ایک نوجوان ہنری ٹالبوٹ کے قتل کا جرم ثابت ہو چکا ہے۔ یہ اپنی آخری خواہش کا اظہار کر سکتے ہیں۔ خدا ان کی روحوں پر رحم فرمائے۔"

"خدا تمہیں اور ان لوگوں کو جہنم رسید کرے جنہوں نے کان کنوں کے حقوق دبا رکھے ہیں' خدا تم سمیت سب ظالموں کو جہنم رسید کرے۔ ایک آواز ابھری۔

اپنے استاد ولیم ٹھاکر کی آواز پہچان کر راشد متعجب رہ گیا۔ مختصر الوجود ٹھاکر سب سے اگلی قطار میں کھڑا تھا۔ مجمع سے تائیدی آوازیں ابھریں لیکن ولیم ٹھاکر کو ابھی اور بہت کچھ کہنا تھا۔ ملیشیا کا کام قانون کی بالادستی کو یقینی بنانا ہے۔ کان کے مالکوں کے احکامات کی تعمیل کر کے غریب کان کنوں پر ظلم کرنا نہیں۔ پھانسی کے تختے پر اس وقت جو لوگ کھڑے ہیں وہ اس سزا کے مستحق نہیں۔ اس کی آواز اور بلند ہوگئی۔ اب وہ دہاڑ رہا تھا" یہ سزا کان کے مالکوں اور حصہ داروں کو ملنی چاہئے۔

ہاں انہیں آزاد کردو' چھوڑ دو انہیں' بہت سے لوگ بیک وقت بولے۔ مجمع لاوے کے سمندر کی طرح آگے کی طرف سرکا۔

آفیسر انچارج نے چیخ کر کچھ حکم دیا سپاہیوں نے سنگین لگی بندوقیں تان لیں اسی وقت جلاد نے تختہ ہٹا دیا۔ اگلے ہی لمحے دونوں مجرم جھٹکے سے نیچے گرے۔ ان کی گردنیں ٹوٹ گئیں۔ اب رسی سے ان کی لاشیں جھول رہی تھیں۔

مجمع میں ایک عورت ایک مجرم کا نام لے کر بین کرنے لگی۔ شاید وہ بدنصیب مجرم کی بیوی تھی' اس کی آواز کے سوا ہر طرف ایک سنگین خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

راشد کو احساس ہوا کہ مریم نے پوری قوت سے اس کا ہاتھ دبوچ لیا ہے "یہ سب کتنا خوفناک ہے۔" مریم سسک رہی تھی۔ راشد نے اسے دلاسہ دینے کی کوشش کی

لیکن اسی وقت ہنگامہ شروع ہوگیا مجمع مشتعل ہو چکا تھا۔ سپاہی مرنے والوں کی لاشوں کو اتار رہے تھے کہ چبوترے پر ایک بڑا پتھر آ کر گرا پھر دوسرا...... اور تیسرا...... اور اس کے بعد باقاعدہ پتھراؤ شروع ہوگیا۔ چند سپاہی لاشوں کو عمارت کی طرف لے گئے باقی سپاہی مجمع کے سامنے دیوار کی طرح کھڑے ہوگئے اور منظم انداز میں ایک ایک قدم پیچھے ہٹنے لگے وہ گیٹ کے قریب پہنچے ہی تھے کہ مشتعل کان کنوں نے ان پر حملہ کردیا آفیسر نے چیخ کر کچھ حکم دیا تو سپاہی جہاں تھے وہیں ڈٹ گئے ان میں سے آدھے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے ان کی بندوقوں کا رخ مشتعل ہجوم کی طرف تھا۔

آفیسر کی تلوار فضا میں بلند ہوئی اس کے نیچے آتے ہی سپاہیوں نے فائرنگ شروع کردی وہ ہوائی فائرنگ تھی لیکن لوگ ڈر گئے۔ ہزاروں کے اس مجمع میں بھگدڑ مچ گئی۔ راشد بھی مریم کا ہاتھ تھام کر بھاگ کھڑا ہوا وہ بھاگتے رہے اور اس وقت تک نہ رکے جب تک شہر کی تنگ گلیوں میں نہ پہنچ گئے وہ گلیاں انہیں تحفظ کا احساس دلا رہی تھیں۔

وہ رکے تو راشد کو حماقت کا احساس ہونے لگا وہ خواہ مخواہ بھاگے' سپاہی تو ان کے تعاقب میں نہیں تھے نہ ہی دوسرا فائر کیا گیا تھا اس نے مریم کو دیکھا مریم کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا چلو راشد نے تند لہجے میں کہا وہ اب بھی مریم کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا میں تمہیں میٹھی گولیاں دلاؤں گا پھر تمہیں بھالو کا ناچ بھی دکھاؤں گا۔

انہوں نے یہ سب دیکھا اور کھٹی میٹھی گولیاں چوستے رہے کئی بار انہوں نے مداری کا تماشا دیکھا شام ہوتے ہوتے مریم کے ذہن سے بالآخر پھانسی گھاٹ کی خوفناک یاد محو ہونے لگی اب وہ ہنس بول سکتی تھی۔

شہر میں وہ چھٹی کا دن تھا' شراب خانے کھلے ہوئے تھے شام ہوتے ہوتے بدمستوں کی تعداد بڑھتی گئی' سڑکوں پر اور گلیوں میں نشے میں دھت مرد دندناتے رہے تھے ۔عورتیں منظر سے غائب ہو چکی تھیں شاید انہوں نے جان لیا تھا کہ اب عافیت گھر میں رہنے ہی میں ہے۔

راشد اور مریم اس بار اور طرح کی مشکل میں پھنس گئے سڑک پر دو شرابیوں کے درمیان جھگڑا شروع ہوا اور بلوے میں تبدیل ہونے لگا وہ دونوں گھبرا کر بھاگے اور ایک گلی میں گھس گئے گلیوں میں گھستے نکلتے ایک تنگ گلی میں انہیں ایک بھاری بھرکم شخص نظر

آیا وہ نشے میں دھت تھا' آنکھیں سرخ انگارا ہو رہی تھیں۔ راشد چاہتا تھا کہ اس سے بچ کر نکل جائے لیکن شرابی راستہ روک کر کھڑا ہوگیا۔

راشد نے اسے پہچان لیا' وہ گاؤں والی کان کا کیپٹن اسد تھا۔

واہ بھئی واہ یہاں تو پھلجڑی مل گئی۔'' اس نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا اور ڈولتا ہوا آگے بڑھا۔ ''اے پھلجڑی تجھے گاہک چاہئے؟ ہے نا۔'' وہ مریم سے مخاطب تھا' بول کیا لے گی؟

''سونے کا ایک بڑا سکہ! مریم بولی'

راشد نے حیرت سے مریم کو دیکھا

''سونے کا سکہ' تو مجھے بیوقوف سمجھتی ہے' اسد نے منہ بگاڑ کر کہا پھر غور سے مریم کو دیکھا کچی کلی لگتی ہے کرا بھی ہے تیرے پاس؟

ہاں ہے مریم نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں سونے کا چھوٹا سکہ دوں گا''

''بڑا سکہ' مریم نے اصرار کیا۔

''چھوٹا سکہ اس نے دہاڑ کر کہا' کوئی عورت سونے کے بڑے سکے کے قابل نہیں ہوسکتی۔

''مریم چلو' راشد نے مریم کا ہاتھ ہلایا' مریم نے ہاتھ چھڑا لیا اور راشد کو اشارہ کیا کہ وہ یہاں سے کھسک لے۔

لڑکے تو یہاں کیا کر رہا ہے اس نے آنکھیں پھاڑ کر راشد کو دیکھا جانا پہچانا لگتا ہے خیر ہوگا تو جو کوئی بھی ہے نکل لے یہاں سے چل بھاگ' راشد مضبوطی سے زمین پر قدم جما کر کھڑا ہوگیا اسد نے جیب سے سونے کا چھوٹا سکہ نکالا اور ہتھیلی پر رکھ کر مریم کو دکھایا بول کیا کہتی ہے۔

''میں تو بڑا سکہ ہی لوں گی'

اسد نے دوبارہ جیب میں ہاتھ ڈالا اور اس بار سونے کا بڑا سکہ نکالا ''تو بھی کیا یاد کرے گی۔ مریم نے جلدی سے سکہ اس کی ہتھیلی سے اٹھا لیا چل پھر...... سونے کے بدلے سونا دکھا۔ رہتی کہاں ہے تو؟ اسد نے کہا۔

''راشد گھبرا گیا تھا اس نے دوبارہ مریم کا ہاتھ تھام لیا مریم اس کے ساتھ مت جاؤ یہ تمہیں نقصان پہنچائے گا' بھاگ چلو یہاں سے''

اسد کو غصہ آ گیا' تجھے میں نے کہا تھا دفع ہو جا' سنا نہیں تو نے یہ کہہ کر اس نے پوری قوت سے راشد کے رخسار پر الٹے ہاتھ کا تھپڑ مارا راشد کا توازن بگڑا اور اسکا سر پوری قوت سے دیوار سے ٹکرایا اسے بس اتنا یاد رہا کہ بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے مریم کی چیخ سنی تھی۔

اس کی آنکھیں کھلیں تو وہاں نہ اسد تھا نہ مریم اور اس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا وہ انہیں ادھر ادھر کی گلیوں میں ڈھونڈتا پھرا لیکن وہ نہیں ملے ادھر سائے لمبے ہوتے جا رہے تھے۔ وہ اداس اور دل گرفتہ اس جگہ پہنچا جہاں بیل گاڑیاں کھڑی تھیں وہ اس گاڑی میں بیٹھ گیا جس میں آیا تھا۔

پھر گاؤں والے ایک ایک کرکے واپس آنے لگے اسے بیٹھا دیکھ کر فاطمہ نے سکون کی سانس لی لیکن اس بار وہ دوسری گاڑی میں سعید کے ساتھ بیٹھ گئی پھر اچانک مریم گاڑی میں گھسی۔ خوشی سے اس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی انداز ایسا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

''راشد .... تم ٹھیک تو ہو' میں تو سمجھی تھی کہ اسد نے تمہیں مار ڈالا' میں فکرمند تھی چھٹکارا پاتے ہی میں واپس آئی مگر تم موجود نہیں تھے میں نے تمہیں بہت ڈھونڈا' کہاں چلے گئے تھے تم وہ آتے ہی شروع ہوگئی۔

راشد نے کوئی جواب نہیں دیا منہ پھیر لیا۔

یہ دیکھو میں نے کیا کیا خریدا' ماں کیلئے کنگھا' ڈیڈ کیلئے تمباکو' مورون کیلئے ٹوپی' اپنے لیے ربن' وہ کہتے کہتے رکی اور یہ میں نے تمہارے لیے خریدا ہے اس نے ہاتھ آگے بڑھایا وہ ہڈی کے دستے والا' دو پھل والا خوبصورت چاقو تھا۔

راشد کا جی مچلنے لگا لیکن اسے وہ چاقو قابل نفرت بھی لگ رہا تھا مجھے نہیں چاہئے ہٹاؤ اسے۔

مریم کی آنکھیں پھیل گئیں کہیں تم ... کہیں تم یہ تو نہیں سمجھ رہے کہ میں اس جانور کے ساتھ سچ مچ چلی گئی تھی۔ اس کے لہجے میں اتنی نفرت اور تندی تھی کہ کچھ عورتیں چونک کر اسے دیکھنے لگیں مریم نے آواز نیچی کر لی اس نے اتنی بکواس کی تھی اسے سزا تو ملنی چاہئے تھی میں نے اس سے سونے کا بڑا سکہ لے لیا پھر مجھے جو پہلا کھلا دروازہ ملا میں اسے اسی میں لے گئی۔ میں نے کہا' تم اوپر جاؤ بیڈ روم میں میرا انتظار کرو میں

کپڑے بدل کر آتی ہوں۔ میرا خیال ہے وہ اب بھی وہیں ہوگا وہ مسکرائی اور متوقع مسکراہٹ کی امید میں راشد کو تکنے لگی۔ لیکن یہ چوری کے برابر ہے راشد نے کہا میں تم سے چلنے کو کہہ رہا تھا' تمہیں میرے ساتھ آ جانا چاہئے تھا اس نے میرا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اور اس نے تمہیں بھی مارا میں مزاحمت کرتی تو وہ مجھے بھی مارتا مریم نے کہا پھر بولی۔

''میں اسے چوری نہیں کہہ سکتی وہ اس کا مستحق تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے گاڑی بھر گئی' کوچ بان بھی سوار ہوگیا چند لمحے بعد واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔

راشد اپنے گھٹنوں پر بازو لپیٹے سر جھکائے بیٹھا رہا۔ وہ پریشان تھی اسے سب سے زیادہ پریشانی اس بات کی تھی مریم نے ابتدا ہی میں سمجھ لیا تھا کہ اسد کیا کہہ رہا ہے اور اس سے کیا چاہتا ہے اس نے اندھیرے میں سر گھما کر مریم کو دیکھا اس کے رخساروں پر اسے آنسوؤں کی چمک نظر آئی سوری مریم تم نے جو کیا ٹھیک کیا' اس نے آہستہ سے کہا اور یہ چاقو بہت خوبصورت تحفہ ہے۔

مریم نے اپنے آنسو پونچھے اور خاموشی سے چاقو اسے تھما دیا۔ راشد نے اس کا ہاتھ تھام لیا وہ عجیب سا ہو رہا تھا شرمندہ شرمندہ' مجھے افسوس ہے میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکا''

اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں' مریم نے غصے سے کہا وہ تم سے بڑا اور کہیں زیادہ طاقت ور تھا۔

ان کے درمیان چند منٹ خاموشی رہی پھر پیچھے والی گاڑی میں کسی نے ایک لوک گیت گانا شروع کیا دوسرے اس کی آواز میں آواز ملانے لگے ایک سماں بندھ گیا۔

اچانک مریم کا سر راشد کے کندھے پر آ ٹکا لمحوں میں وہ خود کو بڑا محسوس کرنے لگا مرد اس نے سر گھما کر دیکھا مریم سو رہی تھی۔

☆......☆......☆

ولیم ٹھاکر چرچ واپس آیا تو بہت خوش تھا وہ اپنے لفظوں کی تاثیر دیکھ چکا تھا اس کے لفظوں نے ہجوم کے جذبات کو بھڑکا دیا تھا انہیں مشتعل کر دیا تھا اسے یہ خیال بھی نہیں آیا کہ ان دونوں کان کنوں کو پھانسی کے تختے تک پہنچانے میں جزوی کردار اسی کا تھا وہ اس کی میٹنگز میں آتے تھے اسے سنتے تھے اور اس کی باتوں کا گہرا اثر قبول کرتے تھے۔

اسی کے نتیجے میں وہ اس انجام کو پہنچے تھے۔

لیکن یہ تو واعظ ٹھاکر کا مشن تھا جہاں کہیں کان کنوں کا کوئی مسئلہ اٹھتا ان کیلئے پریشانی کڑھی ہوتی وہ وہاں پہنچ جاتا اور انہیں بتاتا کہ متحد ہو جانے میں ہی ان کی بہتری ہے۔ اتحاد کے بغیر ان کی زندگی کبھی نہیں سنورے گی۔ ٹھاکر کی تقریریں صرف کان کے مالکوں اور حصے داروں ہی کے خلاف نہیں ہوتی تھیں حکومت کی زرعی پالیسی بھی اس کا ہدف ہوتی تھی جس کے نتیجے میں غذائی اجناس کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگی تھیں۔ یہی نہیں غذائی اجناس کی قلت بھی خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی تھی اس پر مستزاد یہ قانون کہ گندم کی درآمد ممنوع قرار دے دی گئی تھی اور ایسا صرف کسانوں کے مفاد میں کیا گیا تھا۔

ٹھاکر کا یہ ہدف وہ زمین دار بھی تھے جو اس قانون سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گندم کو بازار میں لانے سے گریز کرتے تھے تاکہ قلت کی وجہ سے گندم کی قیمت میں اضافہ ہو لیکن قیمتوں میں اس اضافے کی وجہ سے کان کن پریشان تھے ان کی قوت خرید اتنی نہیں تھی۔ واپس آتے ہوئے ٹھاکر کو ایک گروہ ملا وہ بھی اسی سمت سفر کر رہا تھا تم واعظ ٹھاکر ہو؟ گروہ میں سے ایک شخص نے پوچھا

ہاں کیا بات ہے، میں تمہیں جانتا ہوں علی۔

کان کنوں کا وہ چھوٹا سا گروہ اس کے قریب ہو گیا۔ علی نے کہا واعظ ہم تم سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔ راز داری سے۔

جب تم چاہو علی لیکن بات تو یہاں بھی ہو سکتی ہے

نہیں واعظ مجھے اندھیرے میں بات کرنا پسند نہیں۔

تو پھر میرے چرچ آ جاؤ

کل رات آؤں گا' رات کی شفٹ کے بعد

ٹھیک ہے علی لیکن بات کیا ہے۔

میں ایک لفظ میں بیان کر رہا ہوں' صرف ایک لفظ گندم۔

☆......☆......☆

کان کا کیپٹن اسد اگلے روز بھی گاؤں میں نظر نہیں آیا۔ خبر گرم تھی کہ وہ رات بھر شہر کے تھانے میں بند رہا ہے بڑی مشکل سے اس نے سالم سے رابطہ کیا تھا۔ سالم کی

اس مدد کیلئے شہر پہنچا جہاں اسے پتا چلا کہ معاملہ بہت سنگین ہے اسد پر الزام تھا کہ وہ ایک عورت پر مجرمانہ حملے کی نیت سے اس کے گھر میں گھس گیا تھا وہ نشے میں دھت تھا اور اس نے ایک کانسٹیبل پر بھی ہاتھ اٹھایا تھا۔

بڑی مشکل سے سالم نے اس کی گلوخلاصی کرائی۔

اس واقعہ کا اسد پر بہرحال اچھا اثر پڑا' پورے موسم گرما میں وہ خود کو ایک معقول اور خاموش طبع آدمی ثابت کرتا رہا لیکن راشد کے دل میں اس کا ڈر بیٹھ گیا تھا وہ اس کا سامنا کرنے سے بچنے کی کوشش کرتا تھا لیکن چند ہفتے گزرے تو اس کا ڈر نکل گیا۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ اسد کو پھانسی والے دن کی کوئی بات یاد نہیں ہے اور وہ اسے پہچانتا بھی نہیں تھا۔ اسے تو وہ لڑکی بھی یاد نہیں تھی جس نے اسے اس مصیبت میں پھنسایا تھا۔

چرچ میں ہونے والی میٹنگ میں علی کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے وہ سب کان کن تھے' اس روز واعظ سے ملاقات کے لیے آنے والے دوسرے کان کنوں کو ٹال دیا گیا کہ اس وقت واعظ مصروف ہے' ملاقات نہیں ہو سکتی اس پر کسی نے برا بھی نہیں مانا' واعظ ان سب کی ضرورت تھا۔

علی اور اس کے ساتھی صرف بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھے وہ اپنے مسائل کا عملی حل چاہتے تھے ان کے پاس ایک قابل عمل منصوبہ بھی تھا انہیں ولیم ٹھاکر سے صرف رہنمائی اور مشورہ درکار تھا اور واعظ ان کیلئے دل وجان سے حاضر تھا۔ منصوبے کی جزئیات طے کر لی گئیں سب متفق تھے کہ انہیں کامیابی نصیب ہو گی۔

☆......☆......☆

سونا گاؤں کی منڈی زیادہ بڑی نہیں تھی لیکن وہاں گرمئی بازار کی کمی نہیں تھی۔ پچھلے کچھ عرصہ سے غذائی اجناس کی قلت نے سونا منڈی کی اہمیت کو بہت بڑھا دیا تھا۔

اس روز منڈی میں کان کنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی ایک عام شخص بھی اس بات کو محسوس کر سکتا تھا صبح سے ان کی گاڑیاں بھر بھر کر آتی رہی تھیں۔ فروخت کیلئے مویشی اور غذائی اجناس لانے والی گاڑیاں الگ تھیں۔ مختصر یہ کہ اس روز لگتا تھا بیچنے والے جلدی فارغ ہو جائیں گے۔

گندم کی مارکیٹ منڈی کے وسط میں تھی وہ پتھروں کی بنی ایک چار دیواری تھی جس کے درمیان ایک بڑا میدان تھا۔ وہاں گندم کی نیلامی ہوتی تھی اس روز نیلام شروع

ہوا تو وہاں معمول سے زیادہ ہجوم نظر آیا۔

بولی فی من کی لگتی تھی۔ اس روز بولی چاندی کے دس سکوں سے شروع ہوئی بولی بیس سکوں تک پہنچی تو صرف بڑے تاجر میدان میں رہ گئے نیلام والا بہت خوش نظر آ رہا تھا بازاری گرمی بیچنے والوں کو ہمیشہ اچھی لگتی ہے۔

دیکھتے ہی دیکھتے بولی سونے کے چھوٹے سکے تک جا پہنچی۔ غریب لوگوں کے منہ لٹک گئے۔ اب بولی لگانے والوں میں سونا گاؤں اور اس کے نواحی دیہاتوں کا کوئی آدمی نہیں رہ گیا تھا۔ بڑے قصبوں کے بڑے تاجر بھی دست بردار ہونے لگے۔

اچانک مجمع کے عقب سے ایک آواز ابھری چاندی کے پندرہ سکے اور اس بھاؤ سے یہ تمام گندم میں خرید رہا ہوں۔'' نیلام کرنے والا مسکرایا مذاق مت کریں، جناب' آپ پیچھے رہ گئے ہیں بولی سونے کے چھوٹے سکے اور چاندی کے پانچ سکوں تک پہنچ چکی ہے۔''

تم نے سنا نہیں۔ چاندی کے پندرہ سکوں سے اوپر کچھ نہیں ملے گا۔ میں یہ تمام گندم خرید رہا ہوں۔ علی بھیڑ میں جگہ بناتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

آپ یہ زیادتی نہیں کر سکتے۔ میں سب سے اونچی بولی کا پابند ہوں' نیلام کرنے والا اکڑ کر بولا۔'' پندرہ سکے مناسب ترین قیمت ہے علی نے کہا بھوکوں کو محکوم کرنے کی زیادتی تمہیں زیادتی نہیں لگتی۔ یہ گندم میں اسی قیمت پر خریدوں گا اور غریبوں کو اسی قیمت پر بیچوں گا بھی سمجھ گئے۔

نیلام کنندہ اب بھی احتجاج کر رہا تھا لیکن کان کنوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، علی پلیٹ فارم پر چڑھ گیا۔ اس نے نیلام کنندہ کو ایک طرف ہٹایا اور چیخ کر بولا نیلامی کینسل۔ یہ گندم چاندی کے پندرہ سکوں کے بھاؤ پہلے آیئے پہلے پایئے کی بنیاد پر فروخت کی جائے گی۔ برائے مہربانی ڈسپلن کا خیال رکھیں۔ کسی کو اس قیمت پر اعتراض تو نہیں۔ میرے خیال میں یہ بہت مناسب قیمت ہے۔

بیشتر کان کنوں نے اس قیمت کے حق میں نعرے لگائے لیکن ایک اختلاف کرنے والا بھی تھا۔ زمیندار اپنی تجوریاں خوب بھر چکے ہیں۔ میرے خیال میں بارہ سکے...... بلکہ دس سکے زیادہ مناسب رہیں گے۔

یہ نہیں چلے گا۔ کسان بھی محنت کرتے ہیں خون پسینہ ایک کرتے ہیں انہیں بھی

زندگی گزارنی ہے۔ اچھا اب باتیں ختم گندم خریدنی ہے تو آؤ۔

منٹوں میں یہ انقلابی خبر پوری منڈی میں پھیل گئی۔ گندم کو ترسے ہوئے لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ کچھ زمینداروں نے اس روایت شکنی پر احتجاج کیا لیکن ہجوم کے تیور دیکھ کر انہیں خاموش ہونا پڑا۔ خوشی کی بات یہ تھی کہ لوگوں نے خود ہی نظم و ضبط قائم رکھا انہوں نے قطار لگا لی۔

وہاں موجود گندم ایک گھنٹے میں ختم ہوگئی' پھر کسی نے چیخ کر کہا کہ چوحدری میں موجود تمام گندم ایک گھنٹے میں ختم ہوگئی پھر کسی نے چیخ کر کہا کہ چوحدری میں موجود تمام گودام گندم سے بھرے پڑے ہیں۔ دس منٹ میں گوداموں کے دروازے توڑ دیئے گئے اور باہر گندم کا انبار لگ گیا۔ یوں گندم کی فروخت جاری رہی۔

پورا معاملہ مثالی مستعدی اور نظم و ضبط کے ساتھ نمٹایا گیا تھا۔ سینٹ کلیئر کے چرچ میں جو تفصیلات طے ہوئی تھیں یہ انہی کا کمال تھا۔ گندم فروخت کرنے والے کان کن تین تین کی ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک تولتا' دوسرا قیمت وصول کرتا اور تیسرے کے پاس جمع کرا دیتا۔ سکے کینوس کے تھیلوں میں جمع کیے جا رہے تھے۔

علی کی نظر ایک بوڑھی عورت پر پڑی جو بڑی حسرت سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔

ماں تمہیں گندم نہیں چاہئے اس نے پکارا' یہاں آؤ تمہیں قطار میں لگنے کی ضرورت نہیں۔

تمہاری بڑی مہربانی بڑھیا بولی' لیکن چاندی کے سکے میں کہاں سے لاؤں۔

ماں ..... تم بیوہ تو نہیں ہو؟

بیس سال پہلے ہوئی تھی' میرا شوہر بھی ویسے ہی گیا جیسے تمہیں جانا ہے یہ اس کے پھیپھڑوں میں تانبے کے ذرے بھر گئے تھے۔ بہت امیر ہو گیا تھا وہ۔ بڑھیا نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ وقت آنے پر سبھی کو جانا ہے علی نے مسکراتے ہوئے کہا لیکن آج کسی کان کن کی بیوہ گندم سے محروم نہیں رہے گی۔ وہ اپنے ایک ساتھی کی طرف مڑا اماں کو اتنی گندم دے دو جتنی یہ لے جا سکتی ہے۔ قیمت مجھ سے لے لینا۔

بڑھیا کو گندم دے دی گئی' علی نے جیب سے سکے نکال کر ادائیگی کی' پھر اس نے اعلان کیا ''سنو! بیوائیں اور دوسرے ضرورت مند آئیں تو انہیں گندم تول دو۔ قیمت اپنی جیب سے ادا کرو بعد میں حساب ہو جائے گا۔ کان کنوں کے فنڈ سے تمہیں تمہارے پیسے مل جائیں گے' مگر آج کوئی گندم سے محروم نہ رہے اور ہاں قیمت ...... تھیلے میں ضرور

ڈال دینا۔ میں یہ نہیں سننا چاہتا کہ کان کن بے ایمان ہوتے ہیں۔

شام ہوتے ہوتے تمام گندم فروخت ہوگئی‘ رقم کے تھیلے علی کے پاس لائے گئے۔ اس نے زمینداروں کو ان کے گندم کی پوری قیمت ادا کردی۔ زمینداروں نے اعتراف کیا کہ انہیں گندم کی پوری قیمت ملی ہے۔ ذرا بھی بے ایمانی نہیں ہوئی۔

یہ معاملہ نمٹا کر کان کن جیسے پرامن انداز میں اکٹھا ہوئے تھے‘ ویسے ہی منتشر بھی ہوگئے مگر انہوں نے ایک روشن مثال قائم کردی تھی۔

موسم گرما بہت تیزی سے گزر گیا تھا۔ راشد کا جی چاہتا تھا کہ یہ موسم ہمیشہ رہے لیکن وقت کسی کیلئے نہیں رکتا۔ جنگل میں کیف و مسرت سے بھری طویل شامیں مختصر ہوتی چلی گئیں۔ مریم کی قربت کے لمحے سمٹتے جا رہے تھے۔ انہیں احساس بھی نہیں ہوا کہ پتوں نے رنگ بدلنا شروع کردیا ہے اور ہوا کے جھونکے انہیں شاخوں سے جدا کرنے لگے ہیں وہ ایک دوسرے میں ایسے گم تھے کہ انہیں زمین پر بچھنے والے پتوں کے فرش کا بھی پتہ نہیں چلا۔

اس رات فاطمہ نے کہا یقین نہیں آتا کہ کرسمس میں بس دو ہفتے رہ گئے ہیں نینسی کا تو یہ پہلا کرسمس ہوگا اس نے آہ بھری ”کاش اس کا باپ زندہ ہوتا۔“

مجھے یقین ہے کہ رابرٹ کی روح اسے دیکھنے ضرور آئے گی جینی نے کہا۔

ٹام شاول بہت مذہبی آدمی تھا اور وہ تقریباً ہر روز ہی آتا تھا۔ جینی کا حوصلہ بڑھانے میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔

راشد آتش دان کے پاس بیٹھا پڑھائی میں مصروف تھا۔ فاطمہ اس کے پاس چلی گئی لو بیٹے کرسمس بھی آ گیا۔“ ماں ہم تو مسلمان ہیں‘ راشد نے کہا پھر ہم کرسمس کیوں مناتے ہیں۔

کیونکہ ہمارا مذہب ہمیں رواداری کا سبق سکھاتا ہے اسی لیے تو رابرٹ کی پرورش اس گھر میں ہوئی اور جینی اور نینسی کو بھی اس گھر نے ہی پناہ دی۔ پھر ہمارا تو تمام پیغمبروں اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان ہے۔ راشد سوچ میں پڑ گیا اماں مسلمان کرسچین آپس میں شادی کرسکتے ہیں۔

فاطمہ نے اسے غور سے دیکھا اور مسکرا دی‘ مسلمان مرد اہل کتاب عورت سے شادی کرسکتے ہیں۔ اس نے کہا اور پھر تیزی سے موضوع بدلا۔ بیٹے کرسمس کے بعد تو

تمہاری زندگی ہی بدل جائے گی۔ اس نے خوشی سے کہا مگر اگلے ہی لمحے اداس بھی ہوگئی۔

فاطمہ نے ٹھیک کہا تھا‘ اگلا سال تبدیلیوں والا سال تھا۔ راشد کی تعلیم کام آ رہی تھی۔ سالم نے اسے انجینئرنگ پڑھوانے کی پیشکش کی تھی۔ اس کیلئے اسے ڈریم جانا تھا۔ وہاں انصاف فاؤنڈری اینڈ انجینئرنگ ورکس میں تین سال تک تربیت لینی تھی۔ وہاں اسے انجن بنانا اور انجنوں کی دیکھ بھال کرنا سکھایا جاتا۔ وجہ یہ تھی کہ سالم اپنی کان میں رسنے والے پانی کو باہر کھینچنے والا انجن نصب کرانا چاہتا تھا۔

سالم نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا تھا اور بہت احتیاط سے تفصیلات طے کی تھیں۔ انجن بنانے کا آرڈر اس نے انصاف فاؤنڈری کو سونپا تھا۔ راشد کو اس نے انجن بننے کی ابتدا ہی سے ان کے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کا فائدہ یہ تھا کہ راشد کے ہوتے ہوئے بوقت ضرورت انصاف فاؤنڈری سے کسی انجینئر کو بلوانے کی ضرورت نہ پڑتی جو کہ بہت مہنگا پڑتا تھا۔ راشد کو تعلیم دلوانے میں سالم کی بچت ہی بچت تھی۔

سالم نے راشد کو سعید کے ساتھ بلوایا تو اس نے انہیں یہ سب کچھ نہیں بتایا۔ اس نے تو یہ پیشکش کی کہ وہ راشد کی انصاف فاؤنڈری میں تعلیم کے تمام اخراجات اٹھائے گا۔ اس کے صلے میں راشد کو دس سال تک اس کی کان میں پابند ہوکر رہنا ہوگا۔

اسے بہت تعجب ہوا کہ راشد نے سنتے ہی اس کی پیشکش کو ٹھکرا دیا خود راشد کیلئے یہ ایک بہت بڑا جوا تھا کیونکہ اسے انجینئر بننے کی بڑی آرزو تھی لیکن اس کیلئے دس سال کی قید بہت بھاری قیمت تھی۔ اس نے کہہ دیا کہ وہ بس پانچ سال کی پابندی قبول کرسکتا ہے۔

سالم کا تعجب برہمی میں تبدیل ہوگیا۔ وہ جانتا تھا کہ راشد کی سی اہلیت کا کوئی اور لڑکا گاؤں تو کیا آس پاس کے علاقوں میں بھی نہیں ہے اور بغیر اپنا انجینئر رکھے انجن خریدنا تباہ کن تھا۔ چنانچہ اس نے غصہ پی لیا اور راشد کی شرائط منظور کرلیں۔

راشد اور سعید سالم کے دفتر سے نکلے تو سعید کے انداز میں بیٹے کیلئے تفاخر اور احترام تھا میں نے بھی سوچا بھی نہ تھا کہ کسی کان کن کا بیٹا کان کے مالک سے اس انداز میں بات کرسکتا ہے۔ اپنی شرطیں منوا سکتا ہے اس سے۔ بیٹے‘ مجھے یقین ہوگیا ہے کہ تم بہت آگے جاؤ گے۔

یہ بات نہیں بابا‘ راشد نے اپنا فخر چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا‘ میں

جانتا ہوں کہ اس میں سالم صاحب کا کتنا بڑا فائدہ ہے اور یہ انہیں بھی معلوم ہے۔

بات سچی تھی' ولیم ٹھاکر نے ان معاملات پر سوچنے میں پوری ایک رات کھپائی تھی اور ٹھاکر نے اعداد و شمار کے ذریعے پوری تصویر بنا کر راشد کے سامنے رکھ دی تھی جب راشد سالم سے ملنے آیا تھا تو وہ پوری طرح تیار تھا اور معلومات سے مالا مال تھا۔راشد نے چونک کر ماں کو دیکھا جو اداس تھی بس اماں ابھی سے میرے جانے کی فکر مت کرو' اس نے ماں کو دلاسا سا دیا۔

کیوں نہ کروں یہ تو خوشی کی بات ہے۔تمہارے بابا نہیں چاہتے تھے کہ تم بھی ان کی طرح کان میں مشقت کرو۔ورنہ کان کن تو بچوں کے بڑے ہونے کا شدت سے انتظار کرتے ہیں کہ وہ بڑے ہوں اور انہیں کان میں اتار دیں۔موسیٰ ٹریگو کو ہی دیکھ لو وہ کتنی جلدی مورون کو کان میں لے گیا۔

موسیٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے فاطمہ کو وہ بات یاد آ گئی جو وہ کئی دن سے سوچ رہی تھی۔اسے پتا چل گیا تھا کہ راشد مریم کو پڑھاتا ہے اور اسے یہ بات ناپسند بھی نہیں تھی۔مریم اسے اچھی لگتی تھی اس لڑکی میں کوئی بات تھی جو اسے اپنی ہم عمر لڑکیوں میں ممتاز کرتی تھی۔کاش وہ موسیٰ کے ہاں پیدا نہ ہوئی ہوتی۔بات سنو راشد' اس نے اچانک کہا کئی دنوں سے مریم کو نہیں دیکھا۔وہ کرسمس کی تیاری کر رہی ہے؟

راشد نے چونک کر حیرت سے ماں کو دیکھا۔ پتا نہیں لیکن اماں' ان کے گھر میں کرسمس منایا ہی نہیں جاتا۔موسیٰ ٹریگو کے خیال میں بس وہ کام کی چھٹی کا دن ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔مگر لڑکی کو تو سیکھنا چاہئے۔اسے کہنا کرسمس کا دن ہمارے ہاں گزارے بشرطیکہ تم اس بات کو پسند کرو۔

راشد حیران بھی تھا اور خوش بھی ''میں بتا آؤں اسے'' اس نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا۔اتنی رات کو نہیں بھئی ٹریگو بہت غصہ ور اور بدمزاج آدمی ہے۔نہیں اماں مریم گھر میں تو نہیں ہو گی میں جانتا ہوں' وہ کہاں ہو گی۔بہرحال' اپنے بابا کی میٹنگ سے واپسی سے پہلے گھر آ جانا۔راشد گھر سے نکل آیا پہاڑ پر اندھیرا تھا اور خاصی سردی تھی لیکن راشد کو خوشی میں کسی بات کا احساس نہیں ہوا۔وہ سرنگ میں رینگتا ہوا خفیہ جگہ پر پہنچا۔روشنی بتا رہی تھی کہ مریم وہاں موجود ہے اس نے آہستگی سے اسے پکارا مریم' مریم یہ میں ہوں۔

مریم نے موم بتی جلا کر ایک چٹانی دراڑ میں رکھی ہوئی تھی جہاں وہ ہوا سے محفوظ تھی۔وہاں دو کتابیں تھیں اور کچھ کاغذ' جن پر وہ لکھ رہی تھی۔موم بتی کی مدھم روشنی میں اس کی آنکھیں گہری سیاہ لگ رہی تھیں راشد تم اس وقت یہاں خیریت تو ہے وہ پریشان ہو گئی۔سب ٹھیک ہے یہ بتاؤ تمہیں کرسمس ہمارے ہاں منانا کیسا لگے گا۔پورا دن...... راشد کے لہجے میں اس کے اندر کا ہیجان جھلک رہا تھا۔

مریم کے چہرے کا تاثر دیکھ کر راشد کو احساس ہوا کہ اتنے اندھیرے میں یہاں تک آنے کی مشقت ٹھکانے لگ گئی۔سچ کہہ رہے ہو یہ دعوت تمہاری ماں کی طرف سے ہے؟ مریم نے پوچھا۔راشد نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ جوش میں اس سے لپٹ گئی۔بڑی مشکل سے راشد نے خود کو چھڑایا۔بس تو یہ طے ہو گیا میں جا کر اماں کو بتاتا ہوں۔رکو نا۔ذرا میری مدد کرو اس کتاب میں بہت بڑے الفاظ ہیں۔میں تو انہیں سمجھ بھی نہیں پاتی۔

نہیں' بابا واپس آنے والے ہوں گے پھر یہاں سردی بھی بہت ہے' راشد کو اب تھرتھری چڑھنے لگی۔اتنی سردی میں کیسے پڑھا جا سکتا ہے؟ تو اور میں کہاں جاؤں' مریم نے کتابیں اور کاغذ سمیٹ کر ٹین کی صندوقچی میں رکھے اور انہیں ایک اور چٹانی دراڑ میں ٹھونس کر چھپا دیا۔پھر اس نے موم بتی بجھائی اور راشد کے پیچھے رینگتی ہوئی سرنگ سے باہر آ گئی۔باہر آتے ہی مریم نے راشد کا ہاتھ تھام لیا' سچ میرا بڑا جی چاہتا تھا کرسمس منانے کو۔کیسا لگتا ہے؟''

راشد اسے بتانے لگا کرسمس کیسا ہوتا ہے۔وہ خاموشی سے سنتی رہی پھر وہ اس پگڈنڈی پر پہنچ گئے جو مریم کے گھر کی طرف جاتی تھی۔

راشد' یہ تو گھریلو تقریب ہوتی ہے' سب سننے کے بعد مریم نے پرتشویش لہجے میں کہا' میں تمہارے ہاں بدرنگ تو نہیں لگوں گی؟

ارے نہیں تمہیں مدعو کیا جا رہا ہے۔ٹام شاول بھی آئے گا اور سنو! میں چاہتا ہوں کہ تم بھی ہو

چلو ٹھیک ہے' وہ پھر خوش ہو گئی

اب میں چلتا ہوں کل آؤں گا' اسی وقت

اچھا' مریم نے کہا اور اچانک اس سے لپٹ گئی۔وہ راشد کیلئے ایک انوکھا تجربہ

تھا۔ مریم سے جدا ہو کر اپنے گھر جاتے ہوئے وہ لڑکوں کی طرح نہیں ' مردوں کی طرح قدم اٹھا رہا تھا۔

☆......☆......☆

کرسمس سے ایک دن پہلے شام کو ہی کان میں کام روک دیا گیا' کان کن باہر آئے تو خود سالم ان کا خیر مقدم کرنے کیلئے موجود تھا۔ اس نے ہر مزدور کو تازہ شکار کی ہوئی ایک بڑی مرغابی اور سونے کا چھوٹا سکہ کرسمس کے تحفے کے طور پر دیا۔ اگلی صبح راشد سورج طلوع ہونے سے پہلے جاگا اور اس نے آتش دان دہکایا۔ ہمیشہ یہ وہ وقت ہوتا تھا جب تحفے کھولے جاتے تھے مگر اس روز مریم کی وجہ سے تاخیر کی جا رہی تھی۔

ناشتا بناتی ہوئی فاطمہ نے کہا اللہ کرے' مریم جلدی آ جائے۔ میں تحفہ وصول کرتے وقت ننھی نینسی کا چہرہ دیکھنے کو تڑپ رہی ہوں۔ راشد کھڑکی میں جا کھڑا ہوا چند لمحے بعد اسے دھند میں حرکت کرتے رنگ نظر آئے۔ وہ مریم کا سب سے اچھا لباس تھا وہ آ گئی' اس نے چیخ کر کہا پھر وہ باہر نکل آیا لیکن مریم وہاں موجود نہیں تھی۔ وہ پلٹا۔ گیٹ پر پہنچ کر اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ متحرک رنگ دوبارہ نظر آئے۔ مریم' اس نے پکارا۔

ایک جھاڑی کی اوٹ سے مریم نکلی' ہچکچاتے ہوئے

کیا کر رہی ہو' راشد چلایا ہم سب تمہارے منتظر ہیں۔ تمہارے انتظار میں تحفے بھی نہیں کھلے ہیں۔

مریم نے کندھے جھٹک دیئے۔ تین دن ہو گئے تم سے ملاقات کو۔ ''میں نے سوچا ممکن ہے تمہاری ماں مجھے مدعو کر کے بھول گئی ہو یا تمہارے بابا کو میرا آنا پسند نہ ہو''

فضول بات۔ جلد آؤ...... سب انتظار کر رہے ہیں۔ ابھی آئی......

مریم نے پلٹ کر جھاڑی کے پاس سے کچھ پیکٹ اٹھائے۔

یہ کیا ہے؟

تحفے ہیں مریم نے ایک شان سے سر اونچا کرتے ہوئے کہا ''مجھے معلوم ہے کہ کرسمس کے موقع پر تحفے دیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ اس کے اپنے گھر میں ایسا رواج نہیں تھا اور یہ راز صرف اس کی ماں جانتی تھی کہ وہ کرسمس سعید حسن کے ہاں منائے گی۔

وہ دونوں کاٹیج کی طرف بڑھنے لگے۔ فاطمہ دروازے پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

اے...... رک جاؤ...... اس نے اچانک بلند آواز میں کہا۔

وہ دونوں گھبرا کر رک گئے ''کرسمس کے دن گھر میں ننگے پاؤں گھسنا اچھا شگون نہیں ہے۔'' فاطمہ نے مزید کہا۔

''لیکن میرے پاس جوتے نہیں ہیں۔'' مریم نے مایوسی سے کہا۔

فاطمہ مسکرائی ''تم فکر نہ کرو'' اس نے کہا اور کرسی پر رکھے ہوئے تحفوں کے پارسلوں میں سے ایک پارسل نکال کر مریم کے پاس لے گئی۔ ''لو بچی...... یہ میں تمہارے لئے الگ سے لے آئی تھی۔ کرسمس مبارک ہو تمہیں اور یوں ہونقوں کی طرح مت کھڑی رہو۔ تحفہ نکالو اور پاؤں میں پہن لو۔''

مریم نے کاغذ ہٹایا۔ اندر سے چمک دار سیاہ جوتے برآمد ہوئے۔ اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ اس نے جلدی سے جوتوں کو زمین پر رکھا اور ان میں پاؤں ڈالے۔ جوتے بالکل صحیح سائز کے تھے۔ فاطمہ بھی خوش ہو گئی۔ ''دیکھا میرا اندازہ'' اس نے فخر سے کہا۔

مریم بھی مسکرا رہی تھی ''بہت خوبصورت ہیں ماما۔ آپ کا شکریہ۔''

''اب اندر چلو اور ناشتا کر لو۔'' فاطمہ نے کہا۔

راشد' مریم کا ہاتھ تھام کر اسے گھر میں لے گیا۔

ناشتے کے بعد تحفے کھولے گئے۔ مریم پریشان تھی کہ پتا نہیں اس کے تحفے پسند بھی کیے جائیں گے یا نہیں۔ بہرحال اس نے اسد کے دیئے ہوئے سونے کے سکے کی باقیات کو بہت سلیقے اور ذوق کے ساتھ خرچ کیا تھا۔ فاطمہ کیلئے چمڑے کا پرس تھا' راشد کیلئے خوبصورت اسکارف۔ سعید کو بھی تحفہ پسند آیا۔ اس ردعمل نے مریم کو بڑی خود اعتمادی بخشی۔

راشد نے مریم کو اپنا تحفہ پیش کیا۔ جس طرح سب لوگ خوش ہوئے' اس سے مریم کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی خاص تحفہ ہے۔ وہ بڑے بے صبرے پن سے لپٹا ہوا کاغذ ہٹانے لگی۔

اور وہ بڑی خوبصورت بائبل تھی!

''شکریہ راشد۔'' مریم نے کہا' پھر پوچھا ''کیا تم بھی اسے پڑھتے ہو؟''

راشد نے نفی میں سر ہلایا ''نہیں۔ ہم قرآن پڑھتے ہیں۔ یہ اللہ کی آخری کتاب

ہے۔"

"تو پھر مجھے قرآن دو۔"

راشد ہچکچایا "چلو......عید پر قرآن دے دوں گا۔"

تحفے کھلنے کے بعد مرد وہیں بیٹھ گئے۔ فاطمہ مریم کو اپنے ساتھ کچن میں لے گئی۔ جہاں وہ اس کا ہاتھ بٹانے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ٹام شادل بھی آ گیا۔ وہ چرچ میں عبادت کر کے آیا تھا۔ دوپہر ہوئی تو سعید اور راشد نماز پڑھنے چلے گئے۔ وہ دن بھی جمعہ کا تھا اور جمعہ کو وہ بہرصورت نماز پڑھتے تھے۔

راشد جانتا تھا کہ ماں مریم کو کسی اور انداز میں تول رہی ہے اور وہ نماز پڑھ کر واپس آئیں گے تو وہ اس کے بارے میں کسی نتیجے پر پہنچ چکی ہوگی۔ نماز کے دوران میں بھی وہ اسی فکر میں غلطاں رہا کہ نجانے اماں کیا فیصلہ کریں۔

نماز پڑھ کر وہ گھر پہنچے تو ماں کے مسکراتے چہرے نے اسے خوش خبری سنا دی۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ مریم اپنے باطن میں بھی اسے اچھی لگی ہے۔

دوپہر کے کھانے کے بعد سعید تو آتش دان کے قریب پڑی آرام کرسی پر نیم دراز ہوکر سو گیا۔ جینی' ٹام شادل' راشد اور مریم حروف سے لفظ بنانے کا کھیل کھیلتے رہے۔

دیکھتے ہی دیکھتے شام ہوئی اور ڈھلنے لگی۔ ٹام شادل رخصت ہونے لگا۔ اب مریم کو بھی جانا تھا۔ دروازے پر وہ جس انداز میں ہچکچائی' اس نے فاطمہ کے دل کو چھو لیا۔ اس نے مریم کو لپٹا لیا۔ "میرا بھی جی نہیں چاہتا گڑیا کہ تمہیں جانے دوں۔" اس نے کہا "لیکن مجبوری ہے۔ سنو...... وعدہ کرو کہ تم یہاں آتی رہو گی۔ نہیں آؤ گی تو مجھے بہت دکھ ہوگا۔"

"میں آتی رہوں گی ماما۔"

راشد مریم کو چھوڑنے کیلئے گیا۔ راستے میں مریم نے اس کا ہاتھ تھاما اور بے حد محبت سے بولی "راشد...... یہ میری زندگی کا سب سے خوبصورت دن تھا۔ میں تمہاری شکر گزار ہوں۔"

☆......☆......☆

مریم کا سعید حسن کے گھر کرسمس کا دن گزارنا ایک راز تھا۔ مگر خود مریم اس راز کی حفاظت نہ کر سکی اور جب اس کے باپ کو یہ بات معلوم ہوگئی تو اس نے اسے بڑی بے رحمانہ' بے حد غیر انسانی سزا دی۔

یہ خبر ان تک مریم کی ماں کیٹی کے ذریعے پہنچی۔ وہ نئے سال کی رات تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ فاطمہ نے دروازہ کھولا "آؤ کیٹی۔"

لیکن کیٹی اندر آنے کو تیار نہیں تھی۔ فاطمہ اصرار سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے گھر میں لے گئی اور اسے آتشدان کے پاس بٹھایا "اب بتاؤ' کیا بات ہے؟"

راشد بیٹھا پڑھ رہا تھا۔ یہ آوازیں کان میں پڑیں تو وہ بھی کمرے میں آ گیا۔

"موسیٰ کو پتا چل گیا تھا کہ مریم نے کرسمس کا دن یہاں گزارا ہے۔ وہ تو غصے سے پاگل ہوگیا۔ اسے غصے میں کب کچھ دکھائی دیتا ہے۔" کیٹی نے بتایا۔

"لیکن اسے بتایا کس نے؟" فاطمہ نے متوحش ہوکر پوچھا۔

"اس نے اصل میں مریم کے جوتے دیکھ لیے تھے' جو تم نے دیے تھے۔" کیٹی نے کہا "میں نے مریم کو سمجھایا تھا کہ ان کے بارے میں باپ سے بات نہ کرے لیکن وہ خوش ہی اتنا تھی۔ خیر' موسیٰ نے اس سے جوتے چھین لیے تو وہ بھی پاگل ہوگئی۔ اس نے سب کچھ بتا دیا اور چیخ چیخ کر جوتے مانگتی رہی۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اس کی زندگی کا خوبصورت دن تھا بس پھر موسیٰ نے اسے مارنا شروع کیا۔ وہ بھی چیخ چیخ کر بدتمیزی کرتی رہی......"

راشد کا چہرہ سپید پڑ گیا تھا "کیا انہوں نے مریم کو بہت بری طرح مارا؟" اس نے کیٹی سے پوچھا۔

کیٹی کی آنکھیں بھر آئیں "مجھے نہیں معلوم۔ میں نے اسے بچانے کی کوشش کی تو موسیٰ نے ایک ہاتھ میرے بھی جڑ دیا۔ میں بے ہوش ہوگئی۔ میرا مورون بیچ میں نہ پڑتا تو

شاید موسیٰ میری بچی کو مار ہی ڈالتا۔''

''مورون نے موسیٰ کو روکا!'' فاطمہ نے حیرت سے پوچھا۔ اس کے خیال میں ابھی مورون اس قابل نہیں تھا۔

''ہاں اور جس دوران میں مورون' موسیٰ سے الجھا ہوا تھا' مریم گھر سے نکل بھاگ گی۔'' کیٹی اب پوری جان سے کانپ رہی تھی ''جب سے وہ غائب ہے۔''

''یہ کب کی بات ہے؟'' فاطمہ نے پوچھا۔

کیٹی نے شرمندگی سے کہا ''پرسوں رات......''

''کیا؟'' فاطمہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا ''اور تم نے اسے ڈھونڈا بھی نہیں۔ پتا نہیں' بے چاری پر کیا گزری ہوگی۔ کہاں ہوگی وہ؟''

''لیکن......لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ یہاں ہوگی......تمہارے پاس۔''

''راشد......تم نے مریم کو دیکھا کہیں؟'' فاطمہ' راشد کی طرف مڑی۔

''نہیں اماں' لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہوگی۔'' راشد جلدی جلدی جوتے پہننے لگا۔

کیٹی اٹھ کھڑی ہوئی ''میں چلتی ہوں۔ چھوٹے بچوں کو اکیلا چھوڑ کر آئی ہوں۔ راشد بیٹے' مریم مل جائے تو اس سے کہنا' سب ٹھیک ہے۔ گھر آ جائے۔ موسیٰ بہت شرمندہ ہے۔ اب وہ اسے ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔ وہ شرمندگی کا اعتراف کرنے والا تو نہیں لیکن میں اس کے انداز سے پہچان جاتی ہوں۔''

''چھوڑو ان باتوں کو۔ کون یقین کرے گا ان پر۔'' فاطمہ نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

اسی وقت راشد گھر سے نکل گیا۔ وہ بے حد سرد رات تھی۔ لگتا تھا' طوفان آنے والا ہے۔ راشد سہما ہوا تھا کہ نجانے مریم کی پناہ گاہ میں کیا منظر دیکھنا پڑے۔

سرنگ کے تنگ سرے پر جھاڑی کے پاس رک کر اس نے سن گن لینے کی کوشش کی۔ غار سے کوئی آواز سی آ رہی تھی۔ وہ آگے بڑھا تو اکھڑی اکھڑی سانسوں کی وہ آواز واضح ہوگئی۔ یہ آواز وہ پہلے بھی ایک بار سن چکا تھا......بچپن میں۔ جب اس کا دادا موت کے مقابلے میں زندگی ہار رہا تھا۔ وہ خوف زدہ ہوگیا۔

وہ غار میں داخل ہوا۔ اس نے دراڑ میں ٹٹولا اور موم بتی جلائی پھر اس روشنی میں اس نے مریم کو دیکھا۔ وہ عمودی چٹان کی اوٹ میں زمین پر بکھری ہوئی تھی۔ چٹان اسے

سرد ہوا سے بچا رہی تھی۔ اس کی بائیں آنکھ بری طرح سوجی ہوئی تھی اور بالکل بند تھی۔ پیشانی پر گہری خراش تھی۔

وہ گھٹنوں کے بل بیٹھا اور مریم کا چہرہ اپنی طرف کیا۔ مریم کی دوسری آنکھ بھی متورم تھی اور بند تھی۔ مریم نے بڑبڑاتے ہوئے اس کا ہاتھ جھٹکنے کی کوشش کی مگر کراہ کر رہ گئی۔ اس میں اتنی جان ہی نہیں تھی۔ راشد یہ سوچ کر لرز گیا کہ وہ یہاں دو دن اور دو رات سے اس حال میں بھوکی پیاسی پڑی ہے۔

''مریم......میں راشد ہوں۔ میں تمہیں یہاں سے نکالوں گا۔'' راشد نے کہا ''ڈرو مت۔''

مریم کے ہونٹ ہلے لیکن کوئی آواز نہیں نکلی۔ اس کے ہونٹ بھی پھٹے ہوئے تھے۔ راشد نے اسے اٹھانے کی کوشش کی۔ پسلیوں پر دباؤ پڑا تو مریم کی چیخ نکل گئی۔ راشد کے ہاتھ کو اندازہ ہوگیا کہ پسلیاں بھی ٹوٹی ہوئی ہیں۔

اگلے چند منٹ کسی بے حد ڈراؤنے خواب کی طرح تھے۔ راشد کبھی اسے اٹھاتا اور کبھی گھسیٹتا۔ بڑی مشکل سے وہ اسے سرنگ سے باہر لایا مگر اتنی دیر میں وہ ہانپ چکا تھا۔ وہ سانس لینے کیلئے رکا۔ اس لمحے اسے لوگوں کی آوازیں سنائی دیں' جو ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ ان میں موسیٰ بھی ہوسکتا تھا۔ راشد نے احتیاط سے مریم کو جھاڑی کے پاس لٹا دیا۔

لوگ اسی طرف آ رہے تھے' پھر سعید نے اسے پکارا ''راشد......راشد!''

''بابا......ہم یہاں ہیں۔'' راشد نے آواز پہچان کر جواب دیا۔

چند ہی لمحوں میں سعید' ٹام شاول کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ ''لڑکی مل گئی؟'' سعید نے پوچھا۔

''جی بابا۔ وہ بہت زخمی ہے۔''

''تم فکر نہ کرو۔'' ٹام شاول نے کہا اور بڑھ کر مریم کو یوں ہاتھوں پر اٹھا لیا جیسے وہ چھوٹی سی گڑیا ہو۔

مریم تین ہفتے تک فاطمہ اور سعید کے بیڈ روم میں بستر سے لگی رہی۔ اس عرصے میں راشد کو مسلسل کچن میں سونا پڑا۔ ابتداء میں تو کان کنوں کا ڈاکٹر روز آتا تھا۔ مریم کی دو پسلیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر کا خیال تھا کہ مریم کی ناک بھی ٹوٹ گئی ہے لیکن جب

آنکھ کی سوجن اترنی شروع ہوئی تو ڈاکٹر نے بڑی مسرت سے اعتراف کیا کہ اس کا اندازہ غلط تھا۔

پانچویں دن مریم کی ایک آنکھ کھلنے لگی اور وہ اس سے دیکھنے کے قابل ہوگئی۔ اس کے بعد وہ مسلسل بہتر ہوتی گئی۔ کیٹی دن میں کئی بار اسے دیکھنے کیلئے آتی تھی۔ وہ آتی اور بیڈ سے لگ کر خاموش بیٹھی رہتی۔ جس انداز میں وہ انگلیاں مروڑتی تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ نروس ہے۔

پھر مریم بیٹھنے کے قابل ہوگئی۔ اب وہ روز ایک گھنٹے کرسی پر بیٹھتی تھی۔ ایسے ہی ایک دن اس سے ملنے وہ شخص آیا‘ جس کی آمد نے گھر میں ہلچل مچا دی۔ وہ رات کے وقت آیا تھا لیکن اس کا دروازہ پر دستک دینا اور پھر تحمل سے انتظار کرنا ایک غیر معمولی بات تھی۔ ورنہ تو وہ گھر میں درانہ وار گھس آنے کے قائل تھا۔

دروازہ راشد نے کھولا اور فوراً ہی دھڑ سے بند بھی کردیا‘ پھر اس نے چوکنے پن سے باپ کی طرف دیکھا ”بابا...... موسیٰ ٹریگو آیا ہے۔“

سعید کرسی سے اچھل کر اٹھا۔ فاطمہ نے لپک کر چھری اٹھالی۔ موسیٰ نے دوبارہ دستک دی۔ سعید نے راشد کو ایک طرف ہٹنے کا اشارہ کیا اور خود بڑھ کر دروازہ کھولا۔ موسیٰ نے ٹوپی اتار کر ہاتھ میں لے لی ”میں مریم کو گھر لے جانے آیا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”تب تو تم نے بیکار زحمت کی۔“ سعید نے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

لیکن فاطمہ کا جلال دیدنی تھا ”موسیٰ ٹریگو‘ تم صرف ایک قدم بڑھا کر دیکھو۔ میں تمہاری آنتیں نکال پھینکوں گی۔ وہ بچی پہلے ہی تمہارا ظلم بھگت رہی ہے۔“

”میں یہاں جھگڑا کرنے نہیں آیا ہوں۔ جو ہو چکا‘ اسے تو بھلایا نہیں جاسکتا لیکن اس سب کے باوجود مریم میری بیٹی ہے اور میں اسے گھر لے جانا چاہتا ہوں۔“

اوپر سے آنے والی آواز نے سب کو چونکا دیا ”ماما...... انہیں اوپر آنے دو پلیز۔“ وہ مریم کی آواز تھی۔

فاطمہ نے سعید کو اور سعید نے فاطمہ کو دیکھا۔ نظروں کا وہ تبادلہ فیصلہ کرنے کیلئے تھا۔ بالآخر سعید دروازے سے ہٹ گیا ”اوپر جاکر اس سے مل لو لیکن یاد رہے‘ وہ ٹھیک ہونے سے پہلے یہاں سے نہیں جائے گی۔ تم لاکھ باپ ہوتے رہو اس کے۔“

دروازہ موسیٰ کے کشادہ کندھوں سے بھر گیا۔ وہ اندر داخل ہوا اور سیدھا اوپر والے کمرے میں چلا گیا جو مریم کو دے دیا گیا تھا۔

نیچے کافی دیر تک خاموشی رہی۔ آتش دان میں چٹختی ہوئی لکڑیوں کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ اچانک راشد نے تند لہجے میں کہا ”وہ مریم کو نہیں لے جاسکتا۔“

”قبل از مرگ واویلا کرنے کی ضرورت نہیں۔“ سعید نے خشک لہجے میں کہا۔

پھر موسیٰ بھاری قدموں سے زینوں سے اترتا نظر آیا۔ اس نے ہر چہرے کو نظر بھر کر دیکھا اور بولا ”مریم کہتی ہے کہ صحت یاب ہونے کے بعد گھر چلے گی۔ اس وقت تک تم اسے یہاں رکھ لو میں شکر گزار رہوں گا۔ اس کا خرچہ اور ڈاکٹر کی فیس میرے ذمے۔ یہ لو سونے کے دو بڑے سکے۔“

”ایک ہی کافی ہے...... اور وہ بھی ڈاکٹر کے لیے۔“ فاطمہ نے تیز لہجے میں کہا ”باقی ہم نے جو کیا اور کریں گے‘ وہ صرف اس لیے ہے کہ تمہاری بچی ہمیں پیاری ہے۔“

موسیٰ ٹریگو کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا‘ تو یہ دوسرا سکہ راشد کو دے دو۔ سنا ہے‘ اسی نے مریم کو تلاش کیا تھا۔“

راشد اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا دل جیسے کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ ”تمہارے اس سکے کیلئے نہیں‘ میں نے مریم کو مریم کی خاطر تلاش کیا تھا۔ بہتر یہ ہے کہ مریم کو ان جوتوں کے بدلے اچھے سے جوتے دلا دو‘ جو تم نے جلا ڈالے تھے۔“

فاطمہ نے بیٹے کو غور سے دیکھا۔ کیٹی نے جوتے جلانے کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ یہ بات مریم نے راشد کو بتائی ہوگی۔

موسیٰ نے بھی راشد کو بہت غور سے دیکھا ”یہ تو میں اپنی بیٹی سے پہلے ہی وعدہ کرچکا ہوں۔“ اس نے آہستہ سے کہا ”یہی نہیں‘ وہ ولیم ٹھاکر سے پڑھنے کیلئے سینٹ کلیئر بھی جاسکتی ہے۔ خیر...... اس کے صحت یاب ہونے پر اس کی ماں اسے لینے کیلئے آئے گی۔“ یہ کہہ کر وہ رخصت ہوگیا۔

”اس شخص کا حوصلہ تو دیکھو۔“ اس کے جانے کے بعد فاطمہ نے غصے سے کہا۔

”ہش...... موسیٰ ٹریگو کو داد دو۔“ سعید نے کہا ”نجانے کیسے اس نے اپنے غصے پر قابو رکھا۔ تم اور کیا امید رکھتی ہو۔ اب وہ بدلنے سے تو رہا۔“

☆......☆......☆

راشد کے انجینئرنگ کی تعلیم کی غرض سے ڈریم جانے کے دن قریب آرہے تھے۔ اس کے جانے سے ایک ہفتہ پہلے مریم بھی صحت یاب ہوکر اپنے گھر چلی گئی۔ فاطمہ کیلئے وہ پے در پے دو صدمے تھے۔ مریم اتنے دنوں میں اسے بیٹی کی طرح عزیز ہوگئی تھی۔ وہ ذہین بھی تھی اور سب کچھ سیکھنے کیلئے تیار بھی۔ وہ پورے گھر کو محبوب ہوگئی تھی۔

مریم کے جانے کے بعد فاطمہ بیٹے کی روانگی کی تیاریوں میں لگ گئی۔ کہنے کو ڈریم صرف پچاس میل دور تھا لیکن فاطمہ کیلئے تو وہ کسی دور دراز دنیا ہی کی طرح تھا۔

راشد خود اس جدائی کے بارے میں سوچنے سے گریز کرتا رہا تھا لیکن پھر جدائی کا وقت سر پر آ پہنچا۔ ولیم ٹھاکر نے اسے سکول سے فارغ التحصیل ہونے پر تحفے میں چمڑے کا ایک پرانا بیگ دیا۔ نصیحتیں اس کے علاوہ تھیں ''راشد...... وہاں تم تت نئی باتیں سیکھو گے۔ نئے لوگوں سے ملو گے۔'' اس نے کہا ''لیکن یہ نہ بھولنا کہ تمہارا تعلق کہاں سے ہے...... اور اپنے لوگوں کو بھی نہ بھولنا۔ اگر ڈریم میں کہیں یونین کے متعلق بات ہو تو دھیان سے سننا۔ مجھے یقین ہے کہ کان کنوں کا مستقبل صرف ٹریڈ یونین ہی محفوظ کرسکتی ہے۔''

مریم سے رخصت ہونا راشد کیلئے بہت سخت مرحلہ تھا۔ ''میں وہاں پہنچتے ہی تمہیں خط لکھوں گا۔''

وہ دونوں اپنے گھروں کے درمیان والے راستے پر کھڑے تھے۔ ''میں تمہارے خط کا جواب ضرور دوں گی۔'' مریم نے کہا۔

''اچھا مریم...... اپنا خیال رکھنا۔ خدا حافظ۔''

''تم بھی اپنا خیال رکھنا۔ تم مجھے بہت یاد آؤ گے۔''

راشد کو احساس ہوا کہ وہ سب سے زیادہ مریم ہی کو مس کرے گا۔ وہ اسے یہ بات بتانا چاہتا تھا مگر سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیسے کہے۔ وہ پلٹا اور گھر کی طرف چل دیا۔ کچھ دور جاکر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ مریم اب بھی وہیں کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ ہاتھ ہلانے لگی۔

اگلی صبح گھر والوں کو الوداع کہنا تھا۔ فاطمہ کی نصیحتوں کا سلسلہ جاری تھا۔ وہ سر ہلائے جارہا تھا۔ بالآخر کوچوان کا چابک لہرایا اور بگھی چل دی۔ راشد ہاتھ ہلاتا رہا۔ یہاں تک کہ بابا، اماں، نینسی کو گود میں اٹھائے کھڑی جینی اور ٹام شاول پیچھے...... بہت

پیچھے رہ گئے۔

کوچ کے ذریعے راشد کو بندرگاہ تک جانا تھا۔ اس کے بعد مختصر سے سمندری سفر کا مرحلہ تھا۔

☆......☆......☆

انصاف فائونڈری کے ہاسٹل میں اپنا سامان رکھنے کے بعد راشد نے کام کے کپڑے بدلے اور فاؤنڈری کے ورکس منیجر ریاض حسین سے ملنے چلا گیا۔ ریاض حسین دراز قامت، وجیہہ اور سنجیدہ طبع آدمی تھا۔ اس نے راشد کو بیٹھنے کا اشارہ کیا لیکن اس کا ردعمل حوصلہ افزاء نہیں تھا ''اوہ...... تو ہمیں اس لڑکے کو انجینئر بنانا ہے...... اور وہ بھی تین مختصر سے برسوں میں۔'' اس نے عجیب سے لہجے میں کہا ''اتنے عرصے میں تو بمشکل انجن پر کام کرنا ہی سکھایا جاسکتا ہے۔ کجا یہ کہ انجن بنانا اور ٹھیک کرنا بھی سکھایا جائے۔'' وہ اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے راشد کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا ''خیر...... آغاز تو کردیا جائے۔''

ایک گھنٹے بعد راشد بھٹی کے پاس کھڑا اس میں کوئلے جھونک رہا تھا۔ اس بھٹی میں لوہا پگھلایا جاتا تھا۔ ایک ہفتے تک وہ یہی کام کرتا رہا۔ شام کو وہ تھکا ہارا، پسینے میں نہایا ہوا سیاہ کپڑے، ہاتھ پاؤں اور چہرے لیکر ہاسٹل پہنچتا تو نہانا ضروری ہوتا اور نہانے کی ہمت نہ ہوتی۔ فاؤنڈری کا ماحول دوستانہ تھا۔ اس کے کئی دوست بن گئے تھے لیکن وہ سب فاؤنڈری کے مختلف حصوں میں کام کرتے تھے۔ مصروفیت اور اس کے بعد تھکن ایسی ہوتی تھی کہ چھٹی کے بعد گھر خط لکھنے کا تصور بھی آسان نہیں تھا۔

خاصے دن گزر گئے۔ تب کہیں اسے صحیح معنوں میں انجینئرنگ کا کام ملا۔ اسے سکھایا گیا کہ پگھلے ہوئے لوہے کو کس طرح استعمال کیا جاتا ہے اور ڈھلائی کا کام کیسے کیا جاتا ہے۔ وہاں لوہے سے پائپ، بڑے بڑے شہتیر اور بوائلرز بنائے جاتے تھے۔ وہ علاقے کی سب سے بڑی فاؤنڈری تھی۔

وہاں ہفتے میں چھ دن کام ہوتا تھا۔ ساتویں دن وہ آزاد ہوتے تھے۔ جو جی چاہتا کرتے لیکن کرنے کو وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ صبح اور شام کی چائے اس دن وہ ریاض حسین کے گھر پیتے تھے۔ پہلا اتوار آیا تو راشد نے نہا دھوکر اپنا بہترین لباس پہنا پھر وہ ریاض کے گھر چلے گئے۔ ریاض کی دو بیٹیاں تھیں...... سارہ اور ماریہ۔ سارہ راشد کی ہم عمر تھی۔

ماریہ صرف چھ سال کی تھی۔ وہ گھر والوں ہی کی نہیں' فاؤنڈری کے ہر اپرنٹس کی لاڈلی تھی۔
راشد کو ماریہ اچھی لگی اور ماریہ بھی پہلی نظر میں اس پر فدا ہوگئی۔ چائے کے بعد وہ سیر کیلئے نکلے تو وہ مسلسل باتیں کرتے رہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ماریہ ہی بولتی رہی۔ یوں راشد کو ریاض حسین اس کے گھر اور فیملی کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوگیا۔ باغ میں بھی راشد ریاض حسین کی دونوں بیٹیوں کے قریب رہا۔ سارہ کے سنہرے بال دیکھ کر اسے الجھے' چکٹے ہوئے سیاہ بالوں والی مریم یاد آ گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اس وقت وہ کیا کر رہی ہوگی پھر اسے گھر والے یاد آئے اور اس نے فیصلہ کیا کہ رات کو وہ خط لکھے گا۔

☆......☆......☆

ریاض حسین کے گھر میں اتوار کی شام راشد کی اس نئی زندگی کی سب سے خوبصورت چیز تھی۔ اس کے بغیر وہ زندگی کی آسان نہیں تھی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ سب سے جونیئر اپرنٹس تھا' اسی لیے سب سے زیادہ توجہ اسے ملتی تھی۔ چائے پر اسے سارہ اور سارہ کی ماں کے بیچ میں بٹھایا جاتا تھا۔

ریاض کی بیوی بتول نے ابتداء میں بڑی دلچسپی لی لیکن باتوں باتوں میں جب اسے پتا چلا کہ راشد کا باپ ایک چھوٹی سی کان میں مزدوری کرتا ہے اور راشد بھی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسی کان میں کام کرنے کا پابند ہے تو اس کی دلچسپی ماند پڑ گئی' لیکن سارہ کو اس کی پروا نہیں تھی۔

راشد اپنے جنگل کی باتیں بہت کرتا تھا۔ وہ جنگل' وہ سونا گاؤں سارہ کیلئے پریوں کی کہانی کا دیس بن گیا۔ پھر یہ بھی تھا کہ جنگل کے متعلق بتاتے بتاتے راشد کا شرمیلا پن دور ہونے لگا۔ وہ پر اعتماد ہوگیا۔ اسے یہ احساس بھی تھا کہ اس کی باتیں سب توجہ اور دلچسپی سے سن رہے ہیں۔

''تم اپنے جنگل سے خوب واقف معلوم ہوتے ہو۔'' ریاض نے کہا ''اتنی ہی دلچسپی انجینئرنگ میں بھی لو گے تو سالم صاحب کو کبھی افسوس نہیں ہوگا کہ انہوں نے تمہیں اپنے خرچے پر تربیت کیلئے یہاں بھیجا تھا'' وہ اٹھ کھڑا ہوا ''اب تم لوگ ہاسٹل جاؤ اور کل کی تیاری کرو۔ اگلے اتوار کو ہم پھر تمہارے منتظر ہوں گے۔''

راشد کی زندگی ایک معمول میں ڈھل گئی لیکن اس معمول میں تنوع بہت تھا۔ کہنے کو اسے بارہ گھنٹے کام کرنا ہوتا تھا مگر ہر تھوڑے سے عرصے کے بعد کام کی نوعیت بدل جاتی

تھی۔ آہستہ آہستہ اتوار کے دن کی اہمیت اس کیلئے بڑھتی گئی۔ وہ پورے ہفتے اس دن کا انتظار کرتا۔ ادھر سارہ اس کے قریب ہوتی گئی۔ وہ تمام وقت اس کے ساتھ چپکی رہتی تھی۔ اگرچہ بتول کو یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی' تو بھی اس نے اسے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

سردی کم ہوتی گئی۔ موسم بہار چھب دکھانے لگا۔ راشد کو ایسٹر کی چھٹیوں کا انتظار تھا۔ اس کی دو وجوہ تھیں۔ ایک تو یہ کہ ایسٹر کے بعد اس کی اسٹیم انجن کی تعلیم کا آغاز ہونے والا تھا۔ دوسرے اسے چار دن کی چھٹیاں مل رہی تھیں اور اسے گھر جانا تھا۔ گھر جانے کیلئے اسے سہولت بھی میسر آ گئی تھی۔ علاقے کے سب سے بڑے انجینئر اور موجد طارق نے اسے پیشکش کی تھی کہ وہ اسے سونا گاؤں کے بہت قریب ڈراپ کر دے گا۔

طارق کے باپ خالد کی ریاض حسین کے خاندان میں شادی ہوئی تھی۔ طارق نے بھی انصاف فاؤنڈری میں ہی سب کچھ سیکھا تھا۔ راشد اس سے ریاض حسین کے گھر میں ملا تھا اور وہیں طارق نے اسے اپنے ساتھ لے چلنے کی پیشکش کی تھی۔ وہ اپنی کوچ میں جا رہا تھا۔ وہ اسے راستے میں اتار دیتا اور اس کے بعد سونا گاؤں تک چند میل کا سفر راشد کو پیدل طے کرنا پڑتا۔ لیکن وہ بہت خوش تھا۔

گڈ فرائی ڈے کی صبح چھ بجے ان کا سفر شروع ہوا ''راستہ بہت خراب ہے۔ جھٹکے بہت لگیں گے۔'' طارق نے کوچ میں بیٹھنے کے بعد کہا ''لیکن مجبوری ہے۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر طارق نے کہا ''یہ تو بتاؤ' اب تک تم نے کیا سیکھا ہے؟''

''ابھی تو مجھے یہاں تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں۔'' راشد نے کہا۔

''اس بات کو چھوڑو۔'' طارق نے بے پروائی سے کہا ''تم ذہین ہو۔ بہت تیزی سے سیکھنے اور سمجھنے والے ہو۔ یہ بتاؤ' بھٹی کو زیادہ سے زیادہ دہکانے کیلئے کیا کرو گے؟ جبکہ کوئلہ بھی کم سے کم صرف کرنا چاہو اور وہاں' تم نے ڈھلائی بھی تو سیکھی ہوگی۔ اس کے متعلق بتاؤ۔''

راشد ابتداء میں مختصر جواب دیتا رہا۔ وہ نروس تھا لیکن طارق تفصیلی جواب چاہتا تھا۔ وہ مختلف ترکیبوں سے راشد کی معلومات اور ان کی گہرائی کو ٹٹول رہا تھا۔ بالآخر راشد کا لہجہ پر اعتماد ہونے لگا۔

''تم یہاں سے جانے کے بعد کیا کرو گے؟'' طارق نے پوچھا۔

راشد نے اسے سالم اور اس کی کان کے متعلق بتایا۔

"وہ کان، جس کا پانی گھوڑوں کی مدد سے کھینچا جاتا ہے۔" طارق نے حقارت سے کہا "اس کی گہرائی کتنی ہوگئی ہے؟ اور وہاں کتنے مزدور کام کرتے ہیں؟"

راشد نے اسے مطلوبہ معلومات فراہم کردیں۔

"تو پھر سالم پرانے طریقوں سے کیوں چپکا ہوا ہے؟" طارق نے منہ بنا کر کہا "مزدوروں کو تھکانے میں تو اپنا ہی نقصان ہے۔ تازہ دم مزدور کی کارکردگی بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن سالم صاحب کا اس سلسلے میں کوئی ارادہ بھی نہیں۔ مزدوروں کی تھکن اور اس سے پڑنے والے فرق کے بارے میں تو انہوں نے سوچا بھی نہیں۔"

"یہ تمہارے لیے اور اچھا ہے۔" طارق نے تبصرہ کیا پھر پوچھا "مزدور کو نیچے پہنچنے میں کتنی دیر لگتی ہے؟"

"بیس منٹ سے تیس منٹ۔"

"اتنی دیر میں تو مزدور نڈھال ہوجاتا ہوگا اور اگر ہاتھ پھسل جائے تو اس میں سنبھلنے کا دم بھی نہیں ہوتا ہوگا۔ باہر آنا اور قیامت ہوتا ہوگا۔ کان کی گھٹن سے بے دم ہوکر نکلنے کے بعد تازہ ہوا تو اس کے پھیپھڑوں کو چھید ڈالتی ہوگی۔ وہ تو لوہے کی طرح لگتی ہوگی۔ خدا کی پناہ...... بھئی کان کن اس سے بہت بہتر کے مستحق ہیں۔" وہ کہتے کہتے رکا۔

اس نے جیب سے کاغذ اور پنسل نکالی "دیکھو، میں بتاتا ہوں۔ عام پمپنگ انجن کو مزدوروں کو اتارنے چڑھانے میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اسے میرے والد نے ڈیزائن کیا ہے۔ اس کی سادگی میں ہی اس کا کمال ہے۔ تمہیں کان کے مالک کو قائل کرنا ہوگا کہ کان کنوں کو اترنے چڑھنے کیلئے لفٹ فراہم کرے۔ یہ تم نے کرلیا تو سمجھو آدھی جنگ جیت لی۔ اس کا مطلب یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ کان کن بھی انسان ہیں۔"

طارق نے جتنی بھی ڈرائنگز بنائی تھیں، وہ راشد نے لے لیں۔ اسے رابرٹ کا خیال آگیا۔ اگر ایسی کوئی لفٹ موجود ہوتی تو آج جینی بیوہ نہ ہوتی "ولیم ٹھاکر بھی ہمیشہ یہی کہتا ہے کہ کان کے مالک کان کنوں کو انسان نہیں سمجھتے۔"

"ولیم ٹھاکر! نام تو سنا ہوا لگتا ہے۔" طارق نے پرخیال لہجے میں کہا "وہ پادری نا جو کان کنوں کے اتحاد کی باتیں کرتا ہے۔ سنو لڑکے، یہ باتیں اچھی نہیں، خطرناک ہیں۔

کان کنوں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں ملنی چاہئیں...... ہر اعتبار سے۔ یہ انسانیت کا تقاضا ہے لیکن یہ تبلیغ کبھی نہ کرکہ کان کن اور کان کا مالک برابر ہیں۔ غیر ذمہ دار ہاتھوں میں طاقت جائے گی تو کبھی اچھا نتیجہ نہیں نکلے گا۔ خون خرابا ہوگا۔ طبقاتی تفریق قدرتی ہے۔ اللہ نے دو انسانوں کو ایک جیسا نہیں بنایا۔ نہ ذہانت کے لحاظ سے اور نہ ہی صلاحیت کے لحاظ سے۔ دولت بھی اللہ کی عطا ہے۔ لہٰذا انسان برابر نہیں ہوسکتے۔ ہر کسی کو اپنا کام کرنا ہے۔ مجھے سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں۔ عقل مند ہوگے تو تم بھی نہیں لو گے۔ بس انسانیت ہی اصل چیز ہے۔"

راشد سوچتا رہا۔ یہ نظریہ واعظ ٹھاکر کے نظریات سے متصادم تھا۔

"تم نے اس لفٹ کا اصول سمجھ لیا ہے نا؟"

راشد نے کچھ سوالات کیے۔ طارق نے کچھ کے جواب دیے اور کچھ کو اشکال کے ذریعے واضح کیا۔ وہ گھوڑوں والی کوچ کے جھٹکوں کو کوس رہا تھا جو اشکال کو بگاڑے دے رہے تھے۔ "میرے پاس ڈرائنگز موجود ہیں۔ وہ میں تمہیں بھجوا دوں گا۔ تم انہیں اور بہتر بناسکتے ہو۔" طارق نے کہا۔

اس گفتگو مین سفر یوں کٹا کہ پتا بھی نہیں چلا۔ وہ مقام آگیا، جہاں راشد کو کوچ سے اترنا تھا۔ طارق نے گرم جوشی سے راشد سے مصافحہ کیا اور اترتے وقت اس کے کندھوں پر تھپکی دی۔

کوچ چلی گئی تو راشد پہاڑی پگڈنڈی پر چل دیا۔ تین میل دور اسے اپنی کان نظر آرہی تھی۔ وہ بمشکل آدھا میل چلا ہوگا کہ ہانپتی کانپتی مریم ایک موڑ پر اچانک اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ اس کا چہرہ جوش سے تمتما رہا تھا "راشد!" اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

"ارے...... تم تو لمبے بھی ہوگئے اور چوڑے بھی، ہنس کیوں رہے ہو۔"

راشد کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس نے مریم کو ہر وقت یاد کیا ہے۔ وہ مریم کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا "یہ کیا ہورہا ہے بھئی۔ یہ تمہارے بال!" اس نے حیرت سے کہا۔ مریم کے بال سلیقے سے دو چٹیوں میں بندھے ہوئے تھے۔ وہ دھلے ہوئے بھی تھے۔ یہی نہیں، کچھ اور تبدیلیاں بھی تھیں "اور یہ لباس...... تم تو بہت بدل گئیں مریم۔"

"ولیم نے کہا تھا کہ جب تک میں اپنا حلیہ ٹھیک نہیں کروں گی، وہ مجھے نہیں پڑھائے گا۔" مریم نے وضاحت کی۔

یہ جان کر راشد کو شاک لگا کہ مریم واعظ ٹھاکر کے بارے میں بات کررہی ہے۔ یعنی وہ سکول جاتی ہے لیکن راشد بھی برسوں وہاں پڑھا تھا۔ واعظ سے اس کی بے تکلفی بھی تھی مگر ولیم کہہ کر پکارنے کی اسے کبھی ہمت نہیں ہوئی تھی۔

''جینی نے میرے بال سنوارے اور ڈیڈ نے مجھے یہ نئے جوتے دلائے۔'' مریم سنسنی آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی لیکن وہ راشد کے چہرے کا تاثر دیکھ کر ایک دم چپ ہوگئی

''کیا بات ہے راشد۔ میں اس حلیے میں تمہیں اچھی نہیں لگی؟''

''میں...... میں کہہ نہیں سکتا۔ تم بہت بڑی ہوگئی ہو۔''

''میں سمجھی تھی' تم یہی چاہتے ہو۔'' مریم کے لہجے میں پژمردگی تھی۔

''تو اور کیا۔ یہی تو چاہتا تھا میں۔ بس حیران ہوا ہوں تمہیں دیکھ کر۔'' راشد نے جلدی سے کہا۔

مریم نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور زمین پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا ''یہ...... یہ سب کچھ تمہارے...... صرف تمہارے لیے ہے۔ راشد۔ میں تمہیں خوش کرنا چاہتی ہوں۔''

پھر وہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے چل دیے۔ وقت کا فاصلہ مٹ گیا۔ کاٹیج تک پہنچتے پہنچتے راشد کو لگا کہ وہ کبھی یہاں سے گیا ہی نہیں تھا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا۔ کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ فاطمہ اسے دیکھ کر لپٹ گئی۔ اس کے بعد باتوں کا کبھی ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔

چھٹی کے دن ہوا کی طرح اڑ گئے۔ اس نے زیادہ وقت گھر میں' گھر والوں کے ساتھ گزارا...... یا پھر جنگل میں' خفیہ پناہ گاہ میں مریم کے ساتھ۔

واپسی میں مریم سینٹ کلیئر تک اسے چھوڑنے گئی۔ وہاں سے اسے کوچ میں جانا تھا۔ کوچ سے اتر کر فاؤنڈری تک سترہ میل کا سفر اسے پیدل طے کرنا تھا۔

وہ سینٹ کلیئر پہنچے تو کوچ روانگی کیلئے بالکل تیار تھی۔ راشد' مریم سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس کے پاس مہلت تھی' نہ اپنی بات کہنے کیلئے لفظ۔ وہ بس اسے دیکھتا رہا۔

مریم بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی ''کیا بات ہے راشد۔ تم جانا نہیں چاہتے؟''

''یہ بات نہیں لیکن میں...... مجھے......'' راشد نے بے بسی سے کندھے جھٹک دیے۔

''میری وجہ سے؟'' مریم نے پوچھا۔

راشد نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''ہاں۔''

''تب تو تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہارے انتظار میں ایک ایک دن گن گن کر کاٹوں گی۔ راشد...... جلدی کرو۔ کوچ چل رہی ہے۔''

راشد تیزی سے کوچ میں چڑھ گیا۔ جب تک مریم نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی وہ پائیدان پر کھڑا ہاتھ ہلاتا رہا۔

☆......☆......☆

مصروفیت اتنی تھی کہ اداس ہونے کی فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ ریاض حسین اپنے ہر اپرنٹس کو بہت اچھا انجینئر بنانے کیلئے کوشاں رہتا تھا۔ پھر جب اسے معلوم ہوا کہ طارق نے مزدوروں کو کان میں اتارنے اور چڑھانے کی لفٹ کے تمام اسکیچ بھیجے ہیں تو اس نے راشد کی تعلیم و تربیت میں اس شعبے کا بھی اضافہ کردیا۔

راشد پیدائشی انجینئر تھا۔ اب وہ گھر خط لکھتا یا مریم کو' اس کے خطوں میں نئی دلچسپیوں' نئی مہارتوں کا تذکرہ ہوتا۔ یہی نہیں' چھٹی کے دن ریاض حسین کے گھر میں بھی وہ زیادہ تر یہی باتیں کرتا رہتا۔ سارہ اس بات سے بہت ناخوش تھی۔

ایک اتوار کو سارہ نے اسے ٹوک ہی دیا ''میں انجنوں سے اکتا چکی ہوں۔'' اس نے پاؤں پٹخ کر کہا ''میرے ہر طرف انجن ہی انجن ہیں۔ انجنوں کی بو ہے۔ وہ لوگ ہیں جو انجنوں پر کام کرتے ہیں۔ مجھے نفرت ہے انجنوں سے۔''

راشد اسے دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔ وہ گھر میں چلی گئی۔

لیکن شام کو چائے پر سارہ کا انداز ایسا تھا' جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو پھر بھی راشد محتاط رہا۔ اس نے انجنوں پر بالکل بات نہیں کی۔ گفتگو کا رخ گھڑ سواری کی طرف مڑ گیا۔ دونوں لڑکیوں کے پاس خچر برسوں سے تھے مگر اس بار سالگرہ پر ریاض نے سارہ کو بہت خوبصورت گھوڑا تحفے میں دیا تھا۔ گھوڑے کا نام بہادر تھا۔

''تم کبھی گھوڑے پر بیٹھے ہو؟'' سارہ نے راشد سے پوچھا۔

''نہیں۔ ہاں کبھی کبھی کان والے گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر بیٹھ جاتا تھا۔''

''تو باقاعدہ گھڑسواری کیوں نہیں سیکھتے؟''

''جی تو چاہتا ہے لیکن میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

''وقت نکل آئے گا۔'' سارہ نے بے حد یقین سے کہا اور باپ کی طرف مڑی

''پاپا' راشد گھڑ سواری سیکھنا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس وقت نہیں مگر اتوار کو یہ میرے ٹٹو پر سواری کر سکتا ہے نا؟''

''پڑھائی کا حرج نہ ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔''

''تو چلو۔ آج ہی سے شروع کر دیں۔'' سارہ نے راشد سے کہا۔

''لیکن گھڑ سواری کیلئے بوٹ ضروری ہیں۔'' راشد نے جان بچانے کی کوشش کی۔

''پاپا' آپ تو اب اپنے رائیڈنگ بوٹ استعمال نہیں کرتے۔ راشد کو دے دیں نا۔'' سارہ پھر باپ کی طرف مڑی۔

ریاض حسین ہنسنے لگے ''بھئی راشد' اب بچت کی کوئی صورت نہیں۔ میری بیٹی جب کسی بات کا ارادہ کر لے تو کوئی چیز اسے عمل سے نہیں روک سکتی۔ اب تو تمہیں گھڑ سواری سیکھنی ہی پڑے گی۔''

راشد کو رائیڈنگ بوٹ دے دیے گئے۔ سارہ نے گھڑ سواری کا لباس پہنا اور راشد کو لیکر اصطبل کی طرف چل دی۔ اس نے سب سے پہلے راشد کو گھوڑوں پر زین کسنا سکھایا پھر وہ دونوں باہر نکل آئے۔ وہ ہلکی رفتار سے چل رہے تھے۔ سارہ نے کہا ''تمہیں تو گھڑ سواری آتی ہے۔''

''یہ سب تو میں کان کے گھوڑے پر کرتا رہا ہوں۔'' راشد نے کہا ''فرق اتنا ہے کہ وہاں گھوڑے کی ننگی پیٹھ ہوتی تھی اور پکڑنے کو راسیں بھی نہیں ہوتی تھیں۔''

''چلو پھر ریس لگاتے ہیں...... اس پہاڑی تک۔'' یہ کہہ کر اس نے بہادر کو ایڑ لگا دی۔

راشد نے بھی ایسا ہی کیا اور فوراً ہی اس کی خوش فہمی دور ہو گئی۔ دلکی چلتے ہوئے ٹٹو پر بیٹھنا اور بات ہے اور دوڑتا ہوا ٹٹو بالکل مختلف چیز ہوتا ہے۔ ایک لمحے اس کا چہرہ ٹٹو کی ایال میں چھپا ہوتا تھا اور اگلے لمحے وہ جھٹکے سے پیچھے کو جاتا تھا...... یوں کہ آسمان کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ شاید ٹٹو بھی اس بات پر ناخوش تھا کہ اس نے ایک بے قابو سوار کو اٹھایا ہوا ہے' جسے اپنے جسم پر قابو ہی نہیں' جو ٹک کر ہی نہیں بیٹھتا چنانچہ اس نے از خود اپنی رفتار کم کر لی۔

وہ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچا جہاں سارہ بہادر کو روکے اس کا انتظار کر رہی تھی ''میں جیت گئی۔ تم نے پھول کو دوڑایا کیوں نہیں۔ یہ بہت تیز دوڑتا ہے۔'' اس نے ٹٹو کی طرف

اشارہ کیا۔

راشد ٹٹو سے اتر آیا ''مجھے دوڑانا نہیں آتا۔ یہ بے چارہ بھی بور ہو گیا تھا۔''

''ابھی واپسی میں تمہیں سکھا دوں گی مگر پہلے یہ منظر دیکھو۔'' اس نے انگلی سے سرسبز ڈھلان کی طرف اشارہ کیا جہاں دھان کے کھیت تھے۔ نیچے سمندر تھا۔ جس میں چند بادبانی کشتیاں نظر آ رہی تھیں۔ ''ہے نا خوبصورت۔''

''خوبصورت ہے لیکن تم ہمارا پہاڑ والا جنگل دیکھو گی تو سمجھ میں آئے گا کہ خوبصورتی کیا ہوتی ہے۔'' راشد کے لہجے میں فخر تھا۔

''میں جنگل بھی دیکھ چکی ہوں۔ اندرا بن گئی تھی میں۔ وہاں اندھیرا ہوتا ہے۔ مجھے تو ڈر لگ رہا تھا۔''

''ہمارا جنگل ایسا نہیں ہے۔'' راشد نے کہا ''وہاں دریا اور چشمے بھی ہیں اور وادیاں بھی پھر وہاں اتنے جانور' اتنے پودے اور اتنے درخت ہیں کہ تم نے کہیں نہیں دیکھے ہوں گے۔''

''پرندے بھی۔''

''ہاں ...... بھانت بھانت کے پرندے۔''

سارہ اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ ''اور یہ سب کچھ تم نے اکیلے دریافت کیا؟''

راشد نے کھنکھار کر گلا صاف کیا ''کبھی میں اکیلا ہوتا ہوں۔ کبھی مریم میرے ساتھ ہوتی ہے۔''

سارہ نے بہادر کی گردن تھپتھپاتے ہوئے پوچھا ''یہ مریم کون ہے؟''

راشد نے مریم کو لفظوں میں بیان کرنے کی کوشش کی لیکن یہ آسان کام نہیں تھا۔ جنگل کی گہرائی' تاریکی اور سریت رکھنے والی مریم کے متعلق کیسے بتایا جا سکتا ہے۔ اس کیلئے تو ضروری ہے کہ پہلے مخاطب کو جنگل دکھایا جائے۔ یوں اس وحشی ہرنی کی لفظوں میں تصویر کیسے بنائی جا سکتی ہے۔ اس نے کوشش ترک کرتے ہوئے کہا ''بس مریم مریم ہے۔''

سار نے بہادر کی راسیں تھامیں اور راشد کے سہارا دینے سے پہلے گھوڑے پر بیٹھ گئی ''اب ہمیں چلنا چاہئے۔''

واپسی کے سفر میں وہ راشد کو گھڑ سواری کی ترکیبیں سمجھاتی رہی لیکن اس بار اس کے انداز میں پہلے والا والہانہ پن نہیں تھا۔ اب ان کے درمیان کھنچاؤ تھا۔

اصطبل میں گھوڑوں کو باندھتے ہوئے راشد نے سارہ کا شکریہ ادا کیا اور پوچھا ''اگلے اتوار کو بھی سکھاؤ گی مجھے؟''

سارہ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ لہجے کی چہکار واپس آ گئی ''کیوں نہیں۔ ہم ہر اتوار کو جایا کریں گے بلکہ ناشتے سے پہلے چلا کریں گے۔ وہ سب سے اچھا وقت ہوتا ہے۔''

اس روز کے بعد اتوار کا وہ ایک نیا معمول بن گیا۔ راشد کو گھڑسواری ہی نہیں، سارہ کی قربت بھی اچھی لگنے لگی۔

☆......☆......☆

پہلا سال ختم ہوا تو راشد کو کرسمس کی چھٹیوں میں گھر جانے کا موقع ملا۔ اس سال عید بھی انہی دنوں میں ہوئی......یعنی 27 دسمبر کو۔

مگر اس بار وہ کھویا کھویا تھا۔ اس کا دھیان اڑا اڑا رہتا تھا۔ مریم کو اس بات پر کوئی شکایت نہیں تھی۔ اس کے خیال میں کام میں بری طرح الجھے ہوئے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وہ تو بڑے فخر اور یقین سے سوچتی کہ اس کا راشد ایک روز علاقے کا سب سے بڑا انجینئر بنے گا۔

اور یہ حقیقت بھی تھی۔ راشد بات کرتے کرتے کسی ٹیکنیکل مسئلے پر سوچنے لگتا تھا۔ تاہم وہ عید پر مریم کو قرآن پاک کا نسخہ دینا نہیں بھولا اور مریم نے اس تحفے کو جتنی عقیدت اور احترام سے قبول کیا، وہ دیدنی تھا ''میں اسے روز پڑھوں گی راشد......! اور سمجھنے کی کوشش بھی کروں گی۔'' اس نے کہا۔

دن اڑتے گئے پھر وہ موسم گرما آیا جس میں راشد کے پورے کیریئر کا رخ بدل سکتا تھا۔ اس روز روہ فاؤنڈری کے یارڈر میں ریاض حسین کے ساتھ کام میں لگا ہوا تھا کہ ایک گھڑسوار گیٹ سے گزر کر اندر آیا۔ وہ پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ اسے پہچان کر راشد کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ حمزہ تھا......سالم کا خاص آدمی

قریب پہنچ کر حمزہ گھوڑے سے اترا ''راشد......لڑکے...... بری خبر ہے۔ تمہیں فوراً گھر جانا ہے۔'' اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے؟''

''سعید بھائی...... وہ ایک نیا مزدور تھا جو ایک نئی سرنگ بنا رہا تھا۔ اس نے غلط ڈائنا

مائٹ لگایا۔ چھت بیٹھ گئی۔ سعید بھائی اور ان کے تین ساتھی دب گئے ہیں اور اسد انہیں نکالنے کی کوشش بھی نہیں کر رہا ہے۔ وہ پھر نشے میں رہنے لگا ہے۔ اب تمہیں ہی چل کر کچھ کرنا ہے۔''

''میں تمہارا گھوڑا لے جاؤں حمزہ؟'' راشد نے پوچھا۔ وہ بری طرح گھبرا گیا تھا۔

''یہ تو اب چلنے کے قابل ہی نہیں رہا راشد۔''

سارہ تک بھی خبر پہنچ گئی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی آئی ''راشد......تم میرے بہادر پر چلے جاؤ۔ اس سے تیز رفتار گھوڑا تمہیں نہیں ملے گا۔''

''آپ اجازت دیں گے جناب؟'' راشد، ریاض حسین کی طرف مڑا۔

''کیوں نہیں۔ وہ سارہ کا گھوڑا ہے۔ سارہ جو چاہے کرے۔''

راشد نے جلدی سے کام کے کپڑے اتارے۔ کپڑے بدل کر وہ یارڈ میں پہنچا تو سارہ سواری کیلئے پوری طرح تیار بہادر کو لیے کھڑی تھی۔

راشد اب ایک ماہر گھڑسوار تھا۔ اس نے پورے اعتماد سے سفر کا آغاز کیا۔ بہادر بھی گویا اڑا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

چھت گرنے سے بند ہونے والی سرنگ کے سامنے اسد کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔ اس کے مقابلے میں کان کنوں کا ایک ہجوم تھا ''تم سب کام پر جاؤ۔ اب کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ اندر موجود لوگ مر چکے ہیں۔''

ٹام شاول نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا ''دیکھو کیپٹن! یہ ہمارا طریقہ نہیں۔ ممکن ہے وہ لوگ مر چکے ہوں لیکن اس صورت میں بھی انہیں عزت سے دفنانا ہمارا فرض ہے۔ سمجھے؟ کام شروع کر دو اور جو اس ملبے میں گھسنے کی کوشش کرے گا، وہ خود کو بے روزگار ہی سمجھے۔ اسے فارغ کر دیا جائے گا۔'' اسد نے کہا۔

ٹام کا چہرہ سپید پڑ گیا ''نہیں کیپٹن اسد! ہم ملبا اٹھائیں گے اور پہلے اپنے ساتھیوں کو نکالیں گے...... وہ زندہ ہوں یا مردہ۔''

اس وقت مجمع میں ہل چل سی مچی۔ پادری رائٹ راستہ بناتا ہوا بڑھ رہا تھا ''یہ کیسی میٹنگ ہے۔ میٹنگ بعد میں کرتے رہنا۔'' اس نے گونج دار آواز میں کہا ''کدال اور بیلچے سنبھالو اور ملبا ہٹانا شروع کر دو۔ ایک بیلچہ مجھے بھی دو۔''

''میں کہتا ہوں' اپنے اپنے کام پر جاؤ۔'' اسد چلایا۔

''پہلے سرنگ میں دبے کان کنوں کو نکالا جائے گا پھر کام بھی ہو جائے گا۔'' رائٹ نے ترکی بہ ترکی کہا ''چلو ٹام' شروع ہو جاؤ۔''

ٹام اور پادری رائٹ آگے بڑھے۔ اسد ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ پادری نے اسے دھکا دیا تو وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا۔ اس کے سنبھلتے سنبھلتے کان کنوں کا ہجوم سرنگ کے منہ تک گیا۔ موم بتیاں آگے بڑھائی جانے لگیں۔

ذرا دیر میں انہیں اندازہ ہو گیا کہ صورتحال سنگین ہے۔ سرنگ میں راستہ بنانا آسان نہیں تھا۔ ٹام شاول مایوس نظر آنے لگا ''یہ سب اس وجہ سے ہوا ہے کہ اناڑیوں سے ڈائنامائٹ کا کام لیا جا رہا ہے۔''

سرنگ کی پوری چھت گری تھی۔ وہ بڑے اور چھوٹے چٹانی چھجوں کی شکل میں تھی ''یہاں ایک سے زیادہ آدمی کام نہیں کر سکتے۔ پہلی باری میری ہے۔'' پادری نے کہا ''میں پتھر ہٹاتا جاؤں' تم انہیں پیچھے کرتے جانا۔''

''ہمیں رسیوں اور ہتھوڑوں کی ضرورت بھی پڑے گی۔ جلدی سے بندوبست کرو۔'' ٹام نے ساتھی مزدوروں سے کہا۔

پادری رائٹ دھیرے دھیرے راستہ بناتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ موم بتی لیے ٹام شاول اس کے پیچھے تھا۔

پھر موسیٰ ٹریگو اپنے بھائی کے ساتھ آ گیا ''پادری...... تم باہر جاؤ۔ یہ کام میں زیادہ بہتر طور پر کر سکتا ہوں۔'' اس نے پکارا۔

پادری رائٹ باہر آیا تو اس کے ہاتھ لہولہان ہو رہے تھے۔ اس سرنگ میں راستہ بنانا پہاڑ ہٹانے کے برابر تھا۔

موسیٰ سرنگ میں گھس گیا۔ وہ اس طرح کام کر رہا تھا جیسے اسی پر اس کے جینے مرنے کا انحصار ہو۔

☆......☆......☆

راشد نے پسینے میں نہائے ہوئے بہادر کو کان کے باہر باندھا اور تیزی سے کان میں اترا۔ نیچے پہنچ کر اس نے اپنی جیکٹ اتاری اور رینگ کر سرنگ میں چلا گیا جہاں پادری رائٹ' ٹام شاول اور جان ٹریگو راستہ بنانے میں موسیٰ کی مدد کر رہے تھے۔ ان کے

چہرے گرد میں یوں اٹے ہوئے تھے کہ انہیں پہچاننا بھی مشکل تھا۔ ''صورتحال بہت خراب ہے راشد۔'' ٹام شاول نے کہا۔

''اس کا تو مجھے اندازہ ہے۔ اب مجھے آگے جا کر کام کرنے دو۔'' راشد نے کہا۔

''تم لوگ کیا کر رہے ہو۔'' اندر سے موسیٰ چلایا ''یہ بڑا پتھر پکڑو ورنہ میرے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔''

ٹام نے سو پاؤنڈ وزنی پتھر گھسیٹتے ہوئے کہا ''راشد آ گیا ہے۔ وہ اندر آ رہا ہے۔''

''اسے روک دو۔ کہو کہ بڑی چٹان کیلئے مدد درکار ہو گی۔ اس وقت تک اپنا سانس بچا کر رکھے۔''

اب سرنگ میں پندرہ گز تک راستہ بن چکا تھا۔ اندر سے کلہاڑی چلانے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ کوئی بڑی چٹان تھی جسے وہ توڑنے کی کوشش کر رہا تھا پھر اس نے پکار کر کہا ''وہ یہاں ہیں۔'' اور اس کے ساتھ ہی بے شمار چھوٹے پتھروں کے زمین پر گرنے کی آواز آئی۔ سرنگ گرد سے بھر گئی۔ سانس لینا بھی آسان نہیں رہا۔

گرد چھٹی تو جدوجہد کرنے والوں کو زیر زمین مقبرے سے ایک چہرہ جھانکتا نظر آیا ''خدا کا شکر ہے...... خدا کا شکر ہے۔'' چہرے نے کہا اور پھر بگڑنے لگا۔ لگتا تھا' پھوٹ پھوٹ کر رو دے گا۔

''اگر ضروری ہے تو خدا کا شکر بعد میں ادا کرنا۔'' موسیٰ نے تلخی سے کہا ''پہلے یہ بتاؤ دوسرے کہاں ہیں۔''

پھنسے ہوئے کان کن نے انگلی سے عقب کی طرف اشارہ کیا۔

وہ چند گز آگے بڑھا تو ایک بڑی چٹان کی رکاوٹ سامنے آئی۔ اسے توڑا تو ایک اور شخص اوندھے منہ گرا نظر آیا۔ اس کا جسم چٹان تلے دبا ہوا تھا۔ وہ سعید حسن تھا۔

پہلی نظر میں وہ مردہ لگا لیکن جب راشد نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اسے ہلایا تو اس کے منہ سے کراہیں نکل گئیں ''سب ٹھیک ہے بابا۔ آپ ہلیں مت۔ ہم آپ کو نکالتے ہیں۔'' راشد نے اسے دلاسا دیا۔

''راشد...... تم...... یہاں......'' سعید نے بہ مشکل کہا اس کی چیخ نکل گئی۔

پادری رائٹ بھی راشد کے پاس آ گیا۔

''سعید...... سب سے زیادہ تکلیف کہاں ہے؟''

''میری ٹانگوں پر بہت بوجھ ہے۔'' سعید نے دانت بھینچ کر کہا ''میرا خیال ہے سیدھی ٹانگ ٹوٹ چکی ہے مگر تم جو چاہو کرو' اس کی فکر نہ کرنا۔''

اسی وقت ٹام شاول کان کے ڈاکٹر کو سرنگ میں لے آیا۔ ''اسے باہر نکالنے میں بس چند منٹ لگیں گے۔'' موسیٰ نے کہا۔

''پادری...... آؤ یہ بڑی چٹان ہٹانے میں میرا ہاتھ بٹاؤ۔ بہتر ہوگا کہ اپنے خدا سے بھی مدد طلب کرلو اور راشد' جیسے ہی جگہ بنے' تم اپنے باپ کو باہر کھینچ لینا۔''

موسیٰ' ٹام شاول اور پادری رائٹ کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو گئے۔ زور لگاتے لگاتے ان کی نسیں کھنچنے لگیں۔ بالآخر چٹان ایک ایک انچ کر کے ہٹی اور جیسے ہی موقع ملا راشد نے ڈاکٹر کی مدد سے سعید کو باہر کھینچ لیا۔ سعید کے باہر آتے ہی ایک کان کن کی لاش نظر آئی۔

ڈاکٹر' سعید کی ٹانگ کا معائنہ کر رہا تھا جو نیلی پڑ چکی تھی اور بری طرح سوجی ہوئی تھی۔

راشد موسیٰ کا شکریہ ادا کرنے لگا۔ موسیٰ نے کہا ''مجھے تمہارے شکریے کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ تم لوگوں نے میری مریم کیلئے کیا وہ مجھ پر قرض تھا۔ آج میں نے وہ قرض چکا دیا۔ ہم لوگ مقروض رہنا پسند نہیں کرتے۔''

ڈاکٹر نے سادہ فریکچر تشخیص کیا تھا۔ راشد نے باپ کو اوپر لے جانے کا بندوبست کیا۔ پہلے وہ خود اوپر پہنچا۔ روشنی سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اسی لمحے فاطمہ اس سے لپٹ گئی۔ ''راشد...... کک...... کیا ہوا...... تمہارے بابا......؟''

آنکھیں روشنی کی عادی ہوئیں تو راشد کو ماں کے ساتھ مریم اور جینی بھی کھڑی نظر آئیں ''بابا خیریت سے ہے اماں۔ ٹانگ میں فریکچر ہے...... معمولی سا۔''

فاطمہ نے سکون کی گہری سانس لی ''اللہ کا شکر ہے۔''

''اور دوسرے لوگ؟'' قریب کھڑے ہوئے ایک کان کن نے پوچھا۔

''ان میں سے دو ختم ہو گئے۔ موسیٰ اور دوسرے لوگ انہیں نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

ایک عورت دبی دبی آواز میں رونے لگی ''یہ ہے ایک کان کن کی بیوی ہونے کی سزا۔'' مریم نے تلخ لہجے میں کہا ''شوہر مر گیا۔ پہاڑ سی زندگی گزارنی ہے۔ بچے پالنے ہیں

اور ایک ماہ کے اندر اس سے کاٹیج بھی خالی کرا لیا جائے گا۔ یہ سب سسٹم کا فساد ہے؟''

راشد نے حیرت سے دیکھا۔ وہ اردو اور ریاضی کے علاوہ بھی بہت کچھ پڑھ رہی تھی۔ وہ ولیم ٹھاکر کی زبان بول رہی تھی۔

بیس منٹ بعد سعید کو اوپر لایا گیا۔ موسیٰ اس کے ساتھ تھا۔ اس نے اشارے سے میری کریب کو بلایا ''تمہارے لیے مصروفیت ہو گئی۔''

''دونوں ختم ہو گئے؟'' میری نے پوچھا۔

''ہاں دونوں۔ صرف اس لیے کہ پیسے بچانے کی خاطر اناڑی دھماکہ کرنیوالے مزدور رکھے گئے ہیں۔'' موسیٰ نے اتنی بلند آواز میں کہا کہ کان کا مالک سن لے جو جگہ بناتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا۔

سالم نے وہ تبصرہ سنا اور اسے پی گیا۔ وہ سیدھا سعید کے پاس آیا ''مجھے خوشی ہے کہ تم بچ گئے۔ اسد نے بتایا تھا کہ تم مر چکے ہو۔''

''اگر اس کی بات مان لی جاتی تو سعید واقعی مر چکا ہوتا۔'' موسیٰ نے کہا۔

اس پر کان کنوں نے بھی آواز اٹھائی۔ سالم کا چہرہ تمتما اٹھا۔ وہ ٹام شاول کی طرف مڑا ''کیپٹن اسد نے آ کر مجھے چھت گرنے کی اطلاع دی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ چار مزدور ختم ہو گئے ہیں۔ تم نے اس کے احکامات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ یہ سب کیا ہے؟''

''اس کا ایک مردہ مزدور تو یہ رہا۔'' ٹام نے سعید کی طرف اشارہ کیا ''اسد کا کہنا تھا کہ ان لوگوں کو نکالنے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ کام جاری رکھا جائے۔ وہ کہتا تھا' اب کچھ نہیں ہو سکتا۔''

''یہاں کچھ معاملات وضاحت کے متقاضی ہیں۔'' سالم نے کہا اور اسد کی طرف مڑا ''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''مجھے اس واقعے کی اطلاع ملی اور میں فوراً چلا آیا۔''

سالم نے اس کا سر سے پاؤں تک جائزہ لیا اور اس کی نظر اس کے رائیڈنگ بوٹس پر ٹھہر گئی۔ ''تم فوراً واپس چلے جاؤ۔ اپنا تعلیم کا وقت یہاں ضائع مت کرو۔''

''اب میرا گھوڑا صبح تک ہی سفر کے لیے تیار ہو سکے گا۔'' راشد نے کہا۔

''تمہارا گھوڑا!! اے میاں' میں تمہیں انجینئر بنانے کیلئے پیسے خرچ کر رہا ہوں۔ تم

گھوڑے کے مالک امرا میں شامل ہونے کی کوشش مت کرو۔''

''گھوڑا میرا نہیں ہے اور گھڑ سواری میں چھٹی کے دن سیکھتا رہا ہوں...... تعلیم کا حرج کر کے نہیں۔'' راشد نے مستحکم لہجے میں کہا۔

سالم کی بھویں تن گئیں ''لڑکے' تم اپنی ماں کو لیکر گھر جاؤ۔ مجھے تمہارے باپ سے بات کرنی ہے اور ٹام شاول' تم بھی رکو گے' باقی لوگ کام پر جائیں۔''

فاطمہ خوش تھی۔ وہ دکھ سے بچ گئی تھی۔ اس کا شوہر زندہ تھا۔ اور زیادہ زخمی بھی نہیں تھا پھر اس موقع پر بیٹا بھی اس کے پاس تھا۔

کچھ دیر بعد ٹام شاول اور چند کان کن سعید کو گھر لائے۔ فاطمہ کو حیرت تھی کیونکہ وہ سب بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کی معقول وجہ تھی۔

''فاطمہ' دروازہ کھولنے میں دیر مت کرو۔'' سعید نے مسکراتے ہوئے کہا ''پتا نہیں' کان کا نیا کیپٹن تمہارے شوہر کو گھر لایا ہے۔''

فاطمہ خوش ہوگئی ''ارے ٹام'...... سچ؟ بہت خوشی ہوئی بھئی مگر کیپٹن اسد کا کیا بنا؟''

''اسے نکال دیا گیا ہے۔ وہ سالم کو خبر دینے گیا تو نشے میں دھت تھا۔ پھر اس نے سالم سے ایسی باتیں کیں جو کان کے مالکوں سے نہیں کرنی چاہئیں۔ راشد...... تم بھی سمجھ لو۔'' سعید نے کہا۔

''یہ تو بڑی اچھی خبر ہے۔ اب تو کان کے حالات بدل جائیں گے۔''

''اصل خبر اور ہی ہے۔'' ایک اور مزدور نے راشد سے کہا ''اپنے بابا سے یہ تو پوچھو کہ ٹانگ ٹھیک ہونے کے بعد ٹام کی جگہ کون لے گا۔''

''سعید...... کیا تم شفٹ کیپٹن بنا دیے گئے ہو۔'' فاطمہ نے پوچھا۔

''ہاں۔'' سعید نے کہا۔ فاطمہ اس سے لپٹ گئی ''فاطمہ' ذرا خیال سے میری ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے۔''

''کتنے افسوس کی بات ہے کہ دو آدمیوں کی موت کے بعد سالم کو درست فیصلہ کرنے کی توفیق ہوئی۔'' مریم نے جارحانہ لہجے میں کہا اور کچن میں چلی گئی۔

''خدایا۔'' سعید نے آہستہ سے کہا ''جب بھی میں اس لڑکی کو دیکھتا ہوں' مجھے پرانی فاطمہ یاد آ جاتی ہے۔ وہ بھی ایسی ہی تھی...... تیز و طرار۔''

''مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' ٹام نے کہا ''میرے خیال میں لڑکیوں کو نرم خو ہونا چاہیے۔''

ہ مریم کے پیچھے جاتی ہوئی جینی کو دیکھنے لگا۔

اس روز کئی مواقع پر راشد نے بھی یہی سوچا کہ کاش مریم روایتی لڑکی ہوتی۔ اتنی تند ئوئی اچھی نہیں لگتی۔

کھانے پر یہ بات چل نکلی کہ راشد اتنی جلدی ڈریم سے کیسے آ گیا۔ راشد کو انہیں سارہ کے متعلق اور اپنے گھڑ سواری سیکھنے کے متعلق بتانا پڑتا۔ مریم نے اچھے خاصے سوالات کیے لیکن جب راشد اسے چھوڑنے گیا تو اصل بات ہوئی ''اس لڑکی کو تم ہی نظر ئے۔ کیوں؟'' مریم نے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔ بس یہ ہوگیا۔'' راشد نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

''یہ سارہ بہت خوبصورت ہے؟'' چند لمحے کی خاموشی کے بعد مریم نے پوچھا۔

''ہاں...... خوبصورت کہہ سکتے ہیں اسے۔''

''مجھ سے بھی زیادہ؟''

''نہیں۔ ہرگز نہیں۔'' یہ بات راشد نے پوری سچائی کے ساتھ کہی۔

''تم نے کبھی اسے پیار کیا؟''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دیکھو مریم' وہ میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔''

''تب تو ٹھیک ہے۔'' مریم نے کہا اور اچانک اس سے لپٹ گئی۔ ''لیکن تم تو کبھی ٭ھے بھی پیار نہیں کرتے۔ آج کرو نا۔''

مگر چند لمحے بعد وہ خود ہی راشد کو پرے دھکیلنے لگی ''نہیں راشد...... اتنا بھی نہیں۔''

راشد کے ہاتھ گرے اور اس کے پہلوؤں سے جا لگے ''سوری مریم۔''

''ایسا نہ کہو۔ میں چاہتی ہوں' تم میری طلب کرو لیکن انتظار بھی کرو۔ زیادہ عرصہ تو ہیں ہے...... ہے نا؟''

''بس میں گھر واپس آؤں گا اور ٹھیک ٹھاک کمانے لگوں گا۔''

''راشد...... میں تم سے اتنی محبت کرتی ہوں...... اتنی...... اتنی...... کہ کبھی لگتا ہے کہ یہ محبت مجھے ختم کر دے گی۔ میں پھٹ جاؤں گی دھماکے سے۔''

''میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں مریم۔'' راشد کو پہلی بار یہ اعتراف خود بھی عجیب سا گا۔ کب کی رکی بات بالآخر زبان پر آ گئی تھی۔

☆......☆......☆

فاؤنڈری میں دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ محنت کرتے کرتے موسم گرما گزر گیا۔ پت جھڑ کا موسم آ گیا۔ نومبر تک راشد اپنے کام میں اتنا ماہر ہو چکا تھا کہ ایک مقامی کوئلے کی کان میں انجن نصب کرنے والی ٹیم کے ساتھ اسے بھی بھیجا گیا۔ وہ اس کیلئے بہت کارآمد تجربہ تھا۔

یہ کام مکمل ہوتے ہی موسم سرما آ گیا اور اس بار وہ سردی پڑی کہ پہلے کبھی نہیں پڑی تھی۔ برف باری بھی جلدی شروع ہوگئی۔ برفانی طوفان شدت سے اور کثرت سے آئے۔ بندرگاہ پر جہاز پھنسے رہ گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے راستوں پر برف کے انبار لگ گئے اور وہ بند ہوگئے۔ راشد افسردہ تھا۔ اس بار عید 17 دسمبر کو تھی مگر وہ نہ عید گھر پر کرسکتا تھا نہ کرسمس کی چھٹیوں میں گھر جاسکتا تھا۔ اس پر ستم یہ کہ وہ گھر والوں کو اپنے نہ آسکنے کی اطلاع بھی نہیں دے سکتا تھا۔

ادھر سعید اور فاطمہ نے یہ بات سمجھ لی تھی کہ راستے بند ہیں اور راشد گھر نہیں آسکے گا۔ ایک مریم تھی کہ آس لگائے بیٹھی تھی۔ اسے لگتا تھا، کوئی معجزہ رونما ہوگا اور راشد کسی نہ کسی طرح گھر پہنچ جائے گا۔

عید گزر گئی پھر کرسمس بھی آ گیا ''کیا پتا، برف بس ہمارے علاقے میں ہی اتنی پڑی ہو۔'' مریم نے کہا۔

''نہیں پورے ملک کا یہی حال ہے۔ ڈاک تک نہیں آ رہی ہے۔'' سعید بھائی نے بتایا ''وہ آتشدان کے قریب اپنی آرام کرسی ڈالے بیٹھے تھا۔

''وہاں وہ کرسمس پر پتا نہیں کیا کرے گا۔'' فاطمہ پریشان ہونے لگی۔

''پریشان مت ہو۔ ریاض حسین اور ان کی فیملی اس کا بہت خیال رکھتی ہے۔'' سعید نے کہا ''انہیں ہمارا راشد بہت اچھا لگا ہے۔ کل سالم صاحب بتا رہے تھے کہ وہاں راشد کو مستقبل کا سب سے اچھا انجینئر سمجھا جاتا ہے۔''

جینی آئی اور اس نے مریم کے گلے میں بانہیں ڈال دیں ''تم فکر نہ کرو۔ مجھے یقین ہے کہ موسم ٹھیک ہوتے ہی راشد گھر آئے گا۔'' اس نے اسے دلاسا دیا۔

''تمہیں کیا پروا، ٹام شاول تو کل آئے گا ہی۔'' مریم نے کہا پھر اسے اپنی بات کی سختی کا احساس ہوا تو اس نے مسکراہٹ سے اسے کم کرنے کی کوشش کی۔ جینی بہت پیاری لڑکی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ جینی اور ٹام کے درمیان دل کا رشتہ قائم ہونے پر سب سے

زیادہ خوش مریم ہی تھی۔

کچھ بھی ہو، مریم کو وہ کرسمس بہت بے کیف لگا۔ وہ راشد کے نہ آنے سے مایوس تو تھی ہی لیکن رقابت کی آگ بھی اسے جلا رہی تھی۔ وہاں ڈریم میں راشد اس لڑکی سارہ کے ساتھ ہوگا۔ مریم کو اس کے نسوانی وجدان نے بتا دیا تھا کہ وہ لڑکی راشد کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے۔

☆......☆......☆

نیا سال شروع ہوا اور بہت تیزی سے بھاگنے بھی لگا، جیسے اسے کہیں اور پہنچنے کی جلدی ہو۔ ادھر کان میں نصب ہونے والا انجن راشد کیلئے سنسنی خیز حقیقت بننے لگا۔ موسم سرما کے جاتے ہی اس کی ہر چیز مکمل ہوگئی۔ وہ پہلا موقع تھا کہ کوئی کان کا انجینئر اپنی کان کیلئے بنائے جانے والے انجن کے ہر مرحلے میں شامل رہا تھا۔ وہ درحقیقت خوش قسمت تھا۔

تعلیم مکمل ہو چکی تھی۔ راشد کو عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہ تقریباً تین سال ڈریم میں رہا تھا اور وہ اب اسے گھر کی طرح لگنے لگا تھا۔ وہاں سے رخصت ہونا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ سب سے تکلیف دہ مرحلہ ریاض حسین اور اس کی فیملی سے رخصت ہونے کا تھا۔ وہ ان لوگوں کو بہت زیادہ پسند کرنے لگا تھا۔ خاص طور پر سارہ کو۔ سارہ کے معاملے میں اس کے جذبے میں مریم کی سی گہرائی، تندی اور شدت تو نہیں تھی مگر جذبہ بے حد نرم اور لطیف روپ میں موجود ضرور تھا۔

بیگم بتول نے راشد کو لپٹا کر ایک ماں ہی کی طرح اس کی پیشانی چومی اور بولی ''کیا تم جانے سے پہلے گھوڑوں کو نہیں دیکھو گے۔'' پھر وہ سارہ کی طرف مڑی ''سارہ...... راشد کو اصطبل لے جاؤ۔ آخر تم لوگوں نے وہاں اتنا وقت گزارا ہے، جب راشد گھڑسواری سیکھ رہا تھا۔''

راشد، سارہ کے ساتھ اصطبل کی طرف چل دیا۔ دونوں خاموش تھے ''خدا حافظ بہادر۔'' راشد گھوڑے کی گردن سے اپنی تھوتھنی رگڑنے لگا ''میں تمہیں بہت مس کروں گا!''

''اور مجھے۔'' سارہ کے لہجے میں بہت التجا تھی۔

''بہت...... بہت زیادہ۔ تم نے اتنی مہربانیاں کی ہیں مجھ پر کہ میں کبھی بھول ہی نہیں

سکتا۔''

سارہ نے منہ پھیر لیا۔ اس کا جسم بری طرح لرز رہا تھا۔

راشد نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیے ''سارہ پلیز روؤ مت۔''

سارہ پلٹی۔ اس کی سسکیاں اور بلند آہنگ ہوگئیں۔

''سارہ پلیز......'' اور سارہ اچانک ہی اس سے لپٹ گئی اور پھر نہ جانے کیا ہوا کہ راشد نے بھی اسے لپٹا لیا۔ وہ بڑی نرمی اور نزاکت سے اسے پیار کررہا تھا۔ مریم کا خیال آیا تو اسے جھٹکا لگا۔ اس نے ہٹنے کی کوشش کی مگر سارہ گڑگڑانے لگی......

''راشد مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔''

''یہ کیسے ممکن ہے سارہ۔ میری تعلیم مکمل ہوچکی ہے۔ تم تو جانتی ہو۔''

''میں بس یہ جانتی ہوں کہ تمہارے بغیر زندگی نہیں گزار سکوں گی۔''

''ایسی باتیں مت کرو۔'' راشد نے نرم لہجے میں کہا ''تم سب نے میرا بہت خیال رکھا ہے۔ تمہیں ناخوش چھوڑ کر جانا میرے لیے شرمندگی کا باعث ہوگا۔''

سارہ اس سے علیحدہ ہوگئی اور نظریں جھکاتے ہوئے بولی ''میں تمہیں بے وقوف لگ رہی ہوں نا؟''

''نہیں۔ ہرگز نہیں۔''

''بالکل .... یہ حماقت ہی تو ہے۔'' سارہ نے اپنی آنکھیں پونچھیں ''جب کہ میں جانتی ہوں کہ تمہیں جانا ہے۔ اچھا دیکھو اب میں ٹھیک ہوگئی۔ اب نہیں روؤں گی۔''

راشد ہچکچایا۔ یہ مرحلہ اس کی توقع سے بڑھ کر دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ بالآخر اس نے کہا ''اچھا سارہ .... خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔''

راشد باہر نکلا پھر اس نے پلٹ کر دیکھا ''تم مجھے خط لکھو گے نا؟'' سارہ نے پوچھا۔

''ہاں سارہ۔ ضرور لکھوں گا۔''

''میں شکرگزار رہوں گی اور ہاں کبھی کبھی میرے بارے میں سوچنے کا وقت بھی نکال لینا۔ اچھا' خدا حافظ۔''

راشد باہر آ گیا۔ انجن کے ساتھ جانے والے کوچ میں بیٹھ چکے تھے۔ انصاف

فاؤنڈری نے انجن نصب کرنے کے لئے اپنے چار آدمی فراہم کئے تھے۔ ان کے پاس تمام ضروری اوزار بھی تھے۔ راشد کے بیٹھتے ہی کوچ بان نے گھوڑے پر چابک برسائے اور کوچ روانہ ہوگئی۔

گھر پہنچ کر راشد کو گھر والوں سے ملنے کے لئے بہت تھوڑا وقت ملا۔ مریم سے ملاقات نہ ہوسکی۔ وہ کام پر گئی ہوئی تھی۔ راشد نے جاکر انجن ہاؤس کا جائزہ لیا اور انجن کی تنصیب کے انتظامات میں مصروف ہوگیا پھر وہ بندرگارہ چلا گیا۔ وہ انجن کو پوری احتیاط کے ساتھ اپنی نگرانی میں سونا گاؤں لانا چاہتا تھا۔

انجن گودی پر اتارا جاچکا تھا۔ بوائلر بہت بڑا تھا لیکن سب سے بڑا مسئلہ تین ٹن وزنی شہتیر کا تھا۔ یہ سب سونا گاؤں کیسے پہنچایا جائے' پھر اسے خیال آیا کہ کارڈن مائن میں بھی یہی انجن دو سال پہلے لگایا گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ان کے پاس ایسی کوچ ضرور ہوگی جو اتنا وزن دور لے جاسکے۔ راشد اس سلسلے میں پوچھ گچھ میں مصروف ہوگیا۔

وہ کارڈن کے کیپٹن ہیرس سے ملا ''پہلے یہ بتاؤ کہ تم کتنا پھیل رہے ہو؟'' ہیرس نے اس سے پوچھا ''میں ایسی کان کی مدد تو نہیں کروں گا جو آخر میں ہمارا بھی بھٹا بٹھا دے۔''

''نہیں بھائی' کارڈن کے سامنے ہماری کان کچھ بھی نہیں ہے۔'' راشد نے عاجزی سے کہا۔

''یہ تو اب کی بات ہے نا۔ کون جانے' اگلے سال تک صورت حال بدل جائے۔''

راشد کو غصہ آنے لگا۔ ایسا ہوتا نہیں تھا۔ کان والے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے کبھی نہیں ہچکچاتے تھے' میری کان کبھی بہت بڑی نہیں ہوگی لیکن تمہیں کسی بھی وقت انجینئر کی ضرورت پڑسکتی ہے۔ ایسے میں تم مجھ سے مدد لے سکتے ہو۔''

''ایسی ضرورت پڑی تو میں کسی لڑکے کو نہیں بلاؤں گا۔'' پھولے چہرے والے ہیرس نے توہین آمیز لہجے میں کہا لیکن اس کی تولتی ہوئی نگاہوں میں دلچسپی تھی' ''تم نے انجینئرنگ کہاں سیکھی؟ کسی بوائلر روم میں؟'' اس کا لہجہ اب بھی توہین آمیز تھا۔

''میں نے انصاف فاؤنڈری میں باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے۔ اس انجن کو بنانے میں بھی شامل رہا ہوں۔'' راشد نے سادگی سے کہا۔

''تو تم وعدہ کرتے ہو کہ بوقت ضرورت میرے کام آؤ گے۔'' ہیرس کا لہجہ بدل گیا۔

''یہ میرا وعدہ ہے۔''

''تو ٹھیک ہے۔ میں تمہیں ویگن دے دیتا ہوں لیکن تمہیں گھوڑے اپنے جوتنے ہوں گے۔ میں کسی حریف کے لئے اپنے گھوڑوں کو نہیں تھکاؤں گا۔''

راشد کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ اس نے حمزہ سے کہہ کر ۱۷ جوڑی گھوڑوں کا بندوبست کرایا۔ اس کے بعد انجن کو بہ آسانی کان تک پہنچا دیا گیا۔ وہ اس کام سے فارغ ہوکر آدھی رات کے بعد گھر پہنچا۔ کسی نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ سب اس کے منتظر تھے لیکن مریم نہیں تھی۔ کھانے کے دوران میں اس نے مریم کے بارے میں استفسار کیا۔

''مریم ان دنوں یہاں کم ہی آتی ہے۔'' فاطمہ نے کہا ''دن بھر کان کا کام کرتی ہے۔ شام کو اسکول جاتی ہے۔ تھک جاتی ہے بے چاری۔''

''اصل میں وہ ہمیں ناخوش گواریت سے بچانے کے لئے یہاں پر آنے سے گریز کرتی ہے۔'' سعید نے کہا۔

''کیا مطلب بابا؟''

جینی اٹھ کھڑی ہوئی'' یہ سب میری وجہ سے ہے راشد۔ تم تو جانتے ہو کہ موسی ٹریگو پینے کے بعد کیسا ہو جاتا ہے۔ مگر اب وہ اور تباہ ہوگیا ہے۔ نشے میں وہ نارمل آدمی نہیں رہتا۔'' اس کی آواز لرزنے لگی ''ایک دن وہ یہاں آیا۔ ماما کچن میں تھیں۔ وہ سمجھا' میں اکیلی ہوں۔ اس نے مجھے تنگ کرنا شروع کردیا۔ ماما نے آوازیں سنیں تو چاپڑ لے کر آئیں اور مجھے بچایا ورنہ نہ جانے کیا ہو جاتا۔''

''بات اتنی سی نہیں۔'' فاطمہ نے کہا ''اس نے مریم کے بہانے بار بار ہمارے دروازے پر آنا شروع کردیا۔ اسے اس سے غرض نہیں ہوتی تھی کہ مریم موجود ہے یا نہیں۔ اصل مقصد جینی کو تاڑنا اور ستانا ہوتا تھا۔''

''سو مریم نے آنا چھوڑ دیا۔'' جینی بولی ''تاکہ موسی کے پاس یہاں آنے کا بہانہ ہی نہ رہے۔''

اگلی صبح خاصی دھند تھی۔ راشد کاٹیج سے نکلا اور پہاڑی کی طرف چل پڑا۔ اچانک مریم کہیں سے نکل کر آئی اور اس سے لپٹ گئی۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ میں نے تمہیں

کھو ہی دیا ہے۔'' راشد نے پیچھے ہٹا کر اسے غور سے دیکھا۔ کہاں تھیں تم؟''

''ماما نے تمہیں بتایا ہوگا۔ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے تم لوگوں کو پریشانی ہو۔'' مریم نے کہا ''تم کہاں جا رہے ہو۔ میں چل سکتی ہوں تمہارے ساتھ؟''

''میں کان کی طرف جا رہا ہوں۔ اب انجن نصب کرنا ہے۔ وہ بہت شاندار انجن ہے مریم۔''

تم نے بتایا ہے تو یقیناً شاندار ہوگا۔'' مریم نے بڑے غرور سے کہا اور اس کا ہاتھ تھام کر چلتی رہی۔ کان کے قریب پہنچے تو مریم نے پوچھا ''شام کو ملو گے نا؟''

''کوشش کروں گا لیکن تین چار دن مصروفیت بہت ہوگی۔ انصاف فاؤنڈری کی ٹیم کو بھی واپسی کی جلدی ہے۔'' وہ مسکرایا ''لیکن مریم' اب تو میں واپس آ گیا ہوں۔ اب کہیں نہیں جانا ہے۔ اب تو زندگی بھر کا ساتھ ہے۔''

''میں جانتی ہوں۔ اور بہت خوش بھی ہوں۔ ٹھیک ہے' آج میں تمہارا انتظار نہیں کروں گی۔ کام سے آتے ہی پڑھنے چلی جاؤں گی۔ تم ولیم سے بھی مل لینا۔ وہ ہمیشہ تمہارے متعلق باتیں کرتے ہیں۔''

راشد کو اب بھی مریم کا ولیم ٹھاکر کو ولیم کہہ کر پکارنا عجیب لگ رہا تھا لیکن اس نے کچھ کہا نہیں ''واعظ کو میرا سلام کہنا۔'' اس نے کہا ''اب میں چلتا ہوں۔''

راشد کا اندازہ درست تھا۔ انجن کی تنصیب کے کام میں وہ بری طرح الجھ گیا۔ کام بڑا بھی تھا اور پیچیدہ بھی لیکن مسلسل محنت کے نتیجے میں ہفتے تک مکمل ہوگیا۔

چار بجے سالم اپنے دوستوں کے ساتھ معائنے کے لئے آیا۔ وہ تمام کان کن بھی جمع ہوگئے' جن کی چھٹی ہو چکی تھی۔ وہاں کان کنوں کے گھر والے بھی پہنچ گئے۔ انجن کے افتتاح کے وقت اچھا خاصا میلہ سا ہوگیا۔ سعید اور فاطمہ سب سے آگے تھے۔ جینی نہیں آ سکی تھی کیونکہ ننھی نینسی کے خسرہ نکلی ہوئی تھی۔

انجن کا افتتاح ہوا کان سے پانی کھینچا جانے لگا۔ سالم بہت متاثر ہوا' اس کی آواز بہت دھیمی ہے۔'' اس نے کہا ''میں سمجھا تھا' یہ میلوں تک گونجے گا۔''

''آواز تو ہوگی لیکن بہت زیادہ نہیں۔'' انصاف فاؤنڈری کے انجینئر نے کہا ''اور اس کے لئے اپنے ہی انجینئر کا شکریہ ادا کرنا ہوگا۔ اس نے یہ انجن اپنے سامنے بنوایا ہے .... بڑی لگن سے۔''

اسی وقت پانی کا پہلا ریلا پائپ سے نکلا۔ کان کنوں کا مجمع تالیاں بجانے لگا' سب خوش تھے۔

جینی نے پانی کی کیتلی چولھے پر رکھی۔ عقب سے اسے دروازے کی چٹخنی چڑھائے جانے کی آواز سنائی دی ''ماما' راشد کا انجن کیسا رہا؟'' اس نے کہا پھر پلٹ کر دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے ''او مائی گاڈ''

بند دروازے سے ٹیک لگائے موسیٰ' ٹریگو کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ اور لباس پسینے اور گرد سے چکتا ہوا تھا۔

جینی دیوار سے چپکے چپکے دروازے کی طرف بڑھی۔ اسے کسی طرح بچ نکلنے کی کوشش کرنی تھی۔ موسیٰ کی نگاہیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ پھر وہ دو قدم بڑھا کر اس کے قریب پہنچا ''یہاں آؤ میری جان۔'' اس نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا۔

جینی ساکت کھڑی تھی۔ موسیٰ اور آگے بڑھا۔ اب وہ اتنا قریب تھا کہ پسینے اور شراب کی ملی جلی بدبو سے جینی کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔

''پلیز موسیٰ ...... میری بچی ...... نہیں۔'' جینی گڑگڑائی۔

موسیٰ نے ہاتھ بڑھا کر اس کا کندھا دبوچ لیا۔ جینی نے چھڑانے کی کوشش کی لیکن موسیٰ کی گرفت بہت سخت تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جینی کا لباس نیچے تک پھٹتا چلا گیا۔ موسیٰ نے اسے اپنی طرف کھینچا۔ وہ شکرے اور فاختہ کا مقابلہ تھا جو ہمیشہ ایک ہی انداز سے ختم ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

انجن روم میں گرمی بڑھتی گئی تھی۔ تقریباً تمام لوگ جا چکے تھے۔ بس راشد اور ٹام وہاں موجود تھے۔ وہ اس وقت باتیں کر رہے تھے۔ اچانک ایک لڑکا ہانپتا کانپتا وہاں پہنچا ''کیپٹن شاول ...... سعید چاچا نے تمہیں فوراً اپنے گھر بلایا ہے۔ جلدی سے چلو۔''

''کیا ہوا؟ بات کیا ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم مگر چاچا بہت غصے میں تھے اور گھر میں کوئی رو بھی رہا تھا۔'' لڑکے نے کہا۔

راشد اور ٹام اٹھے اور گھر کی طرف بھاگے۔

کاٹیج کے باہر چھ سات افراد کھڑے تھے۔ ان میں پادری رائٹ بھی تھا۔ راشد'

ٹام کو آتے دیکھا تو وہ باتیں کرتے کرتے خاموش ہو گئے۔ راشد کے گھر میں داخل ہوتے ہی بیڈروم کی طرف سے سسکیوں کی آواز سنائی دی ''اوپر کون ہے؟ کیا ہوا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''جینی ہے۔'' سعید نے ٹام کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا ''جس وقت ہم افتتاحی تقریب میں گئے ہوئے تھے' موسیٰ ٹریگو یہاں آیا تھا۔''

ٹام شاول کی مٹھیاں بھنچ گئیں ''شیطان! شیطان اس کے پیچھے سائے کی طرح لگا رہتا ہے۔''

راشد کو اپنا گلا خشک ہوتا محسوس ہوا ''جینی تو ٹھیک ہے نا؟'' اس نے بہ مشکل پوچھا۔

''اب یہ تو تمہاری ماں اور جینی ہی بتا سکتی ہیں۔'' سعید نے کہا۔

''لیکن میرے خیال میں اس کا بہت برا حال ہے۔ ہم آئے تو وہ یہاں بے ہوش پڑی تھی۔ اس کا لباس تار تار تھا۔''

ٹام کی مٹھیاں پھر بھنچ گئیں ''وقت کیوں ضائع کرتے ہو۔ چلو' اسے تلاش کریں۔'' اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک کہتے ہو۔ اب تو کچھ کرنا ہی ہوگا۔''

''بس اب ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے۔'' پادری رائٹ نے نرم لہجے میں کہا۔

''میں بھی چلوں گا۔'' راشد نے پرجوش لہجے میں کہا۔

''تمہیں یہیں ٹھہرنا ہے راشد۔ موسیٰ ٹریگو دوبارہ بھی یہاں آ سکتا ہے۔ یہ میرا حکم ہے۔ تم یہیں رکو گے۔'' سعید کے لہجے میں قطعیت تھی۔

وہ سب باہر چلے گئے۔ ٹام شال کی حالت بہت خراب تھی۔ ''سعید۔'' بیڈ روم سے فاطمہ کی پکار سنائی دی۔

''وہ سب لوگوں کے ساتھ گئے ہیں۔'' راشد نے چیخ کر کہا۔

''خدایا۔ وہ موسیٰ کی تلاش میں گئے ہوں گے۔'' فاطمہ گھبرا کر نیچے آئی ''جو ہو چکا' وہ کم تو نہیں یا اس میں اضافہ بھی ضروری ہے۔ راشد تم جا کر انہیں روکو۔''

''بابا نے مجھے یہیں رکنے کو کہا ہے اور ان کا خیال ٹھیک ہے۔''

''آج کے دن کوئی بات ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ دیکھو راشد' مجھے موسیٰ ٹریگو سے کوئی

ہمدردی نہیں۔ اس نے انسانیت کے تمام اصول پامال کر دیے۔ لیکن تمہارے بابا اور دوسروں نے وہی کیا جوان کے دل میں ہے تو ہم سب شیطانی چکر میں آ جائیں گے۔ جاؤ راشد! انہیں روکو۔ خدا کے لئے!''

راشد الجھن میں پڑ گیا لیکن بابا کے الفاظ اسے یاد آ گئے۔ اگر موسی ٹریگو واپس آ گیا تو؟ نہیں وہ بابا کے حکم سے انحراف نہیں کر سکتا تھا۔

☆......☆......☆

رات ہو گئی۔ جانے والوں میں سے کوئی واپس نہیں آیا۔ راشد نے باہر نکل کر پہاڑی کی طرف دیکھا لیکن کہیں کوئی دکھائی نہ دیا۔ وہ گھر میں چلا آیا۔ فاطمہ کچن میں مصروف تھی۔

کافی دیر بعد آہٹیں سنائی دیں تو راشد نے دروازہ کھولا۔ ان سبھوں کے چہروں پر سنگینی تھی ''اب موسی ٹریگو کے ڈر سے دروازہ بند کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔'' ایک کان کن نے کہا۔

''تو وہ تمہیں مل گیا۔'' فاطمہ نے خشک لہجے میں کہا ''اور تمہی قانون، تمہی جج اور تمہی جیوری بن گئے بلکہ خدا بن گئے ہو گے۔''

''یہ بات نہیں۔'' پادری رائٹ نے کہا ''وہ کان میں گر گیا۔ یہ حادثہ تھا۔ ہم نے اسے گھیر لیا تھا اور اسے کہا کہ وہ خود کو ہمارے حوالے کر دے۔ وہ ہم پر پتھراؤ کرنے لگا پھر اسی کا پاؤں پھسلا اور وہ کان میں گر گیا۔''

''یہ آنکھوں دیکھی سنا رہے ہو پادری یا اس شخص کا بیان ہے جو موسیٰ سے زیادہ قریب تھا اور تم سب اس بیان سے متفق ہو گئے؟'' فاطمہ کا لہجہ الزام دینے والا تھا۔

وہ سب خاموش نظریں جھکائے کھڑے تھے۔ کوئی فاطمہ سے نظر نہیں ملا رہا تھا۔ فاطمہ باری باری ہر ایک کو دیکھتی رہی کہ شاید کوئی نظر اٹھائے۔ بالآخر اس نے ٹام سے کہا ''ٹام، تم اوپر جا کر اس بے چاری لڑکی کو دلاسا دو۔ میں دعا ہی کر سکتی ہوں کہ یہ حادثہ تم لوگوں کے سوا کسی اور نے نہ دیکھا ہو۔''

اب ان سب کی خاموشی میں تناؤ تھا۔

فاطمہ پریشان ہو گئی ''تو کیا کسی نے دیکھا ہے؟ کون تھا وہ؟''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر پادری رائٹ نے کہا ''وہاں کوئی بھی نہیں تھا لیکن اس

واقعے سے کچھ دیر پہلے موسی کی بیٹی ہمارا تعاقب کر رہی تھی لیکن یقین کرو، یہ ایک حادثہ تھا۔''

راشد نے جلدی سے اپنا کوٹ اٹھایا اور دروازے کی طرف لپکا۔ بات سمجھ میں آتی تھی۔ مریم نے کوشش کی ہو گی کہ ان لوگوں سے پہلے اپنے باپ تک پہنچ جائے اور اسے خبردار کر دے لیکن اس کے بجائے اس نے اپنے باپ کی موت کا منظر دیکھا ہو گا۔

وہ ایک طوفانی رات تھی۔ تیز ہوا جھاڑیوں میں گھس کر شور مچا رہی تھی۔ بجلی کڑک رہی تھی۔ اس کی چمک میں ایک لمحے کو گردوپیش منور ہو جاتا۔ اگلے ہی لمحے پھر اندھیرا چھا جاتا۔ راشد تیز قدموں سے بڑھتا رہا۔ وہ رینگتا ہوا سرنگ میں داخل ہوا۔ پناہ گاہ کی خاموشی سے اسے شبہ ہونے لگا کہ اس کا اندازہ غلط ہے لیکن بجلی چمکی تو اس کی روشنی میں اس نے مریم کو دیکھا۔ وہ ایک کونے میں سمٹی ہوئی بیٹھی تھی۔

راشد اس کے پاس گیا اور گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے کہا ''مریم۔ مجھے بہت افسوس ہے۔''

اسے توقع تھی کہ وہ اس سے لپٹ جائے گی لیکن وہ ساکت و سامت بیٹھی رہی۔ اس کے جسم کے تناؤ کو چھوئے بغیر محسوس کیا جا سکتا تھا۔ بس اس کے ہونٹ لرز رہے تھے'' انہوں نے اسے مار ڈالا...... کتے کی طرح گھیر کر۔'' وہ بولی۔

راشد نے ہاتھ بڑھا کر اس کے کندھے کو چھو لیا ''وہ یہ نہیں چاہتے تھے مریم۔ تمہارے ڈیڈی کا پاؤں پھسل گیا۔''

''نہیں۔ میں نے خود دیکھا ہے۔ انہوں نے ڈیڈی کو مار ڈالا۔'' مریم کے لہجے میں نفرت تھی۔

''مریم...... وہ لوگ انہیں واپس لانا چاہتے تھے۔ جرم تو انہوں نے کیا تھا نا۔ انہیں پولیس کے حوالے تو کرنا تھا۔'' راشد نے کہا اور اسے کھینچ کر قریب کرنے کی کوشش کی لیکن مریم کا جسم اکڑا رہا، پھر اچانک وہ اس سے لپٹ گئی۔ اس کے انداز میں بلا کی تندی اور وحشت تھی۔

راشد اس اچانک ردعمل پر پہلے تو حیران ہوا پھر وہ بھی اس کا ساتھ دینے لگا مگر اگلا لمحہ پھر حیرت کا تھا۔ مریم کی وحشت بڑھ رہی تھی ''مریم...... نہیں...... ہمیں صبر کرنا چاہئے۔'' راشد نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

"نہیں راشد ...... آج یا پھر کبھی نہیں"، وحشت مریم کے لہجے میں بھی تھی۔

راشد زیادہ دیر ضبط نہ کرسکا۔ اس نے مشتعل جذبات کے سامنے سپر ڈال دی۔

خاصی دیر کے بعد وہ اٹھا تو اسے احساس ہوا کہ بارش ہو رہی ہے۔ اس نے دیکھا۔ مریم بدستور گھاس پر لیٹی تھی۔ وہ پریشان ہوگیا۔ اسے کسی گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا۔ "لو ...... یہ میرا کوٹ پہن لو۔ تم بھیگ رہی ہو۔" اس نے مریم کو چھونے کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر وہ ایک طرف سمٹ گئی "کیا بات ہے مریم؟ دیکھو، مجھے افسوس ہے۔ تم جانتی ہو کہ میں یہ نہیں چاہتا تھا لیکن تم نے ...... تم چاہتی تھیں ورنہ میں......"

مریم نے کوٹ کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا "میں نے تمہیں مجبور کردیا۔ یہی کہنا چاہتے ہو نا تم؟ راشد ...... تمہیں یقین ہے اس بات کا۔ اگر میں موردن کو اور انکل جان کو بتاؤں کہ تم نے میرے ساتھ زبردستی کی ہے تو وہ تمہارا یقین کریں گے یا میرا پھر شاید وہ بھی آدمیوں کو جمع کر کے تمہیں شکار کرنے کے لئے نکلیں گے۔ ہوسکتا ہے، وہ تمہیں گھیر کر کان کی طرف لے جائیں اور فیصلہ تم پر چھوڑ دیں کہ یا تو ان کی لاٹھیوں سے مرو یا کان میں چھلانگ لگا دو۔ ایسے میں تم کیا کرو گے؟"

"مریم، تم ہوش میں نہیں ہو۔ تمہیں خود بھی معلوم نہیں کہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ دیکھو، ہماری تو شادی ہوگی۔"

"نہیں، ہرگز نہیں۔ میں تم سے کیسے شادی کرسکتی ہوں۔ تمہارے باپ نے میرے باپ کو قتل کیا ہے۔"

"مریم، یہ سچ نہیں ......"

"یہ سچ ہے۔" مریم چلائی" اس نے میرے ڈیڈی کو قتل کیا ہے۔" اس کی آواز بکھر گئی "ہمارے درمیان اب کچھ نہیں رہا راشد۔ سب ختم ہوگیا۔"

راشد نے اسے تھامنا چاہا مگر وہ تیزی سے باہر نکل گئی "مریم ......واپس آؤ" راشد نے اسے پکارا پھر وہ بھی سرنگ میں گھسا لیکن مریم جا چکی تھی۔

☆......☆......☆

موسیٰ ٹریگو کو سینٹ کلیئر کے قبرستان میں دفنایا گیا۔ تدفین میں صرف اس کے گھر والے شریک ہوئے تھے۔ واعظ ولیم ٹھاکر نے دعا کرائی اور اس کے بعد وہی مریم کو سہارا دے کر قبرستان کے پاس سے ہٹا لے گیا۔ کیٹی ٹریگو اور جان ٹریگو اس کے پیچھے چل دیئے تھے لیکن موردن ایک دم منہ موڑ کر قبرستان سے رخصت ہوگیا تھا۔

راشد کو تدفین کا علم تھا۔ وہ مریم سے بات بھی کرنا چاہتا تھا لیکن یہ بھی جانتا تھا کہ تدفین میں اس کا شریک ہونا ٹریگو فیملی کے لئے باعث اشتعال ہوگا۔ اس کا اپنا دماغ اڑا اڑا تھا اور اس سے ٹھیک سے سوچا تک نہیں جا رہا تھا۔ اس طوفانی رات اور اس واقعے کے بعد وہ ناخوش بھی رہا اور خوف زدہ بھی۔ اسے لگتا تھا کہ ابھی دروازے پر دستک ہوگی اور مشتعل کان کنوں کا ہجوم اس سے مریم کی بے آبروئی کا انتقام لینے کے لئے آ کھڑا ہوگا۔ اب تین دن گزر جانے پر خوف تو دور ہوگیا تھا لیکن وہ بے یقینی موجود تھی۔

اس نے سوچا تھا کہ مریم کام سے واپس آ رہی ہوگی تو راستے میں روک کر اس سے بات کرے گا لیکن وہ آئی ہی نہیں۔ اس نے پوچھ گچھ کی تو پتا چلا کہ باپ کی موت کے بعد مریم کام پر آئی ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد راشد، مریم سے ملنے کی آس میں اس کے گھر کے قریب کھڑا ہونے لگا۔ ایسے ہی ایک موقع پر اس کا موردن سے سامنا ہوگیا۔

"تم یہاں کیا جاسوسی کر رہے ہو۔" موردن نے بے حد خراب لہجے میں کہا "تم لوگ جو کچھ کر چکے ہو، وہ کم تو نہیں ہے۔"

"میں مریم سے ملنے آیا ہوں۔"

"تب تو تمہیں بہت لمبا انتظار کرنا پڑے گا کیونکہ مریم تو یہاں ہے ہی نہیں۔"

"کیا مطلب؟ کہاں ہے وہ؟ مجھے اس سے ملنا ہے۔"

"کیوں ملنا ہے؟ تم خود کو سمجھتے کیا ہو؟ ڈریم جا کر پڑھ لینے کا مطلب یہ نہیں کہ ہر شخص تمہارا حکم مانے گا۔ مریم کا پیچھا چھوڑ دو۔ وہ اب تم سے ملنا نہیں چاہتی۔"

''تم جھوٹ بول رہے ہو موردن۔ مریم ایسا نہیں کہہ سکتی۔''

''تم ......اور مجھے جھوٹا کہو۔ مریم کا پیچھا چھوڑ دو اور یہ ہے مجھے جھوٹا کہنے کا انعام۔'' موردن نے لات چلائی لیکن راشد نے بروقت خود کو ایک طرف ہٹالیا۔ اگلے ہی لمحے وہ دونوں گتھم گتھا ہوگئے اور ڈھلوان پر لڑھکنے لگے پھر دو مضبوط ہاتھوں نے انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ کردیا۔

وہ جان ٹریگو تھا ''دونوں گھرانوں کے بیچ جو ہو چکا' وہ بہت کافی ہے۔'' اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''اب تم لوگ اسے بڑھاؤ نہیں۔''

موردن اب بھی ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ جان نے ڈانٹ کر اسے روک دیا۔

''میں کہتا ہوں' ختم کرو جھگڑا۔'' پھر وہ راشد کی طرف مڑا ''بات کیا ہے؟''

''یہ یہاں جاسوسی کر رہا تھا۔'' موردن نے کہا۔

''میں مریم سے ملنا چاہتا تھا۔'' راشد بولا۔

''اب وہ تم سے نہیں ملے گی۔ وہ سینٹ کلیئر میں ہے۔ ولیم ٹھاکر کے گھر۔'' جان نے کہا۔

''شکریہ۔ بس میں یہی جاننا چاہتا تھا۔'' راشد جانے کے لئے مڑا۔

جان ٹریگو نے اسے پکارا ''راشد ......تم اسے بھول جاؤ۔ اس کی شادی ہو رہی ہے۔''

راشد کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ وہ اس کے لئے بدترین صدمہ تھا ''شادی؟ یہ ناممکن ہے۔ کس سے؟''

''اس ہفتے ولیم ٹھاکر سے اس کی شادی ہو جائے گی۔''

راشد کا منہ کھلا اور کھلے کا کھلا رہ گیا۔ ولیم ٹھاکر تو اس کا دوست تھا۔ اس نے اسے لکھنا پڑھنا ہی نہیں' سوچنا بھی سکھایا تھا۔ یہی نہیں' وہ جانتا تھا کہ وہ مریم سے محبت کرتا ہے پھر وہ خود مریم سے کیسے شادی کرسکتا ہے۔ یہ تو دغا بازی ہے۔

''راشد' اب تم اس سے ملنے کی کوشش نہ کرنا۔'' جان نے کہا ''یہ اس کے لئے اچھا نہیں ہوگا۔ دیکھو' مریم کے لئے یہ بہت اچھا رشتہ ہے۔ اسے ماضی سے پیچھا چھڑا کر نارمل زندگی گزارنے کا موقع مل رہا ہے۔ اگر تمہیں اس کی پروا ہے تو اسے اس سے محروم نہ کرو۔''

راشد نے کچھ نہیں سنا۔ وہ اندھا دھند وہاں سے بھاگا۔ اس کا دماغ گھوم رہا تھا۔ وہ بے مقصد ادھر ادھر گھومتا پھرا۔ دل کو کسی طرح قرار نہیں آ رہا تھا۔ وہ اپنے حواس میں نہیں تھا۔ کیفیت ذرا بہتر ہوئی تو اپنی اور مریم کی خفیہ پناہ گاہ میں چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر اسے طوفانی رات کی یادیں ستانے لگیں۔ یہ سب کیا ہوگیا؟ میں نے تو یہ نہیں چاہا تھا۔

تنگ دراڑ میں اسے کوئی چیز چمکتی نظر آئی۔ وہ اس طرف لپکا۔ وہ ٹین کی صندوقچی تھی۔ راشد نے اسے کھول کر دیکھا۔ اس میں اس کی اور مریم کی محبت کی مکمل کہانی موجود تھی۔ وہ جو کچھ اسے پڑھاتا رہا تھا' وہ سارے کاغذ اس میں موجود تھے اور اس کے مریم کو لکھے ہوئے خطوط بھی جو اس نے ڈریم سے لکھے تھے' پھر اسے وہ کاغذ بھی نظر آیا جس پر اس نے پہلی بار مریم کا نام لکھا تھا اور مریم اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔ میں اسے ہمیشہ سنبھال کر رکھوں گی۔ مریم نے کہا تھا لیکن اب وہ ہمیشہ کیلئے وقت کی پٹی سے مٹ گیا تھا۔

راشد وہاں سے نکل آیا لیکن اپنے گھر کے بجائے وہ سینٹ کلیئر کی طرف چل دیا۔ ولیم ٹھاکر سے ملنا ضروری تھا۔

واعظ کا سنگی کاٹیج چرچ کے عقب میں تھا۔ تمام راستے وہ منصوبے بناتا رہا کہ بات کس طرح کرے گا۔ وہ واعظ کو سمجھائے گا کہ اس کے علاوہ کسی اور سے شادی کرنا' مریم کی بدترین جذباتی غلطی ہوگی۔ وہ اور مریم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں' جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔ اس نے سوچا کہ ٹھاکر کو اس طوفانی رات والی لغزش کے بارے میں بتا دے گا لیکن پھر اسے خیال آیا کہ یہ مناسب نہیں ہوگا۔ اسے شادی روکنے کی آخری کوشش کے لئے بچا رکھا جائے۔

ولیم ٹھاکر کاٹیج سے باہر آیا ''راشد .... بہت خوشی ہوئی کہ تم مجھ سے ملنے آئے۔'' اس نے اپنے سابق شاگرد سے کہا ''کیسے ہو تم؟''

راشد نے اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو نظرانداز کردیا ''میں تم سے مریم کے بارے میں بات کرنے آیا ہوں۔'' اس نے تند لہجے میں کہا۔

''ہاں' میں جانتا ہوں لیکن میں مریم سے شادی کر رہا ہوں''

راشد کو اپنے استاد کے سکون اور اطمینان پر حیرت ہونے لگی ''مریم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے۔'' اس نے کہا۔

''تم نے اچھا کیا کہ آ گئے۔ میں اور مریم نہیں چاہتے کہ ایک ایسا شخص ہمارے درمیان آئے' جسے ہم دونوں ہی پسند کرتے ہیں۔''

''مریم کہاں ہے اس وقت ؟''

''مجھے افسوس ہے۔ یہ میں تمہیں نہیں بتاؤں گا۔''

''میں یہ بات مریم کی زبان سے سننا چاہتا ہوں کہ ہمارے درمیان سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ اس کے بغیر مجھے یقین نہیں آئے گا۔''

''تمہیں مجھ پر یقین کرنا ہوگا راشد۔ مریم مجھ سے شادی کر رہی ہے۔''

اس بار واعظ کی سرد مزاجی پر راشد کو غصہ آ گیا ''وہ تم سے شادی نہیں کر سکتی۔ اچھا' اس سے......'' وہ طوفانی رات کا حوالہ دینا چاہتا تھا لیکن الفاظ جیسے اس کے حلق میں پھنس گئے۔

''میں جو کچھ جاننا چاہتا تھا' مریم مجھے بتا چکی ہے۔ اتوار کو ہماری شادی ہے۔ اب بحث کا کوئی فائدہ نہیں۔'' واعظ چرچ کی طرف بڑھنے لگا ''میں بس تمہارے لئے دعا کر سکتا ہوں راشد۔''

راشد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اب آنسوؤں پر وہ شرمندہ بھی تھا اور برہم بھی۔ ٹھاکر جیت گیا تھا لیکن اسے اس شخص کو جو کبھی اس کا دوست رہ چکا ہے' اپنی ذلت اور توہین کا ثبوت فراہم نہیں کرنا چاہئے۔ اس نے جلدی سے آنسو پونچھ لیے۔

لیکن اس کی ذلت اور توہین کا تماشا مریم نے دیکھا تھا۔ وہ واعظ کے کمرے کی کھڑکی سے سب کچھ دیکھ رہی تھی اور اس لمحے وہ واعظ کی فتح میں اس کی نہیں' راشد کی شکست اور دکھ میں اس کی حلیف تھی لیکن اس کا اظہار ممکن نہیں تھا۔

☆......☆......☆

اس ماہ دو شادیاں ہوئیں۔ سینٹ کلیئر کے چرچ میں مریم اور واعظ ولیم ٹھاکر کی شادی' اور سونا گاؤں میں جینی اور ٹام شاول کی شادی۔ راشد دونوں میں سے ایک میں بھی شریک نہیں ہوا۔ جینی کو اس نے انجن میں اچانک کام نکل آنے کی ناگزیر مصروفیت کا عذر پیش کیا۔ دوسری طرف عذر کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

مریم کا ٹھاکر کے ساتھ وقت گزارنے کا تصور بھی اس کے لئے سوہان روح تھا۔ اس سے بچنے کے لئے اس نے خود کو مصروف کر لیا۔ طارق نے جو اسے لفٹ کا

آئیڈیا دیا تھا' وہ اس پر کام کرنے لگا۔ اس نے اپنی ذہنی اپج سے اسے اور سادہ بنا ڈالا۔ بغیر کسی اضافی خرچ کے اس نے وہ لفٹ بنا ڈالی۔ تھکے ہوئے مزدوروں کو ایک بڑی سہولت میسر آ گئی۔

اب راشد اس پر کان کے مالک سالم کے ردعمل کا منتظر تھا۔ اس کے لئے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ سالم معائنے کے لئے آیا۔ راشد نے انجن اسٹارٹ کیا تو سالم نے ٹام شاول سے کہا ''اب ہماری کان جدید ہوتی جا رہی ہے۔ یہ پمپ کام تو ٹھیک کر رہا ہے نا ؟''

''آپ خود دیکھ لیں جناب ...... میں نے اس پمپ سے دہرا فائدہ اٹھانے کی ترکیب نکالی ہے۔ اب مزدور سیڑھیوں کے بغیر اوپر نیچے آ اور جا سکتے ہیں۔'' راشد نے کہا۔

سالم آگ بگولا ہو گیا ''کیا مطلب ہے تمہارا۔'' اس نے بھڑک کر کہا ''تمہیں میں نے اپنے انجن کی دیکھ بھال کے لئے رکھا ہے' ترکیبیں سوچنے کے لئے نہیں۔''

''اس آئیڈیے کی بنیاد طارق صاحب نے فراہم کی تھی۔ میں نے تو بس اسے سہل اور کم خرچ کیا ہے۔''

''طارق ! انجینئر اور موجد خالد کا بیٹا ؟ وہ یہاں کب آیا ؟''

''وہ یہاں نہیں آئے۔ میں ڈریم میں ان سے ملا تھا۔'' راشد نے کہا اس نے دیکھ لیا تھا کہ طارق کا نام سنتے ہی سالم کا لہجہ بدل گیا تھا۔

''اور اس آئیڈیے پر خرچ کتنا آیا ہے ؟''

''کچھ بھی نہیں۔ ہم نے صرف وہ چیزیں استعمال کی ہیں جو پہلے ہی زیر استعمال تھیں۔''

سالم نے راشد کو بہت غور سے دیکھا ''مجھے نیچے لے چلو۔ میں خود دیکھوں گا۔''

راشد کی بنائی ہوئی وہ سادہ لفٹ چار دیواری سے محروم تھی اور حفاظتی نقطہ نظر سے بہت اچھی بھی نہیں تھی' لیکن انجن کی رفتار کم کرنے سے خطرات نہ ہونے کے برابر رہ جاتے تھے۔ تھکے ہوئے کان کنوں کے لیے کان کی خطرناک سیڑھیوں کے مقابلے میں تو وہ نعمت عظمیٰ ہی تھی۔

سالم اسی لفٹ کے ذریعے اوپر آیا تو خاصا خوش نظر آ رہا تھا ''راشد ......تم نے

بہت اچھا کام کیا ہے لڑکے۔ منصوبہ طارق ہی کا سہی لیکن میں یہ نہیں چاہوں گا کہ یہ لفٹ میرے کان کنوں کو آرام طلب اورتن آسان بنا دے۔ محنت سے ایک بار دل ہٹ جائے تو آدمی محنتی نہیں رہتا۔''

''دیکھیے ......شفٹ ختم ہوتی ہے تو مزدور ویسے ہی نڈھال ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد انہیں سیڑھیوں کی مشقت کر کے اوپر پہنچ کر ہانپتے' سانس لینے کے لئے جدوجہد کرتے دیکھیں تو آپ یہ بات سوچیں گے بھی نہیں کہ سہولت انہیں تن آسان بنا دے گی۔''

''راشد سعید' تمہارا یہ کام مجھے اچھا لگا۔ میں مزدوروں کو یہ لفٹ استعمال کرنے کی اجازت دے دوں گا لیکن مجھے' کان کنوں کے متعلق لیکچر دینے کی ضرورت نہیں۔ میرا مزدور کام کرتا ہے تو اپنی اجرت بھی لیتا ہے۔ اور وہ میرا پابند بھی نہیں۔ جب جی چاہے' کام چھوڑ کر جا سکتا ہے۔''

راشد یہ واضح کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس لفٹ کی سہولت کے بعد ہمارے تجربہ کار مگر بوڑھے کان کن بہت زیادہ گہرائی میں کام کر سکتے ہیں۔ ٹام شاول نے جلدی سے بات سنبھالی ''اس سے پہلے یہ ممکن نہیں تھا کیونکہ اتنا نیچے اترنا اور چڑھنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔''

''میں اس کی بات بخوبی سمجھ رہا ہوں۔'' سالم نے خشک لہجے میں کہا ''مجھے امید ہے کہ میری بات بھی پوری طرح اس کی سمجھ میں آ گئی ہو گی۔''

سالم کے جانے کے بعد ٹام شاول نے کہا ''راشد ...... تمہیں سوچ سمجھ کر بات کرنا بھی سیکھنا ہو گا۔''

''میں نے تو سچی بات کہی تھی۔'' راشد کے لہجے میں احتجاج تھا۔

''سچی بات اس سے کہو جو سننا چاہتا ہو۔ جن دنوں تم ڈریم گئے ہوئے تھے' یہاں واعظ ٹھاکر نے کان کنوں کے مصائب پر بڑا واویلا کیا تھا۔ وہ جہاں بھی جاتا ہے' مسائل سر اٹھانے لگتے ہیں۔ سالم جانتا ہے کہ تم اس کے شاگرد ہو اور یہ بات اسے پریشان کرتی ہے۔ اس کے سامنے ذرا احتیاط ہی رہا کرو۔''

''انہیں میرے اور ولیم ٹھاکر کے تعلقات کی فکر نہیں کرنی چاہئے۔'' راشد نے تلخ لہجے میں کہا ''واعظ میرا دوست ہرگز نہیں ہے۔''

☆......☆......☆

مریم اور جینی کی شادیاں آگے پیچھے ہوئی تھیں لیکن ماں دونوں ایک ساتھ بنیں۔ وہ موسم گرما کی ایک اندھیری رات تھی۔ کسی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ''انہیں اپنے اپنے تاریک راز چھپانے کے لئے روشنی کی نہیں' اندھیرے ہی کی ضرورت تھی۔''

مریم بارہ گھنٹے کی ناقابل بیان اذیت کے بعد بیٹے کی ماں بنی تھی۔ چرچ کے پیچھے واعظ کے کاٹیج میں ضبط کے بعد بھی اس کی ہر چیخ بچے کے باپ کے نام پر ختم ہوتی تھی۔

جینی اذیت سے محفوظ رہی لیکن اس کے ہاں مردہ بیٹا پیدا ہوا تھا۔

لوگوں کو جینی سے ہمدردی تھی' مریم سے نہیں۔ اس پر سب متفق تھے کہ دونوں کی اولاد ان کے شوہروں سے نہیں ہے۔ لوگ راشد کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے تھے لیکن راشد ان نگاہوں سے بے نیاز تھا۔ اس نے کبھی ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اسے لوگوں کی ان باتوں کا علم تھا۔ اسے اس کی پروا بھی نہیں تھی۔

کان کا کام ٹھیک چل رہا تھا۔ راشد کی بنائی ہوئی لفٹ کی شہرت پھیل رہی تھی۔ اس کے نتیجے میں ایک دن کیپٹن ہیرس نے اسے بلوا بھیجا۔

راشد اسی دن چھٹی کے بعد کارڈن چلا گیا۔ کیپٹن ہیرس نے بھی تمہید میں وقت ضائع نہیں کیا ''مجھے اس لفٹ کے متعلق بتاؤ اور یہ بتاؤ کہ اس پر کتنا خرچ آئے گا۔'' اس نے کہا۔

راشد مسکرایا ''خرچا بہت معمولی ہے مگر یہ بتاؤ' تمہیں اپنے کان کنوں کی اتنی فکر کب سے ہو گئی۔'' یہ بات سب جانتے تھے کہ کارڈن بہت بڑی کان' لیکن سب سے زیادہ تباہ حال اس کے ہی کان کن تھے۔

''تم تو یونین کے حامیوں جیسی بات کر رہے ہو۔'' ہیرس نے غصے سے کہا ''میں نے تمہیں یہاں جھگڑنے کے لئے نہیں بلایا۔ خرچا بتاؤ اور یہ بتاؤ کہ کام کب سے شروع کرو گے؟''

''میں تو نہیں کر سکتا۔ تم اپنے بڑھئی سونا گاؤں بھیج دو۔ میں انہیں سمجھا دوں گا کہ کیا کرنا ہے۔''

''بننے کے بعد تم اسے چیک تو کرو گے؟''

''کرلوں گا لیکن تمہارے انجینئروں میں کوئی کمی ہے کیا؟''

''کارڈن میں اس وقت کوئی انجینئر ملازم نہیں ہے۔'' ہیرس نے کہا ''تم چاہو تو آجاؤ۔ تنخواہ وہاں سے ڈیوڑھی ملے گی۔''

''سوری کیپٹن مگر ابھی تو میں اپنی کان میں خوش ہوں۔ تم اپنے کان کنوں کی تنخواہیں ڈیوڑھی کر دو تو تمہارے اچھے انجینئر تم سے ملازمت کی بھیک مانگیں گے۔'' راشد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور شیئر ہولڈرز مجھے کھا جائیں گے۔ نہیں بھئی' تمہارا یہاں نہ آنا ہی ہمارے لئے بہتر ہے۔ یہاں تنخواہوں میں اضافے' کان کنوں کے حقوق اور یونین کی باتیں کرنے والوں کی پہلے ہی کمی نہیں ہے۔''

یونین کے سلسلے میں برسوں سے باتیں ہو رہی تھیں مگر اب وہ زیادہ زور پکڑ گئی تھیں۔ جہاں بھی کان کن اکٹھا ہوتے' اسی موضوع پر گفتگو ہوتی۔ ولیم ٹھاکر کا تو یہ پسندیدہ موضوع گفتگو تھا۔ وہ بہت اچھا مقرر تھا۔ اس کی باتوں میں اثر تھا۔ اسے ذوق وشوق سے سنا جاتا تھا۔ اس کی ایک میٹنگ میں راشد بھی شریک ہوا تھا۔ اس کے بعد اس کے کسی جلسے میں وہ اسی لئے نہیں گیا کہ مریم بھی واعظ کے ساتھ آتی تھی۔ اور تقریر بھی کرتی تھی اور راشد شادی کے اتنے عرصے بعد بھی اس کا سامنا کرنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا تھا۔

وقت نے ٹریگو فیملی کو بدل ڈالا تھا۔ مریم کی شادی کے کچھ عرصے بعد ہی جان ٹریگو ایک دن سعید کے گھر آیا تھا۔ وہ بہرحال موسی سے مختلف آدمی تھا۔ فاطمہ نے اسے بلا کر اندر بٹھایا ''مہمان نوازی اپنی جگہ لیکن جب بھی کسی ٹریگو نے میری چوکھٹ پار کی ہے تو کوئی آفت ہی ساتھ لایا ہے۔'' اس نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

''جو ہونا تھا ہو چکا فاطمہ بہن۔'' جان نے ہچکچاتے ہوئے کہا ''میں اسی سلسلے میں تم سے اور سعید بھائی سے بات کرنے آیا ہوں۔'' اس نے کھنکھار کر گلا صاف کیا ''میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہمیں تم لوگوں سے کوئی گلہ نہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ بھائی کو دانستہ قتل کیا گیا تھا۔ کیٹی کا بھی یہی خیال ہے۔''

سعید نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''میں کیٹی سے شادی کروں گا' اس کا اور بچوں کا خیال رکھوں گا۔'' جان ٹریگو

نے مزید کہا ''میں ان کا طرز زندگی بدلنے کی کوشش کروں گا۔''

''میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں جان۔'' سعید نے کہا۔

''ایک بات اور ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ بچے اچھوت بن کر نہ رہیں۔ خود کو دوسروں جیسا ہی سمجھیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ غار جیسے گھر میں نہ رہیں۔ میں نے کرائے کے ایک مکان کی بات کی ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ کوئی کیٹی اور بچوں پر انگلی نہ اٹھائے۔ کوئی سرگوشی میں یہ نہ کہے کہ یہ ہے موسی' ٹریگو کی فیملی' جیسے یہ کوئی گالی ہو۔''

''تم یہاں معزز آدمی ہو۔ تم اگر اعلان کر دو کہ ہمارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں رہا تو ہماری عزت بحال ہو جائے گی۔''

''یہ کام ہم ضرور کریں گے۔'' فاطمہ نے کہا ''لیکن مورون کے بارے میں کیا خیال ہے۔''

''مورون فوج میں چلا گیا ہے۔'' جان نے کہا ''اسے کان کن کی زندگی پسند نہیں تھی۔ میرے خیال میں اس کا فیصلہ درست ہے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا ''میں آپ لوگوں کا شکر گزار ہوں۔''

☆......☆......☆

اگلا سال آتے آتے تانبے کی کانوں کا منافع کہیں کا کہیں پہنچ گیا لیکن مجموعی طور پر ملکی معیشت کا برا حال تھا۔ مکئی اور گندم کی بھی قلت ہو گئی تھی۔ وجہ کسی کو معلوم نہیں تھی۔ ادھر ٹن کی کانوں پر زوال آیا تو ٹن کے کان کن روزگار کے لئے تانبے کی کانوں کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ کارڈن نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بے روزگار کان کن اتنے برے حال میں تھے کہ انہیں کم اجرت بھی نعمت لگتی تھی۔ کارڈن کے کیپٹن ہیرس نے انہیں کم اجرت پر رکھا اور اپنے کان کنوں کی اجرت بھی کم کر دی۔ اس کے نتیجے میں کان کنوں میں بے چینی پیدا ہوئی اور غم وغصہ فروغ پانے لگا۔ ولیم ٹھاکر نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے کہا کہ اگر یونین موجود ہوتی تو یہ سب کچھ بھی نہ ہوتا۔

اس روز راشد انجن ہاؤس میں کام کر رہا تھا کہ دروازے کی طرف سے آواز آئی ''مجھے خوشی ہے راشد کہ جو کچھ تم نے ڈریم میں سیکھا تھا' اسے بھلایا نہیں۔''

راشد نے چونک کر دیکھا اور حیران رہ گیا۔ وہ ریاض حسین تھا پھر ریاض کے

عقب سے سارہ نمودار ہوئی اور اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی ’’آپ ...... آپ یہاں کیسے؟‘‘ راشد نے ریاض حسین سے پوچھا مگر وہ دیکھ سارہ کو رہا تھا۔ سارہ کچھ لمبی ہوگئی تھی اور بے حد حسین لگ رہی تھی۔

ریاض حسین مسکرائے ’’ایک کام سے نکلا تھا۔ سوچا‘ ساتھ ہی بچوں کو تفریح بھی کرا دی جائے۔ بتول اور ماریہ کو میں تمہارے گھر چھوڑ کر آیا ہوں۔‘‘

اس دوران میں راشد جلدی جلدی اپنے گریس میں لتھڑے ہوئے ہاتھوں کو پونچھ رہا تھا۔

’’پتا ہے‘ میں یہاں تک بہادر پر بیٹھ کر آئی ہوں۔‘‘ سارہ نے سنسنی آمیز لہجے میں کہا ’’میرا یہ لباس کیسا لگ رہا ہے؟‘‘

’’بہت خوب صورت ہے مگر انجن ہاؤس کے لئے مناسب نہیں ہے۔‘‘

’’یہی میں نے بھی کہا تھا۔‘‘ ریاض حسین بولے ’’سنو راشد‘ مجھے تمہارے بابا سے اور ٹام شاول سے ملنا ہے۔ کہاں ملیں گے وہ۔ نہیں‘ تمہیں چلنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے راستہ دکھا دو۔ تم بس سارہ کو گھر لے جاؤ۔ فکر نہ کرو۔ میں نے سالم سے اجازت لے لی ہے۔‘‘

راشد نے اپنا ایک آدمی ریاض حسین کے ساتھ کر دیا پھر وہ سارہ کو لے کر گھر کی طرف چل دیا ’’تم خوش نہیں ہوئے مجھے دیکھ کر۔‘‘ سارہ نے اسے چھیڑا۔

’’اپنی تعریف سننا چاہتی ہو۔‘‘ راشد نے شوخ لہجے میں کہا ’’تو سچ یہ ہے کہ تم پہلے سے بہت زیادہ حسین لگ رہی ہو۔‘‘

سارہ نے اسے اتنا بے باک کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے غور سے اسے دیکھا۔ یہ راشد بہت زیادہ پُراعتماد تھا ’’تم بدل گئے ہو۔‘‘ اس نے آہستہ سے کہا۔

’’بہتری کے ساتھ یا اس کے برعکس؟‘‘ راشد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

’’کچھ کہہ نہیں سکتی۔ شاید تمہارے لئے یہ تبدیلی بہتر ہے۔ میرے لیے......‘‘ وہ کہتے کہتے رک گئی پھر وہ مسکرائی ’’جلدی چلو۔ ماریہ تم سے ملنے کے لئے تڑپ رہی ہے۔ کہیں وہ خود ہی تم سے ملنے کے لئے نہ نکل کھڑی ہو۔‘‘

وہ کاٹیج پہنچے۔ ماریہ راشد کو دیکھتے ہی اس سے لپٹ گئی۔ بتول نے تبصرہ کیا کہ اس کی صحت بہتر ہوگئی ہے۔ سارہ اور راشد کو ایک ساتھ کھڑے اس نے بڑی خاص

نظروں سے دیکھا تھا‘ جیسے کہہ رہی ہو..... کتنی پیاری جوڑی ہے۔

کچھ دیر بعد سارہ نے تجویز پیش کی کہ گھڑ سواری کی جائے۔ بہادر کے علاوہ وہ ٹٹو کو بھی ساتھ لائے تھے‘ جس پر بیٹھ کر راشد نے گھڑ سواری سیکھی تھی۔ وہ دونوں باہر نکل آئے۔ سارہ بہادر پر سوار تھی اور راشد ٹٹو پر۔ ’’پرانے دن یاد آ گئے۔‘‘ راستے میں سارہ نے مسکراتے ہوئے کہا ’’راشد .... میں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ میں نے تم کو کتنا مس کیا ہے۔ یہ بتاؤ‘ تم نے یہاں آ کر گھڑ سواری بھی کی؟‘‘

راشد نے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔ کیا یہ لڑکی کان کنوں کی زندگی کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی۔ اس نے حیرت سے سوچا ’’اب میں ملازمت کرتا ہوں سارہ۔‘‘ بالآخر اس نے کہا ’’اول تو اتنی فرصت ہی نہیں ملتی اور فرصت ہو بھی تو میرے پاس گھوڑا کہاں ہے۔‘‘

’’میرا خیال ہے‘ سالم انکل تمہیں اپنے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا بخوشی دے دیں گے۔‘‘

’’میں نہیں سمجھتا کہ یہ ممکن ہے۔ میرا ان کا تعلق بس اتنا ہے کہ میں ان کے لئے کام کرتا ہوں اور وہ مجھے اس کا معاوضہ دیتے ہیں۔‘‘

’’میرا اب بھی یہی خیال ہے مگر اتنے خوب صورت دن کو اس بحث میں ضائع کیوں کریں۔ چلو ریس لگاتے ہیں۔‘‘

انہوں نے ہدف مقرر کر کے ایک میل کی ریس لگائی۔ سارہ تقریباً سو گز کے فاصلے سے جیت گئی ’’مجھے لگتا ہے کہ میں گھڑ سواری بھول گیا ہوں۔‘‘ راشد نے ہنستے ہوئے کہا ’’اور تم پریکٹس میں ہو۔‘‘

وہ اترا اور سارہ کو گھوڑے سے اترنے میں مدد دینے لگا۔ سارہ نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے اور کود کر نیچے اتر آئی مگر اترنے کے بعد اس نے اس کے کندھوں سے ہاتھ نہیں اٹھائے۔ راشد نے غور سے اسے دیکھا‘ اور اسی لمحے وہ اس کی بانہوں میں سما گئی ’’میں تمہیں بہت مس کرتی رہی ہوں۔‘‘ اس نے راشد کے سینے پر سر رکھتے ہوئے کہا۔

’’سچ کہہ رہی ہو؟‘‘

’’تم جانتے ہو کہ یہ سچ ہے۔‘‘ سارہ نے کہا۔ وہ چند لمحے زمین پر نظریں گاڑے

رہی۔ پھر اچانک بولی ''اور وہ لڑکی مریم ...... تم اب بھی اس سے ملتے ہو؟''
''نہیں۔ اس کی شادی ہوگئی...... ولیم ٹھاکر سے۔''
سارہ خوش ہوگئی ''ولیم ٹھاکر! سالم انکل پاپا کو اس کے بارے میں بتا ر
تھے۔ وہ تو کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔ مسائل کھڑے کرتا رہتا ہے۔''
''سالم صاحب تو ہر اس شخص کو برا ہی سمجھیں گے جو مزدوروں کی یونین کی با
کرے گا۔''
''تم کہیں اس واعظ کے ہم نوا تو نہیں؟''
''بالکل نہیں۔ میں نے یہاں کان کنوں کو دیکھا ہے۔ تم ان کی طرح نہ
لگتے۔ وہ تو گندے اور بھدے ہوتے ہیں ...... بدصورت!''
راشد اس سے بحث کرنا چاہتا تھا لیکن پھر اسے خیال آیا کہ اسے کان کنوں
پتا سنا کر کیوں اس کا دن تباہ کرے۔ وہ اتنی خوش لگ رہی تھی اور اتنی پیاری۔ اس
اسے گھوڑے پر بیٹھنے میں مدد دی اور خود ٹٹو پر سوار ہوگیا ''کسی دن میں تمہیں کان میں
چلوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔'' اس نے کہا ''پھر تم خود دیکھ لینا کہ اس طرح کام کرکے ا
صاف ستھرا کیسے رہ سکتا ہے۔''
وہ ذرا سا چلے کہ انہیں ایک جھاڑی سے لومڑی نکلتی نظر آئی۔ راشد نے ٹٹو
ایڑھ لگائی اور لومڑی کے پیچھے لگا دیا۔ سارہ نے ذرا دیر میں اسٹارٹ لیا لیکن بہادر
جلدی ٹٹو کو پیچھے چھوڑ دیا۔ لومڑی ایک تنگ راستے میں چلی گئی' جہاں گھوڑوں کا گ
ناممکن تھا۔ سارہ کو اس ایڈونچر میں بہت لطف آیا۔
کاٹیج پہنچ کر سارہ نے اس ایڈونچر کا احوال بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ ماریہ
بڑی شان سے کہا ''میں ہوتی تو اسے پکڑ لیتی۔ میں اب آپی سے اچھی گھڑ سوار ہوں
وہ راشد سے مخاطب ہوئی ''گھر ہوتا تو میں آپ کو مظاہرہ کر کے دکھاتی۔''
''کاش میں دیکھ سکتا۔'' راشد نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''ضرور دیکھو گے۔'' ریاض حسین بولے ''یہاں مجھے بزنس مل گیا ہے۔ سـ
چاہتا ہے کہ ہم ایک انجن دھات باہر نکالنے کے لئے بھی لگا دیں۔ اب تمہیں وہ انج
بنوانے کے لئے دوبارہ ڈریم آنا ہوگا۔ سالم فیصلہ کر چکا ہے۔''
فاطمہ نے اس جملے پر سارہ کا ردعمل بہت غور سے دیکھا۔ وہ خوش بھی ہوئی ا

اداس بھی۔ خوش اس لئے کہ بات خوشی کی تھی اور اداس اس لئے کہ جانتی تھی' یہ لڑکی اس
کے بیٹے کو اس سے چھین لے گی!

☆......☆......☆

اگلے مہینے راشد پھر ڈریم گیا۔ وہاں انصاف فاؤنڈری میں کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔
لیکن پچھلی بار کے مقابلے میں اس بار وہاں زندگی اس کے لئے یکسر مختلف تھی۔ اب وہ
ورکس مینجر کے گھر میں مہمان کی حیثیت سے رہ رہا تھا۔ انصاف فاؤنڈری کے ڈیزائنرز
سے وہ انجن پر تبادلہ خیال کرتا۔ اگرچہ وہ ان سے جونیئر تھا لیکن وہ اس کی بات کو اہمیت
دیتے تھے۔
اور اس بار اس کا پورا وقت فاؤنڈری کے لئے بھی نہیں تھا۔ وہ اور سارہ اچھا
خاصا وقت ساتھ گزارتے تھے۔ وہ گھوڑوں پر بیٹھ کر پہاڑی کی طرف جاتے' جس کے
دوسری طرف ڈھلوانوں پر دھان کے کھیت نظر آتے اور پہاڑی کے دامن کو دریا چوم رہا
ہوتا۔ ایک شام راشد دونوں بہنوں کے ساتھ ایک میوزیکل شو دیکھنے بھی گیا۔ راشد کے
لیے وہ ایک نئی دنیا تھی۔
''اچھا لگا نا؟'' سارہ نے سرگوشی میں پوچھا۔
راشد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ گنگ بیٹھا تھا۔ بس ہر گیت کے خاتمے پر وہ
دیوانہ وار تالیاں بجاتا تھا۔ وہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اس طرح کا کوئی شو دیکھا تھا۔ اس
کا تو تصور بھی اس کے پاس نہیں تھا۔
شو دیکھ کر ہال سے نکلتے ہی چمنیوں اور دھوئیں کی دنیا پھر اس کی منتظر تھی ''کیا
بات ہے راشد؟ تم بہت ناخوش لگ رہے ہو؟'' سارہ نے اس سے پوچھا۔
''مجھے یہ شو بہت اچھا لگا۔ اداس اس لئے ہوں کہ شاید اب کبھی ایسا شو دیکھنے کا
موقع نہیں ملے گا۔'' راشد نے سادگی سے کہا۔
''کیوں نہیں۔ یہاں تو سال میں کم از کم چار ایسے شو ہوتے ہیں۔'' سارہ بولی۔
''مگر میں یہاں تو نہیں رہتا۔ میں یہاں ملازم بھی نہیں ہوں۔''
''تو یہ بھی ہوسکتا ہے۔'' سارہ نے معنی خیز لہجے میں کہا۔
''ہاں بھائی' یہیں کام کرو اور یہیں رہو۔'' ماریہ بھی خوش ہوگئی ''اور نہیں تو سوچو'
ہمیں اتنی دور جانا پڑے گا تم سے اور آپی سے ملنے کے لئے۔''

''ماریہ۔'' سارہ نے اسے ٹوکا۔

ماریہ چپ ہوگئی اور التجائیہ نظروں سے راشد کو دیکھنے لگی۔ راشد ہنس دیا۔ اس
ماریہ نے سکون کا سانس لیا لیکن سارہ محجوب ہوگئی۔ راشد کے دل میں سارہ سے شادی
خیال دھندلا سا پہلے ہی سے موجود تھا۔ وہ اس سے محبت تو نہیں کرتا تھا۔ کم از کم ا
شدت کے ساتھ نہیں' جس شدت سے وہ مریم کو چاہتا تھا اور اس کی طلب رکھتا تھا لیک
سارہ اسے بہت اچھی لگی تھی اور اب وہ تنہائی بھی محسوس کرتا تھا۔

بعد میں راشد نے اکثر سوچا کہ اگر ماریہ کے لفظوں نے اسے سہارا نہ دیا ہ
تو شاید وہ کبھی یہ فیصلہ نہ کر پاتا۔ اسے حوصلہ ہی نہ ہوتا مگر ماریہ کی بات سے اسے انداز
ہوگیا کہ دونوں بہنوں میں اس موضوع پر بات ہوتی رہی ہے۔

اس نے ماریہ سے کہا۔ ''گڑیا .... تم گھر جاؤ۔ میں سارہ کے سات
دریا تک جاؤں گا۔''

''مما نے کہا تھا کہ مجھے آپ دونوں کے ساتھ رہنا ہے۔ ورنہ لوگ بات
بنائیں گے۔''

''بے وقوف' یہ بات انہوں نے صرف میوزک شو کے لئے کہی تھی۔ تم گھر جاؤ
ہم آتے ہیں۔'' سارہ نے کہا۔

ماریہ اب بھی ہچکچا رہی تھی ''تم جاؤ گڑیا۔ میں تمہاری مما کو سمجھا دوں گا۔'' را
نے اسے دلاسا دیا۔

ماریہ چلی گئی۔ راشد اور سارہ دریا کی طرف چل دیئے۔ وہ ہاتھ میں ہاتھ ڈا
چل رہے تھے لیکن راشد سارہ سے نظریں چرا رہا تھا ''سارہ .... تم اور میں
بالکل مختلف ماحول سے تعلق رکھتے ہیں۔'' اس نے بات شروع کی ''اس سے پہلے کہ
دل کی بات کہوں' کچھ چیزیں واضح ہونی چاہئیں۔''

''تم جانتے ہو' پاپا بھی کان کن رہے ہیں۔ انہیں فخر ہے اس بات پر۔ اکثر
اس کا اظہار کرتے ہیں۔''

''یہ درست ہے لیکن تم اس ماحول میں پلی بڑھی ہو۔''

''اور تم ہمیشہ کان کنوں کی بات کرتے ہو۔ جبکہ تم ہو انجینئر۔''

''یہ سچ ہے۔ میں انجینئر ہوں مگر کان کنوں کے درمیان رہتا ہوں۔ سارہ' و

تمہیں نہ بڑا گھر ملے گا' نہ گھوڑے اور نہ یہ میوزک شوز۔''

''میوزک شو کوئی ضروری چیز نہیں اور گھوڑا میں رکھ سکتی ہوں۔ چارا تو وہاں
موجود ہے۔ وہ ہمیں مہنگا نہیں پڑے گا۔''

''اور بھی بہت کچھ ہے۔ میں کان میں بہت وقت گزارتا ہوں۔ تم گھر پر اکیلی
بور ہو جاؤ گی۔ کوئی بات کرنے والا بھی نہیں ہوگا پھر تم ناخوش ہو جاؤ گی۔''

اب وہ دریا پر پہنچ چکے تھے۔ سارہ نے سر اٹھا کر چاند کو دیکھا ''یا تو تم مجھے اتنے
جانتے نہیں ہو' جتنا میرا خیال تھا یا پھر تم کسی چیز کی وجہ سے فرار چاہتے ہو۔ مجھے افسوس
ہے کہ ماریہ کی بات نے تمہیں وہ بات کرنے پر مجبور کر دیا' جو تم کرنا نہیں چاہتے تھے۔''
اچانک اس کی آواز ٹوٹنے لگی ''آؤ اب گھر چلیں۔''

''نہیں۔'' راشد کا دل اتنے زور سے دھڑک رہا تھا کہ لگتا تھا' وہ آواز سارہ تک
بھی پہنچ رہی ہوگی ''مجھے کچھ کہنا ہے سارہ۔ میں ...... میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''تم سچ کہہ رہے ہو؟ سچ کہہ رہے ہو نا؟''

''ہاں سارہ۔ میں سنجیدہ ہوں۔'' راشد نے کہا ''مجھ سے شادی کرو گی؟''

سارہ تو خوشی سے پاگل ہوگئی ''کروں گی راشد۔ ہاں - ہاں۔ ہاں۔ ضرور کروں
گی۔'' وہ اس سے لپٹ گئی۔ آنسوؤں نے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے رخساروں کو بھگو دیا۔
''میں تو سمجھی تھی کہ تم مجھ سے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر چکے ہو۔ میں خود کو بہادر اور حقیقت
پسند ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اندر سے بہت دکھی ہوگئی تھی۔ راشد ...... تم سوچ
نہیں سکتے کہ میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ میں بہت اچھی بیوی بن کر دکھاؤں گی۔
کھانا پکاؤں گی' کپڑے سیوں گی' گھر کی دیکھ بھال کروں گی ...... اور اپنے بہادر کو بھی
چھوڑ دوں گی۔''

''اس کی ضرورت نہیں۔ ہم کچھ نہ کچھ کر لیں گے اس کے لئے۔ میں یہ نہیں سننا
چاہتا کہ مجھ سے شادی تمہیں تمہارے مقام سے نیچے لے آئی ہے۔''

سارہ بہتے ہوئے آنسوؤں کے درمیان مسکرائی ''راشد ...... میرے راشد۔ تم
کتنے عجیب ہو۔''

وہ دونوں گھر پہنچے تو پوری فیملی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ سب نے انہیں متوقع
نظروں سے دیکھا۔ سارہ صوفے پر ماں کے پاس جا بیٹھی۔ اس کی جھکی ہوئی نظریں اپنے

گود میں رکھے ہاتھوں پر جمی ہوئی تھیں۔

"بیٹھ جاؤ راشد۔" ریاض حسین نے اپنے سامنے والی آرام کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"پلیز۔ ابھی مجھے کھڑا رہنے دیں۔ مجھے آپ سے کچھ کہنا۔ کچھ مانگنا ہے۔"

بتول بیگم فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں اور دونوں بیٹیوں کو کمرے سے لے گئیں۔ ماریہ احتجاج کرتی رہی لیکن اسے جانا پڑا۔

راشد بدستور کھڑا ہوا تھا "یار .... تماشا مت بنو۔ بیٹھ جاؤ۔" ریاض حسین نے شفقت آمیز بے تکلفی سے کہا "میں جانتا ہوں کہ تم کیا کہو گے۔ وہ تمہاری طرف سے میں کہہ دیتا ہوں۔ تم سارہ سے شادی کرنا چاہتے ہو نا۔ اب بیٹھ کر سکون سے بات کرو۔"

راشد کے دل سے جیسے آدھا بوجھ ہٹ گیا۔ وہ آرام کرسی پر ٹک گیا "تم نے سارہ سے تو بات کرلی ہے نا؟" ریاض حسین نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اب یہ بتاؤ، شادی کے بعد کہاں رہو گے؟"

"یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں ہے۔"

"تم غلط نہ سمجھنا۔ یہ حقیقت ہے کہ سارہ جن آسائشات کی عادی ہے، فی الحال تم اسے وہ سب نہیں دے سکتے۔"

"میں جانتا ہوں اور یہ میں نے سارہ سے بھی کہہ دیا ہے۔"

"میں نے سونا گاؤں میں ایک کھنڈر دیکھا تھا۔ پہاڑی سے کوئی دو سو گز پر۔ اس کے اردگرد صاف ستھری زمین ہے۔ خاصی بڑی۔ تم سمجھ رہے ہو نا؟"

"جی ہاں۔ وہ اجاڑ فارم ہاؤس کہلاتا ہے۔ میں نے اسے کبھی آباد نہیں دیکھا۔ وہ سالم صاحب کی ملکیت ہے۔"

"یہ اور بھی اچھی بات ہے۔ میں وہ فارم خرید لوں گا۔ تمہیں اور سارہ کو شادی کے تحفے میں دینے کے لئے۔ تم اپنے کان کنوں سے اسے نئے سرے سے تعمیر کرا سکتے ہو۔ مکمل فرنیچر بھی میں تمہیں دوں گا۔ تھوڑی سی محنت کے نتیجے میں اس کی صورت نکل آئے گی۔ ٹھیک ٹھاک گھر بن جائے گا وہ۔"

"لیکن یہ مجھے اچھا نہیں ......" راشد نے احتجاج کی کوشش کی۔

"وہ جگہ مہنگی نہیں ہے۔" ریاض حسین نے اس کی بات کاٹ دی "اس کا فائدہ یہ ہے کہ سارہ اپنا گھوڑا بھی رکھ سکے گی اور مجھے تم کو تمہارا پہلا ذاتی گھر دینے کی خوشی بھی بہت ہوگی۔" وہ مسکرائے "بس تو یہ طے ہوگیا۔ چلو، سب کو بلا کر لاؤ۔ آج کھانا باہر کھائیں گے۔ دعوت اڑائیں گے۔"

☆......☆......☆

راشد نے سونا گاؤں جا کر یہ خبر گھر والوں کو سنائی۔ فاطمہ اور سعید دونوں بہت خوش ہوئے "وہ لڑکی بہت اچھی بیوی ثابت ہوگی، دیکھ لینا۔" فاطمہ نے کہا "میں بیٹی کی حیثیت سے اس کا خیر مقدم کروں گی۔"

سالم بھی خوش تھا۔ متروکہ جائیداد کی اسے معقول قیمت مل رہی تھی۔ اس نے مکان کی تعمیر کے لئے میٹریل فراہم کرنے کا وعدہ کرلیا۔

اس ویک اینڈ پر راشد نے سعید کے ساتھ جا کر خود اجاڑ فارم ہاؤس کا جائزہ لیا۔ زمین اس کی توقع سے بہت زیادہ تھی۔ اردگرد کافی زمین چھوڑنے کے باوجود اصل عمارت میں نیچے چار اور اوپر پانچ بڑے کمرے نکل سکتے تھے۔

"کام بہت بڑا ہے۔" سعید نے جائزہ لینے کے بعد کہا "ایک بات بتا دوں۔ یہ عمارت کھنڈر سہی لیکن دیواریں بہت مضبوط ہیں۔"

"مگر میرا تو ابھی ڈریم میں ہفتوں کا کام باقی ہے۔ میں تو کام کی نگرانی نہیں کرسکتا۔" راشد نے بے دلی سے کہا "یہ وقت پر تیار ہو ہی نہیں سکتا!"

"تم فکر نہ کرو۔ چھت پہلے ڈلوائیں گے۔ یوں یہ رہنے کے قابل ہو جائے گا پھر تھوڑا تھوڑا کام ہوتا رہے گا۔"

لیکن سعید نے جو کہا تھا، اس سے زیادہ کر دکھایا۔ راشد نیا انجن لے کر سونا گاؤں آیا تو پہاڑی پر بنے اس خوب صورت مکان کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ کان کنوں نے اندر کے پلاسٹر کے سوا ہر کام مکمل کر دیا تھا۔ ایک مہینے کے اندر مکان کو مکمل کرا کے راشد شادی بھی کرسکتا تھا۔

☆......☆......☆

انہی دنوں راشد کارڈن کے ایک سنگین معاملے میں ملوث ہوگیا!

کیپٹن ہیرس نے کم اجرت پر ٹن کے بے روزگار کان کنوں کو اپنے ہاں کام دینے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ یہی نہیں' اس نے اپنے ماہر اور تجربہ کار کان کنوں کی اجرتیں بھی بہت کم کر دی تھیں۔ وہ انہیں ٹن کے کان کنوں کے برابر لانا چاہتا تھا' جو تانبے کی کانوں کے معاملے میں تقریباً اناڑی ہی تھے۔ پرانے کان کن غصہ پیتے رہے لیکن کب تک۔ آخر ان کے غصے کو پھٹ پڑنا تھا۔ انہوں نے اوزار رکھ دیئے اور کیپٹن ہیرس کے دفتر کے باہر ہجوم کی صورت میں نعرے بازی کرنے لگے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ اجرت میں تازہ ترین کٹوتی واپس لی جائے۔

ولیم ٹھاکر کو پتا چلا تو وہ اس طرف لپکا۔ یہ اس کے لئے ایک اور جلسہ برپا کرنے کا سنہری موقع تھا۔ ایک اونچی چٹان پر کھڑے ہوکر اس نے کان کنوں سے ہمدردی کا اظہار کیا اور ان کے اقدام کو سراہا ''ڈٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔ تمہارا یہ حوصلہ دوسری کانوں کے مزدوروں کے لئے بھی مشعل راہ ثابت ہوگا۔'' اس نے گرج کر کہا ''یاد رکھو' تم اپنی روزی کے لئے اور اپنے بچوں کے مستقبل کے لئے لڑ رہے ہو۔''

''یہ بات ٹن والوں کو بھی سمجھاؤ'' کوئی کان کن چلایا۔

''یوں ٹن والوں اور تانبے والوں میں تقسیم ہوکر تم کچھ بھی نہیں پا سکو گے۔'' واعظ ٹھاکر نے کہا ''یہ ٹھیک ہے کہ کسی کو باہر سے آکر کم اجرت پر کام کر کے تمہیں روزگار سے محروم کرنے کا حق نہیں لیکن تم بھی کان کن ہو اور وہ بھی۔ جس دن تم نے یہ بات سمجھ لی اور متحد ہو گئے' اس دن فتح تمہاری ہوگی۔''

کان کنوں کی تالیوں سے گردوپیش گونج اٹھا مگر اسی وقت علی نے ایک سوال اٹھایا۔ یہ وہی علی تھا' جس نے برسوں پہلے منڈی میں گندم کی نیلامی رکوا دی تھی ''تمہاری باتیں بہت اچھی ہیں واعظ۔'' اس نے چیخ کر کہا ''لیکن یہ یونین کی بات آنے والی کل کی بات ہو سکتی ہے' آج کی نہیں۔ ہمارا مسئلہ آج کا ہے۔ بتاؤ' آج کیا کریں ہم؟''

''جو جی چاہے کرو۔'' ٹن کے ایک کان کن نے چیخ کر کہا ''لیکن ہمیں مسئلہ نہ بناؤ' ہماری شفٹ شروع ہونے والی ہے۔ ہمیں کام پر جانا ہے۔''

''آج رات کوئی کام نہیں ہوگا۔'' ایک تانبے والا چلایا ''ورنہ ہم ٹن والوں کے سر پھاڑ دیں گے۔''

''پلیز لڑو مت۔'' ولیم ٹھاکر نے اپیل کی ''اتحاد کا مظاہرہ کرنے کا یہ بہترین

موقع ہے۔ تم لوگ اپنی شفٹ چھوڑ دو۔''

''یہ تو انہیں کرنا ہوگا۔'' ایک پرانا کان کن بولا ''ہم انہیں اندر جانے ہی نہیں دیں گے۔''

ٹن والے بے چینی اور اعتماد سے محرومی کا شکار ہونے لگے۔ واعظ نے اس سے فائدہ اٹھایا ''میں تم لوگوں سے التجا کرتا ہوں۔ اپنے گھر واپس چلے جاؤ۔ میں کیپٹن ہیرس سے بات کرتا ہوں۔''

نائٹ شفٹ والوں کے درمیان مختصر سے مذاکرات ہوئے پھر اثبات میں سر ہلنے لگے ''ٹھیک ہے۔'' ان کے نمائندے نے نیم دلی سے کہا ''لیکن ہم کل کام پر ضرور آئیں گے۔''

اپنے دفتر سے کیپٹن ہیرس نے نائٹ شفٹ والوں کو واپس جاتے دیکھا اور غصے سے کھولنے لگے۔ ولیم ٹھاکر مذاکرات کے لئے آیا تو اس نے اپنے دفتر کا دروازہ مقفل کر دیا اور بات کرنے سے انکار کر دیا ''کیپٹن' مجھے اندر آنے دو۔ اس معاملے کو گفت وشنید کے ذریعے سلجھایا جاسکتا ہے۔'' ٹھاکر نے اسے پکارا۔

''گفت وشنید کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔'' کیپٹن نے اندر سے جواب دیا۔

ٹھاکر نے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن کیپٹن ہیرس کچھ سننے پر آمادہ ہی نہیں تھا۔ ٹھاکر نے کان کنوں سے کہا ''اس وقت وہ غصے میں ہے۔ اسے ٹھنڈا ہونے کی مہلت دو۔ اگر تم صبح کی شفٹ والوں کو بھی روکنے میں کامیاب ہوگئے تو کیپٹن معاملے کی سنگینی ضرور بھانپ لے گا۔''

''ولیم ٹھاکر' یہ باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔'' علی نے غصے سے کہا ''ہم ہڑتال نہیں' کام کرنا چاہتے ہیں لیکن پرانی اجرت پر۔ اگر تمہیں ہمارا مفاد عزیز ہے تو تمام کان کنوں سے کہہ دو کہ ہماری پرانی اجرت بحال ہونے تک کام پر نہ آئیں۔ انہوں نے یہ بات نہیں مانی تو بڑے خراب نتائج نکلیں گے۔''

''یہ کیپٹن ہیرس کو تمہارا جواب ہے؟ اس طرح تم اسے ملیشیا والوں کو بلانے کا موقع دو گے۔''

''نہیں واعظ۔ میں کیپٹن کو قائل کرنے کے لئے ایک معقول آدمی کو بلا رہا ہوں۔'' علی نے کہا پھر وہ کان کنوں کی طرف مڑا ''تم یہیں ٹھہرو۔ میں راشد سعید کو بلا کر

لاتا ہوں۔"

ٹھاکر کو راشد کا نام سن کر حیرت ہوئی۔ تاہم اس نے پرخیال انداز میں تائید میں سرہلایا "ٹھیک کہتے ہو۔ یہ ممکن ہے کہ راشد کیپٹن ہیرس کو منالے لیکن ایک جوان آدمی کے لئے یہ بہت بڑی ذمے داری ہے۔"

اپنے گھر واپس جاتے ہوئے ولیم ٹھاکر خود کو شکست خوردہ محسوس کر رہا تھا۔ کان کنوں کا اتحاد اس کے لئے ایک ذاتی جنگ تھا۔ اس کے باوجود معاملات اس کے ہاتھ سے نکل کر ایک اور شخص کے ہاتھ میں چلے گئے تھے۔ یہ بہت بڑی شکست تھی کہ کان کنوں کے مسئلے کے حل کے لئے کسی اور کو بلایا جارہا تھا۔

راشد اپنے گھر میں بیٹھا تھا۔ علی اس سے ملنے آیا تو اسے حیرت ہوئی۔ اس نے علی کا نام ضرور سنا تھا لیکن وہ کبھی ملے نہیں تھے "ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" علی نے کہا۔

"مدد؟ کوئی انجنیئرنگ کا مسئلہ ہے؟" راشد نے پوچھا۔

"نہیں۔ کارڈن میں اس وقت صورت حال بہت سنگین ہے۔" علی نے اسے تفصیل بتائی۔

فاطمہ بھی یہ سب سن رہی تھی "بدمعاش کہیں کا۔" اس نے کیپٹن ہیرس کی کارروائیاں سننے کے بعد کہا۔

☆......☆......☆

سعید نے فاطمہ کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور راشد نے کہا "ڈیوٹی کے بعد میں آزاد ہوتا ہوں۔" وہ علی کی طرف مڑا "یہ بتاؤ کہ ولیم ٹھاکر جیسا آدمی ناکام ہوگیا تو میں کیا کرسکتا ہوں؟"

"واعظ بس باتیں کرسکتا ہے۔ جبکہ کیپٹن ہیرس تمہاری عزت کرتا ہے۔ تم خود کان کن کے بیٹے ہو اور تم قابل بھی ہو۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر راشد نے کہا "اچھا...... میں چلتا ہوں۔"

وہ کارڈن پہنچے تو رات گہری ہوچکی تھی لیکن بیشتر کارکن وہاں موجود تھے۔ انہوں نے الاؤ دہکا لیے تھے اور اس کے گرد بیٹھے تھے۔ ان کے چہروں پر فکرمندی تھی۔ ان کے پیچھے پمپنگ انجن چل رہا تھا۔ راشد انجینئر تھا۔ اس نے محسوس کرلیا کہ انجن کی نارمل آواز

کے پیچھے ایک اور ہلکی آواز بھی ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ بڑے پسٹن کی پیکنگ جواب دے رہی ہے۔

"میں کیپٹن سے بات کرنے اکیلا جاؤں گا۔" راشد نے علی سے کہا پھر وہ کیپٹن کے آفس کی طرف چل دیا۔ اس نے بند دروازے پر زور دار دستک دی "کیپٹن ...... میں راشد ہوں۔ تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"اگر تم اس واعظ کی طرف سے آئے ہو تو اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔" بند دروازے کے پیچھے سے کیپٹن نے جواب دیا۔

"ولیم ٹھاکر خود اپنی طرف سے بات کرسکتا ہے۔" راشد نے کہا "مجھے تمہارے کان کنوں نے بھیجا ہے اور میرے لئے تم بھی محترم ہو اور کان کن بھی۔ اس لئے میں چلا آیا۔"

اندر خاموشی تھی۔ راشد مایوس ہوکر پلٹنے لگا مگر اسی وقت دروازے میں چابی لگنے کی آواز سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔ راشد اندر گیا اور کیپٹن کے سامنے بیٹھ گیا۔

"میں تم سے بات کرنے کے لئے تیار ہوں۔" کیپٹن ہیرس نے ہٹیلے پن سے کہا "لیکن باہر بیٹھے بدمعاشوں کا یہ ٹولا مجھ پر حکم نہیں چلا سکتا۔"

"کیپٹن، یہ ٹولا وہ ہے، جس نے کارڈن کو علاقے کی سب سے بڑی کان بنایا ہے۔ یہ اسے تباہ بھی کرسکتے ہیں۔"

"مطلب کیا ہے تمہارا۔ تم سمجھتے ہو، یہ مشینوں اور آلات کو نقصان پہنچائیں گے۔ ایسا ہوا تو یہ بھگتیں گے بھی۔"

"وہ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔ تمہارے پسٹن کی پیکنگ جواب دے رہی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر وہ ٹوٹ جائے گا اور انجینئر تمہارے پاس ہے نہیں۔"

"ایسے چھوٹے موٹے کام انجن مین بھی کرسکتا ہے۔" کیپٹن نے بے پروائی سے کہا۔

"تم نے انجن مینوں کی اجرت بھی گھٹا دی ہے۔ وہ انجن چلاتے رہتے ہیں لیکن میں نہیں سمجھتا کہ وہ اس کی مرمت میں دلچسپی لیں گے۔"

کیپٹن ہیرس پریشان نظر آنے لگا۔ اگر پمپ ۴۸ گھنٹے بیکار رہ گیا تو کان کا نچلا

لیول پانی سے بھر جائے گا اور بہت عرصے تک وہاں کام نہیں ہو سکے گا۔ یہ بہت سنگین تھا
''اچھا۔'' اس نے گہری سانس لے کر کہا ''انجن مینوں کو بتا دو کہ ان کی پرانی اجرت برقرار ہے۔''

''سوری کیپٹن۔ اب انجن مین کان کنوں کا ساتھ دے رہے ہیں اور تمہیں دوسری ملازمت بھی آسانی سے نہیں ملے گی۔''

''مجھے کون نکالے گا؟ مجھے تو تنخواہ ہی اس کی دی جاتی ہے جو میں کر رہا ہوں۔''

''تمہارے خیال میں تمہارا کام کیا ہے کیپٹن؟''

''وہی جو ہر کیپٹن کا ہوتا ہے۔ کان سے زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کر کے زیادہ سے زیادہ منافع دینا۔''

''پچھلے سال کے مقابلے میں تمہارا منافع کتنا بڑھا ہے؟''

''ذرا بھی نہیں لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ افرادی قوت کا بڑا حصہ نئے لیول کی کھدائی پر صرف ہوا ہے۔''

''یہ کام تو ہمارے ہاں بھی ہوا ہے لیکن ہمارا منافع ۵۰ فی صد بڑھا ہے۔'' راشد نے اسے بتایا۔

''تم اپنی چھوٹی سی کان کا کارڈن سے مقابلہ مت کرو۔''

''سینٹ کلیئر والی کان کا منافع بھی بڑھا ہے۔''

''اسے میں ان کی خوش قسمتی کہوں گا۔'' کیپٹن نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

''نہیں کیپٹن۔ اس وقت ملک بھر میں تانبے کی کانیں ٹاپ پر جا رہی ہیں۔ سال ختم ہونے پر تمہارے مالک منافع دیکھیں گے تو تم سے پوچھ گچھ ضرور کریں گے۔''

''میں کیا کروں۔'' کیپٹن پریشان ہو گیا'' منافع کی شرح ٹھیک رکھنے کے لئے ہی تو میں اجرت کم کرنے پر مجبور ہوا ہوں۔''

تو یہ ہے اصل بات۔ راشد نے سوچا۔

''ہمارے کان کن سست اور حرام خور ہیں۔ اگر انہیں ان کی کارکردگی کے مطابق اجرت دوں تو ان کے گھروں میں فاقے ہونے لگیں گے۔'' کیپٹن کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

''تم غلطی پر ہو۔'' راشد نے کہا اور اٹھ کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا ''اصل میں تمہارا طریقہ کار پٹ گیا ہے۔ اجرت کم دو گے تو مزدور کام بھی دو نمبر کرے گا۔ تمہارے

پاس اچھے کان کن بھی موجود ہیں۔ انہیں معقول اجرت دو پھر جو وہ کام کریں گے تو ایک معیار قائم ہو گا۔''

راشد کو توقع تھی کہ کیپٹن بحث کرے گا لیکن وہ خاموش بیٹھا تھا۔ راشد کا حوصلہ بڑھا ''دیکھو ہیرس' سال ختم ہونے میں ابھی چند ماہ ہیں۔ اپنے کان کنوں کی حوصلہ افزائی کرو۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارا منافع بڑھے گا اور مالک مطمئن رہیں گے۔''

کیپٹن کے چہرے پر بے یقینی تھی۔ راشد نے سب سے بڑا داؤ کھیلنے کا فیصلہ کر لیا ''مجھے جو کہنا تھا' میں کہہ چکا۔ اب چلتا ہوں۔''

''ٹھہرو۔'' کیپٹن نے تڑپ کر اسے پکارا' اگر میں تمہاری بات مان لوں تو مزدور اسے اپنی فتح اور میری شکست تو نہیں سمجھیں گے؟ ایسا ہوا تو میری عزت دو کوڑی کی ہو جائے گی۔''

''اگر تم انہیں بتاؤ گے کہ اجرت منافع کم ہونے کی وجہ سے کم کرنی پڑی تو ایسا نہیں ہو گا۔ انہیں کہہ دو کہ وہ پیداوار بڑھائیں تو ان کی اجرت برقرار رہے گی بلکہ منافع بڑھنے پر اجرت بڑھائی بھی جا سکتی ہے۔ پھر تم دیکھنا' وہ تمہارے خلاف نہیں' تمہارے لئے کام کریں گے۔'' راشد نے کہا پھر پوچھا ''تمہارے شفٹ کیپٹن کون ہیں۔''

کیپٹن نظریں چرانے لگا ''وہ سب کام چھوڑ کر جا چکے ہیں۔''

''علی کو جانتے ہو؟''

''ہاں۔ وہی نا' جو باہر کھڑا ہے۔ جوش سے بھرا۔''

''وہ بہت اچھا کان کن ہے۔ اسے سینئر شفٹ کیپٹن بنا دو۔ اسے سب کچھ بتا دو۔ آگے وہ سنبھال لے گا۔''

کیپٹن کوئی ایک منٹ سوچتا رہا پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا ''ٹھیک ہے۔ اسے میرے پاس بھیج دو۔''

☆......☆......☆

شادی کے دن قریب آ رہے تھے۔ راشد کا زیادہ وقت پہاڑی والے مکان کی نذر ہو رہا تھا۔ ابھی چھوٹے موٹے بہت سے کام باقی تھے۔ کبھی وہ رات کو دیر سے وہاں جاتا اور کھڑکی میں بیٹھ کر باہر دیکھتا رہتا۔ وہاں سے دور تک دیکھا جاسکتا تھا اور وہاں بہت پرسکون تنہائی ہوتی تھی۔ وہ اکثر سوچتا کہ سارہ کے ساتھ یہاں رہنا کیسا لگے گا۔ کبھی کبھی اسے مستقبل کے بارے میں شکوک و شبہات ستانے لگتے تھے۔

اوائل مارچ کی اس شام وہ ایک بیڈروم میں پینٹ کر رہا تھا۔ کہ دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ اس میں حیرت کی بات نہیں تھی۔ فاطمہ اکثر وہاں آتی رہتی تھی لیکن پھر اسے ایک نامانوس آواز سنائی دی۔ جیسے بچے کی قلقاری۔ سیڑھیاں چرچرائیں۔ اور چند لمحے بعد جو صورت اسے نظر آئی' وہ حیران کر گئی۔ وہ مریم تھی۔

راشد کے ہاتھ سے برش چھوٹ گیا۔ وہ حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔ مریم کی گود میں بچہ تھا ''تت .... تم .... تم یہاں کیسے؟'' راشد نے بمشکل کہا۔

''سوری۔ وہ' میں ماں سے ملنے آئی تھی۔ تمہارے مکان کے متعلق بہت سنا تھا۔ دیکھنے کو بہت جی چاہ رہا تھا۔ سو چلی آئی۔ میرا خیال تھا' تم یہاں نہیں ہوگے۔'' مریم کے لہجے میں بھی گھبراہٹ تھی۔ بچے نے پھر قلقاری ماری۔ مریم جانے کے لئے نکلی۔

''مت جاؤ مریم۔'' راشد نے پکارا ''میرا مطلب ہے' مکان تو دیکھ لو۔''

''نہیں راشد۔ تمہارے یہاں ہوتے ہوئے یہ مناسب نہیں۔''

''تو میں چلا جاتا ہوں۔''

''ارے نہیں۔'' وہ ہنس دی۔ وہی کھنکھناتی ہنسی ''یہ تمہارا گھر ہے۔'' اتنا کہہ کر اس نے اسے غور سے دیکھا ''تم بہت اچھے لگ رہے ہو۔''

راشد ہونق بن گیا۔ ہونٹ سل گئے۔

مریم کچن کی طرف بڑھ گئی۔ راشد اس کے پیچھے تھا۔ مریم نے لوہے کے چولھے کو انگلی سے چھوا' بہت اچھا چولھا ہے۔ سارہ تمہارے لئے مزے مزے کے کھانے

پکائے گی۔'' مریم نے کہا ''میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ ایک نہ ایک دن تم سارہ سے شادی ضرور کرو گے۔''

''عجیب بات ہے۔ وہ ہمیشہ سوچتی تھی کہ میں تم سے شادی کر کے رہوں گا۔''

مریم کے چہرے پر اذیت کا سایہ سا لہرایا ''راشد' اب یہ باتیں نہ چھیڑو پلیز۔'' وہ بولی' مجھے یہاں آنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ آئی ایم سوری۔''

بچے نے راشد کی اونی ٹوپی تھام لی تھی۔ ٹوپی نیچے گر گئی۔ راشد نے ٹوپی اٹھائی۔ بچے نے ہاتھ بڑھایا۔ راشد نے ٹوپی اس کی طرف بڑھا دی ''کیا نام رکھا ہے اس کا؟''

''ڈینی۔'' مریم نے بتایا ''لیکن میں اسے دانیال کہتی ہوں۔''

ننھے ڈینی نے اب راشد کی انگلی اپنے منہ میں لے لی تھی اور اسے چوس رہا تھا

''ہیلو ڈینی۔'' راشد نے بچے کو چمکارتے ہوئے کہا۔

دانیال کہو نا۔'' مریم نے عجیب سے لہجے میں کہا پھر بولی ''اپنی انگلی ہٹاؤ۔ ایسے مت کرو۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

راشد نے تیزی سے بڑھ کر دروازہ گھیر لیا ''تم کیوں نہیں چاہتیں کہ میں اس سے کھیلوں۔ بتاؤ مجھے۔''

''راشد پلیز .... مجھ سے یہ سب نہ کہلواؤ۔'' دیکھتے ہی دیکھتے مریم کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ وہ لڑکھڑائی اور نیچے بیٹھ گئی ''خدایا ...... میں یہاں آئی ہی کیوں؟''

راشد اس کی طرف بڑھا۔ اسے روتے دیکھ کر اسے اپنا وجود کتنا محسوس ہو رہا تھا

''یہ میں نے کیا کیا۔''

مریم کا جسم اب بری طرح لرز رہا تھا۔ بچہ خوف زدہ ہو کر رونے لگا۔ راشد' مریم کے پاس بیٹھ گیا ''لاؤ' اسے مجھے دے دو۔'' اس نے بچے کو مریم سے لیا اور فرش پر کپڑے کے اس ڈھیر کے پاس بٹھا دیا' جو فرنیچر کے ساتھ آیا تھا۔ فرنیچر کو خراش پڑنے سے بچانے کے لئے اس میں لپیٹا گیا تھا' پھر اس نے مریم کی طرف رومال بڑھایا۔

''ولیم کا سلوک میرے ساتھ...... ہمارے ساتھ بہت اچھا ہے راشد۔'' مریم نے کہا۔ ''وہ مہربان آدمی ہے۔ وہ اب بھی تمہارے متعلق باتیں کرتا ہے۔ وہ تمہیں اپنے

جلسوں میں مدعو کرنا چاہتا ہے لیکن میں مخالفت کرتی ہوں۔ میں تمہارا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔'' اس نے نظریں اٹھائیں۔ راشد کو لگا، وہ آئینہ دیکھ رہا تھا۔ ان کی آنکھوں میں وہی جذبے تھے جو اس کی آنکھوں میں تھے۔ پھر پتا نہیں کیسے اگلے ہی لمحے وہ اسے بانہوں میں تھامے ہوئے تھا۔

پھر دونوں کو ساتھ ہی جھٹکا لگا۔ وہ علیحدہ ہو گئے۔ ''سوری مریم۔'' راشد نے کہا۔

''تم اکیلے قصوروار نہیں۔ میں بھی برابر کی حصے دار ہوں۔'' مریم نے کہا اور بڑھ کر ڈینی کو گود میں اٹھا لیا۔ اس نے راشد کو محبت بھری نظروں سے دیکھا۔ ''میں اکثر خود سے پوچھتی تھی کہ میں تم سے ملوں گی تو کیا ہوگا۔ آج مجھے اس سوال کا جواب مل گیا ہے۔''

''ابھی مت جاؤ مریم۔ کچھ دیر تو رکو۔''

''نہیں راشد۔ اب میں شادی شدہ ہوں اور تمہیں بھی اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنا ہے۔''

''کیسا مستقبل؟ مریم اب یہ جاننے کے بعد تو میں شادی بھی نہیں کر سکتا کہ تم میرے لیے اب بھی اہمیت رکھتی ہو اور تم بھی......''

''میری فکر مت کرو۔'' مریم نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''تم سارہ سے شادی ضرور کرنا اور اپنے اس پیارے سے گھر میں خوش رہنا۔ بس مجھے خوشی یہ ہے کہ تم نے دانیال کو دیکھ لیا۔ مجھے اس بات کی بڑی فکر تھی۔''

''تم پہلے بھی ایک بار میری زندگی سے نکل گئی تھیں، اب دوبارہ اس طرح نہیں نکل سکتیں۔''

وہ مسکرائی۔ ''تم جانتے ہو، اسی میں سب کی بہتری ہے۔ بس تم خوش رہو۔ میں دعا کروں گی تمہارے لیے۔'' وہ دروازے سے نکل گئی۔

☆......☆......☆

راشد کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ اس میں خالد اور طارق جیسے بڑے اور معزز لوگ شریک ہوئے۔ ولیمہ بھی بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ ڈریم سے آئے ہوئے انجینئروں نے راشد سے اس کی لفٹ کے بارے میں سوالات کیے جسے اس نے اور بہتر

بنا دیا تھا۔ سارہ شادی کے بعد اپنے نئے گھر میں آئی تو وہ پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ کان کنوں کی بیویوں نے بڑی محبت اور لگن سے اسے ان کے لیے سجایا تھا۔

اس رات راشد دیر تک جاگتا اور مستقبل کے بارے میں سوچتا رہا۔ سارہ سو چکی تھی۔ راشد کو اندازہ ہو گیا تھا کہ مریم کی محبت جتنی پر جوش اور ہیجانی تھی، سارہ کی محبت اتنی ہی پرسکون اور ٹھہراؤ سے پر ہے۔ سارہ اس کے لیے ہمیشہ بیوی رہے گی، محبوبہ کبھی نہ بن سکے گی۔ اللہ نے اسے بنایا ہی بیوی بننے کے لیے تھا۔

آنے والے وقت نے ثابت کر دیا کہ سارہ میں بس حیوانی جذبات، جوش اور ہیجان کی کمی ہے۔ باقی ہر اعتبار سے وہ بہت اچھی بیوی تھی۔ وہ کھانا بہت اچھا پکاتی تھی۔ گھر کا خیال رکھنا اسے خوب آتا تھا اور وہ راشد سے محبت بھی بہت کرتی تھی۔

''تمہیں بہت اچھی بیوی ملی ہے بیٹے۔'' ایک شام سعید نے راشد سے کہا۔ ''تمہیں بھی اس کا خیال رکھنا ہوگا۔''

''جی بابا۔''

''شادی کے بعد مریم سے بھی ملے ہو؟''

''جی نہیں بابا۔'' راشد نے سچائی سے کہا۔

''وہ اپنے شوہر کو انگلیوں پر نچا رہی ہے۔ تم خوش قسمت ہو کہ تم سے اس کا تعلق ٹوٹ گیا۔''

''یہ تو بتائیں کہ وہ واعظ کو اپنی انگلیوں پر کیسے نچا رہی ہے؟'' راشد نے معترضانہ انداز میں پوچھا۔

''وہ کان کنوں کے مجمع میں تقریر کرتی ہے۔ کان کنوں کو یونین کے فوائد بتاتی ہے۔ یہ کوئی بیویوں کے کام ہیں۔ سب سمجھ گئے ہیں کہ واعظ کو بیوی رکھنا نہیں آتا۔''

راشد کو ہنسی آ گئی۔ ''میرے خیال میں تو واعظ بہت خوش ہے۔ اسے ایسی ہی بیوی کی ضرورت تھی۔ وہ مردوں ہی میں نہیں، عورتوں میں بھی کوالٹی دیکھنے کا قائل ہے۔''

''تب تو وہ میرے اندازے سے بڑھ کر بے وقوف ہے۔''

☆......☆......☆

''کس سوچ میں گم ہو؟''

وہ جاتے ہوئے موسم گرما کی رات تھی۔ کھلی ہوئی کھڑکیوں سے چاندنی بیڈ روم

میں اتر آئی تھی۔ راشد نے سارہ کی طرف کروٹ بدلی۔ ''نیند نہیں آرہی ہے۔''

وہ اس کے قریب ہوگئی۔ ''تمہیں کوئی بات پریشان کررہی ہے۔ وہ جو شخص آج آیا تھا، اس کی کوئی بات ہے؟''

''علی؟ نہیں صرف یہ نہیں۔ جبل الاسد کے کان کن ان دنوں پریشان ہیں۔ علی چاہتا ہے کہ میں کل ان کی میٹنگ میں شریک ہوں۔''

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''تم جاؤ گے تو نہیں؟''

''میں نے وعدہ کرلیا ہے۔''

''سالم انکل اسے پسند نہیں کریں گے۔''

''سارہ، اس سے سالم صاحب کا کوئی تعلق نہیں۔''

''اور جبل الاسد سے تمہارا تعلق ہے؟''

وہ ان کا پہلا بڑا جھگڑا تھا۔ دونوں منہ پھیر کر لیٹ گئے۔ لیٹے رہے، پھر گھٹی گھٹی سسکی کی آواز نے راشد کو چونکا دیا۔ وہ اس کی طرف مڑا۔ ''پلیز سارہ...... روؤ مت۔''

''راشد...... میں بہت پریشان ہوں۔''

راشد نے اسے لپٹا لیا اور تھپتھپانے لگا۔

''سوری راشد، یہ میری حماقت تھی۔'' راشد جواب میں کچھ کہنے والا تھا کہ سارہ نے اسے روک دیا۔ ''تم جانتے ہو کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے۔ مجھے اعتراض کا حق نہیں۔'' وہ بولی۔

''تمہیں حق ہے سارہ۔ تم میری بیوی ہو۔ میری خواہش ہے کہ تم ان معاملات میں دلچسپی لو تاکہ سمجھ سکو کہ کیا ٹھیک ہے اور کیا غلط۔''

''میں جاننا چاہتی ہوں اور نہ سمجھنا چاہتی ہوں۔ جو تم کررہے ہو، میں اسے درست تسلیم کرتی ہوں۔ بس مجھ سے ناراض نہ ہونا۔''

☆......☆......☆

جبل الاسد کے کان کنوں کو شکایت کان کے اسٹور کی وجہ سے تھی۔ وہ اسٹور انہیں تباہ کیے دے رہا تھا۔ یہ وہ واحد جگہ تھی جہاں سے انہیں ادھار مل رہا تھا۔ اوزاروں سے لے کر فرنیچر تک وہاں ہر چیز ملتی تھی مگر قیمتیں ہر جگہ سے زیادہ تھیں اور کان کن اس

کے باوجود وہاں سے خریداری پر مجبور تھے۔

ہوا یہ تھا کہ ٹھیک ٹھاک چلتے چلتے اسٹور کے مالک لالچی ہوگئے تھے۔ انہوں نے قیمتیں بڑھا دی تھیں۔

راشد اور علی میٹنگ میں پہنچے تو وہاں چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کی شکل میں ڈیڑھ دو سو کان کن جمع تھے۔ راشد اور علی کان کی مٹی کے اس ڈھیر کی طرف بڑھے جسے پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کیا جارہا تھا۔ راشد نے ادھر ادھر دیکھا اور علی سے پوچھا ''علی...... میٹنگ کس نے بلائی ہے؟''

''حارث نے مگر وہ نظر نہیں آرہا ہے۔''

''اگر وہی موجود نہیں پھر رکنے کا فائدہ؟''

''چند منٹ کا موقع دو اسے۔'' علی نے کہا۔ ''کوئی بات ضرور ہوگی ورنہ وہ غیر ذمہ دار آدمی نہیں ہے۔''

اچانک تمتماتے ہوئے چہرے والا ایک شخص پسینے میں نہایا ہوا ان کے پاس سے گزر کر مٹی کے ڈھیر پر پہنچا اور مجمع کی طرف مڑا۔ ''خاموش ہو جاؤ اور میری بات سنو۔ حارث نہیں آسکے گا کیونکہ اسے گرفتار کرلیا گیا ہے۔''

مجمع سناٹے میں آگیا۔

''اکیلا حارث نہیں، اس کے ساتھ چار آدمی اور بھی گرفتار ہوئے ہیں۔''

مجمع سے غضبناک آوازیں ابھریں ''کیوں؟ کیا جرم کیا ہے انہوں نے؟''

''وجہ میں بتاتا ہوں۔ کان کے مالکوں کا خیال تھا کہ ان کی گرفتاری سے یہ میٹنگ ناکام ہو جائے گی۔ ان پر بلوے کا الزام ہے اور وہ تھانے میں ہیں۔''

مجمع میں ہلچل مچی۔ ایک اور شخص مٹی کے ڈھیر پر چڑھ گیا۔ ''اب ہم انہیں بلوے کا مطلب سمجھائیں گے۔'' اس نے چیخ کر کہا۔ ''ہم جائیں گے اور اپنے ساتھیوں کو آزاد کرائیں گے۔''

پہلے آدمی نے اپیل کی۔ ''پلیز...... نظم و ضبط برقرار رکھو۔ ہم نے ولیم ٹھاکر کو بلوایا ہے۔ وہ مناسب مشورہ دے گا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔''

''یہ ہم پہلے ہی جانتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔'' دوسرا آدمی چلایا۔

راشد تیزی سے جگہ بناتا ہوا آگے بڑھا اور مٹی کے ڈھیر پر چڑھ گیا۔ ''میری

بات سنو۔ تھانے پر دھاوا بولو گے تو تمہارے ساتھی دنیا کی کسی عدالت سے بری نہیں ہو سکیں گے۔''

اس پر کچھ لوگ چلائے۔ کچھ نے پھبتیاں کسیں مگر اس شور میں کسی نے چیخ کر کہا ''یہ راشد سعید ہے۔ تمہارا ہمدرد۔ اسے بات کرنے دو، غور سے سنو۔''

اب سب لوگ راشد کی طرف متوجہ تھے۔ ''تشدد سے بری کوئی چیز دنیا میں نہیں۔'' اس نے بلند آواز میں کہا۔ ''اپنا مقصد حاصل کرنے کے اور بہت سے طریقے موجود ہیں مگر فیصلہ تمہیں کرنا ہوگا کہ تم کیا چاہتے ہو اور اس کے بعد سب ایک ہو کر مظاہرہ کرو۔ یکجہتی بہت ضروری ہے۔''

''اس سے اچھی نصیحت میں نے کسی میٹنگ میں نہیں سنی راشد، تم ٹھیک کہتے ہو۔'' وہ ولیم ٹھاکر کی آواز تھی۔ وہ خاموشی سے آیا تھا۔ راشد گھبرا گیا۔ اسے دیکھ کر نہیں، اس کے ساتھ مریم کو دیکھ کر۔

مریم کے چہرے پر، اسے دیکھ کر ایک لمحے کو حیرت کا تاثر ابھرا مگر فوراً ہی معدوم ہو گیا اور اس کی جگہ دبی دبی مسکراہٹ نے لے لی۔ یہ وہ لڑکی تھی جس کے حسن میں جنگل کی سی دلکشی اور سریت تھی۔ ہر شخص اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

ولیم ٹھاکر پلیٹ فارم پر پہنچ گیا۔ مریم اس کے پیچھے تھی۔ ''تم نے راشد کی بات سنی۔'' ٹھاکر نے چیخ کر کہا۔ ''میں اس کے ایک ایک لفظ سے متفق ہوں لیکن کسی شخص کے ذہن میں کوئی اور آئیڈیا ہے تو سامنے آئے۔ تم......'' اس نے آگے کھڑے ہوئے ایک شخص کو مخاطب کیا۔ ''مجھے لگتا ہے تم کچھ کہنا چاہتے ہو۔''

جس شخص کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''میں کہتا ہوں کہ ہم زبردستی اپنے ساتھیوں کو چھڑا لائیں۔''

ولیم ٹھاکر اپنے مخصوص انداز میں مڑا۔ ''یہ شخص کہتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ دو سو کان کنوں کا یہ ہجوم جلوس کی شکل میں جائے اور تھانے پر حملہ کر کے اپنے ساتھیوں کو آزاد کرا لے۔ اگر ایسا کیا گیا تو تمہارے خیال میں کیا ہوگا مریم؟''

مریم نے مجمع کو دیکھا۔ ''یہ سب صحت مند لوگ ہیں۔ ہاتھا پائی میں ان میں سے ہر شخص ڈٹ کر لڑ سکتا ہے۔'' اس نے کہا، لوگ حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے، الجھن میں تھے کہ وہ اپنے شوہر سے اختلاف کر رہی ہے۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد مریم بولی

''یہ سب بہادر لوگ ہیں۔ جو پاتال کی سی گہرائی میں جا کر اپنے لیے رزق کماتا ہے، وہ یقیناً بہادر ہوتا ہے لیکن تم بہادروں کے لیے مٹھی بھر گولیاں کافی ہوں گی۔ کوئی لاشیں سمیٹنے والا بھی نہیں بچے گا۔'' وہ پھر رکی۔ ''تھانے والوں نے ملیشیا سے مدد طلب کر لی ہے۔ مجسٹریٹ کو معلوم تھا کہ حارث اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری پر ردعمل ضرور ہوگا۔ اس نے تمام حفاظتی انتظامات کر لیے ہیں۔''

''تو پھر ہم کیا کریں؟'' ایک کان کن نے پوچھا۔

ولیم ٹھاکر کو اسی موقع کا انتظار تھا۔ ''یہ فیصلہ تو تمہیں ہی کرنا ہے۔'' اس نے کہا ''مگر پہلے یہ بتاؤ۔ کتنے کان کن ایسے ہیں جو یہاں موجود نہیں ہیں؟''

''زیادہ سے زیادہ پچاس ہوں گے۔'' کسی نے کہا۔

''میں چاہتا ہوں، اس کان میں کام روک دیا جائے اور وہ پچاس کان کن بھی تمہارے ساتھ شامل ہوں۔'' ٹھاکر نے کہا۔

اس پر مجمع میں بڑبڑاہٹیں ابھریں۔ کسی نے چلا کر کہا۔ ''راشد سعید، تمہاری کیا رائے ہے؟''

راشد پیچھے جا کھڑا ہوا تھا، یہ سن کر وہ آگے بڑھا۔ وہ مریم سے نظریں چرا رہا تھا۔ ''میرے خیال میں ولیم ٹھاکر کی تجویز مناسب ہے۔ سب کو اپنے ساتھ ملا لو اور کان کے کیپٹن کو بتا دو کہ تم انجن مینوں کو صرف ایک ہفتہ اور کام کرنے دو گے۔ اس وقت تک اسٹور پر قیمتیں کم کر دی جائیں اور اس کے ساتھیوں کو رہا کرا دیا جائے ورنہ انجن روک دیئے جائیں گے اور کان پانی سے بھر جائے گی۔''

اس پر تالیاں بجنے لگیں۔ اسی لمحے علی راستہ بناتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے پلیٹ فارم پر آ کر کہا ''میں بھی تم لوگوں سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ہم بھی کارڈن مین ایسی ہی مشکلات سے دوچار ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ایسے مواقع پر مدد کی کیا اہمیت ہوتی ہے۔ گزشتہ رات ہم نے بھی میٹنگ کی تھی۔ ہم نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا ہے کہ تم میں سے ہر ایک کو کام نہ کرنے کے دوران میں ہر ہفتے چاندی کے بیس سکے بطور امداد دیئے جائیں گے۔''

اس بار تالیوں نے گویا آسمان سر پر اٹھا لیا۔

''یہی نہیں۔ سینٹ کلیئر کے کارکنوں نے بھی دس سکوں کی پیشکش کی ہے۔'' علی

نے مزید کہا۔

''ہم جیت گئے۔ ہم کامیاب ہو گئے۔'' ولیم ٹھاکر خوشی سے ناچنے لگا۔ ''یونین اور کیا ہوتی ہے۔ یونین تو بن گئی۔ کان کن اتحاد زندہ باد۔ مزدور اتحاد زندہ باد۔''

کان کن بھی خوش تھے۔ بھوک سے مرنے کا خوف مٹ گیا تھا۔ انہوں نے جان لیا تھا کہ اب وہ جیت سکتے ہیں۔ انہوں نے راشد کو بھی لپٹا لیا اور ٹھاکر کو بھی۔

ٹھاکر نے راشد سے کہا۔ ''آؤ...... ہمارے ساتھ چلو۔ گھر پر اس فتح کا جشن منائیں گے۔''

راشد ہچکچا رہا تھا۔ مریم نے بھی دبے دبے لہجے میں کہا ''چلو نا راشد۔''

''کیوں نہیں چلے گا۔'' ٹھاکر نے بے حد یقین سے کہا۔ ''یہ اتنے عرصے سے دوستوں کے حلقے سے غائب ہے۔ آج تو اسے چلنا ہی ہے۔''

گھر پہنچ کر ٹھاکر گھوڑوں کو علیحدہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ مریم راشد کو اندر لے گئی۔ اس نے لیمپ جلا کر روشنی کی۔ چند لمحے سنگین خاموشی رہی، پھر مریم نے کہا ''مجھے تمہارے یہاں آنے کی بہت خوشی ہے راشد۔ ولیم تمہیں بہت مس کرتا تھا۔'' پھر اس نے جلدی سے اضافہ کیا۔ ''ہم دونوں ہی تمہیں بہت مس کرتے تھے۔''

''ان حالات میں ہماری دوستی بہت مشکل ہے۔'' راشد نے کہا۔

''نہیں راشد، کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جو ولیم نہیں جانتا۔ اس کے لیے نہ جاننا ہی بہتر ہے۔'' مریم کا لہجہ معنی خیز تھا۔ اس کا اشارہ یقیناً ڈینی کی طرف تھا۔ ''مگر مجھے یقین ہے کہ وہ باتیں ولیم کو معلوم ہوتیں، تب بھی وہ ہمیں معاف کر دیتا۔ پادری ہونے کی حیثیت سے وہ انسانی کمزوریوں کو دوسروں سے زیادہ سمجھتا ہے۔''

''اور ڈینی؟''

مریم نے گہری سانس لی۔ ''دانیال ولیم کی فیملی کا حصہ ہے۔ وہ اس سے بہت محبت کرتا ہے۔'' وہ اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔ ''راشد...... آج میں بہت خوش ہوئی۔ میں رنجیدہ نہیں ہونا چاہتی۔''

اسی لمحے ٹھاکر دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے راشد سے بات کرتی ہوئی مریم کے چہرے کے تاثرات کو بہت غور سے دیکھا لیکن کہا کچھ نہیں۔ وہ الماری کی طرف گیا، وائن کی بوتل اور تین گلاس لیے اور ان کی طرف چلا آیا۔ اس نے جام بھرے،

راشد اور مریم کی طرف بڑھائے اور اپنا جام اٹھاتے ہوئے بولا ''مزدور اتحاد کے نام...... مزدور فنڈ کے نام۔''

''میں ایک اور جام تجویز کرتا ہوں۔'' راشد نے گھمبیر لہجے میں کہا۔ ''ان لوگوں کی متوقع آزادی کے نام جنہیں آج گرفتار کیا گیا ہے۔''

☆......☆......☆

اسی رات نامعلوم افراد نے جبل الاسد کے اسٹور کو پھونک دیا۔ اسٹور سے اٹھنے والے شعلے دور دور تک دیکھے گئے۔ اس واقعے نے ان پانچوں کی تقدیر پر مہر لگا دی جنہیں گرفتار کیا جا چکا تھا۔ اس سے پہلے امکان تھا کہ انہیں معمولی الزامات کے تحت عدالت میں پیش کیا جائے گا مگر اس واقعے کے بعد ان کی عدالت میں پیشی ملتوی کر دی گئی۔ اب ان پر سازش اور املاک کو تباہ کرنے کے سنگین الزامات عاید کر دیئے گئے۔ ہر شخص نے جان لیا کہ اب ان کی برات کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

اس واقعے کے چند روز بعد سالم نے راشد کو بلا بھیجا۔ راشد اس کمرے میں داخل ہوا تو سالم جیسے پھٹ پڑا۔ ''راشد...... یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ تم ان مجرموں کے ساتھ ملوث ہو جنہوں نے جبل الاسد کے اسٹور کو جلا کر خاک کر دیا؟''

''مجھے اس آتش زنی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔'' راشد نے سالم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''مجھے ایک بے حد معتبر آدمی نے بتایا ہے کہ آتش زنی سے پہلے ہونے والی میٹنگ میں تم بھی شریک تھے۔''

''تو پھر اس معتبر آدمی نے آپ کو یہ بھی بتایا ہوگا کہ میں نے اس میٹنگ میں کان کنوں کو خبردار کیا تھا کہ وہ قانون کے خلاف نہ چلیں۔''

''تمہیں اعتراف ہے کہ تم اس میٹنگ میں شریک تھے؟''

''میں اس سے انکار کیوں کروں گا سالم صاحب۔ میری رائے یہ ہے کہ جبل الاسد کے کان کنوں کی شکایات جائز تھیں۔''

سالم نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا ''بڑے حوصلے کی بات ہے کہ تم میرے سامنے کھڑے ہو کر کہہ رہے ہو کہ جن لوگوں نے املاک تباہ کیں، تم ان کے حامی ہو۔ میں تمہیں ابھی، اسی وقت نوکری سے نکالنے کے موڈ میں ہوں۔ میں کان کنوں کو تشدد

پراکسانے والے کسی شخص کو اپنے قریب نہیں دیکھنا چاہتا۔''

''میں نے نہ کبھی تشدد کی حوصلہ افزائی کی ہے، نہ املاک تباہ کرنے کی۔'' راشد نے ڈرے بغیر کہا۔ ''مجھے کان کنوں سے ہمدردی ہے۔ اس لیے کہ ان کی شکایات جائز تھیں۔ اگر جبل الاسد کے اسٹور کی کچھ چیزوں کے نرخ میں آپ کو بتاؤں تو شاید آپ سمجھ سکیں گے۔'' پھر اس نے غذائی اجناس کی قیمتیں بتائیں جو عام دکانوں کے مقابلے میں دگنی تھیں۔ پھر اس نے موم بتیوں اور کان کنوں کے اوزاروں کی قیمتیں بتائیں۔ وہ عام دکانوں کے مقابلے میں چار گنا تھیں۔

سالم ہل کر رہ گیا لیکن وہ کان کن نہیں تھا، کان کا مالک تھا۔ اس نے کہا۔ ''مان لیا کہ کان کنوں کو لوٹا جا رہا تھا مگر تمہارا اس سے کیا واسطہ؟ تم انجینئر ہو، کان کن نہیں۔''

راشد نے گہری سانس لی۔ جو کچھ وہ کہنے جا رہا تھا، وہ مدتوں سے اس کے لاشعور میں تھا لیکن اسے شعور تک پہنچنے کا پہلے کبھی موقع نہیں ملا تھا۔ ''سالم صاحب اب میں انجینئر ہوں اور اس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں لیکن اس سے پہلے میں کان کن کا بیٹا تھا۔ مجھے وہ شامیں نہیں بھولتیں جب میں کان پر پہنچ جاتا تھا۔ بابا کے اوپر آنے کا انتظار کرتا تھا اور جب بابا اوپر آتے تو میں انہیں نظر بھی نہیں آتا تھا۔ وہ باہر آتے ہی پیٹ کے بل زمین پر گر جاتے۔ ان کی سانسیں اتنی پرشور ہوتیں کہ مجھے ڈر لگتا کہ ان کے پھیپھڑے دھماکے سے پھٹ جائیں گے۔ دنیا کا کوئی بیٹا اپنے باپ کو حشرات الارض کی طرح ایک سوراخ سے رینگ کر نکلتے نہیں دیکھ سکتا۔

''سالم صاحب، میں نے ڈریم میں بے پناہ محنت کی۔ میں انجینئرنگ میں کمال حاصل کرنا چاہتا تھا تاکہ میرے بیٹے مجھے میرے بابا کی طرح کان سے باہر آتے دیکھنے کی اذیت سے محفوظ رہیں۔ اسی لیے میں نے مزدوروں کے چڑھنے اترنے کے لیے لفٹ بنائی لیکن بات اتنی سی نہیں، میں نے کان سے باہر کی دنیا اور زندگی بھی دیکھی ہے۔ میں نے کوچ میں سفر کیا۔ گھڑ سواری کی۔ میں نے میوزک شو دیکھا جس کو کوئی کان کن خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتا۔ میں حقیقت پسند آدمی ہوں۔ جانتا ہوں کہ کوئی کان کن راتوں رات اپنی زندگی نہیں بدل سکتا۔ اس کے لیے نسل در نسل محنت اور ایثار ضروری ہے لیکن اسے سونے کے لیے بستر، پیٹ بھرنے کے لیے ناکافی غذا کے سوا کچھ بھی نہ ملے۔ وہ پوری زندگی گزار کر مر جائے اور اسے پتا بھی نہ چلے کہ دنیا میں ان دو چیزوں کے علاوہ

بھی بہت کچھ ہے۔ آسائشات بھی ہیں۔ یہ انصاف نہیں۔ وہ اس سے زیادہ کا حقدار ہے۔

''سالم صاحب، شاید اسی لیے میں اس میٹنگ میں گیا تھا۔ شاید میں انہیں یہ سب بتانا چاہتا تھا جو ابھی آپ کو بتایا ہے۔''

سالم اب اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم انسانوں سے ایسی محبت کرنے والے ہو لیکن راشد، دنیا تمہیں اس کا اجر نہیں دے گی۔ تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا۔'' اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ ''میں تم سے بہت سچائی سے بات کروں گا۔ میں نے تمہیں ملازمت سے جواب دینے کے لیے بلایا تھا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ تمہاری باتیں سنوں گا مگر سب کچھ سننے کے بعد میں تمہارے کاز پر تو شبہ کر سکتا ہوں لیکن تمہارا خلوص میرے نزدیک قابلِ تعریف ہے۔''

''میں آپ کا شکر گزار......''

سالم نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی ''شکریے کی ضرورت نہیں راشد۔ اگر میں تمہیں الٹی میٹم دوں تو قوی امکان ہے کہ میں تمہاری مدد کر رہا ہوں گا۔ الٹی میٹم یہ کہ اپنے ان خیالات سے دستبردار ہو جاؤ یا یہاں کی ملازمت چھوڑ دو لیکن مجھے یقین ہے کہ تم خود ہی اپنی منزل پر پہنچ جاؤ گے...... نقصان اٹھا کر سہی۔ جاؤ...... اللہ تمہاری مدد کرے۔''

☆......☆......☆

جبل الاہید میں کان کنوں نے کام روک دیا مگر ایک ہفتے تک انجن چلنے دیئے۔ پھر شیئر ہولڈرز کے غیر معمولی اجلاس میں بتایا گیا کہ انجن مین بھی کان کنوں کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ چنانچہ فوری طور پر اس مسئلے کا حل تلاش کیا گیا۔ کان کنوں کے مصائب کا تمام تر ذمہ دار کان کے کیپٹن کو قرار دے دیا گیا۔ یہ صریح بے انصافی تھی کیونکہ وہ بیچارہ انہی کی ہدایت پر عمل کر رہا تھا۔ بہرکیف اس کی چھٹی کر دی گئی۔ کان کنوں اور مالکان کے درمیان معاہدہ ہوا اور کان کنوں نے دوبارہ کام شروع کر دیا۔

لیکن حارث اور اس کے ساتھ گرفتار ہونے والوں کی کوئی مدد نہ کر سکا۔ کان کنوں نے ان کی رہائی کا مطالبہ کیا تو انہیں بتایا گیا کہ یہ معاملہ شیئر ہولڈرز کے اختیارات سے باہر ہے۔

کان کنوں کے مقدمے کی سماعت دیکھنے ولیم ٹھاکر بھی گیا۔مقدمے کے دوسرے دن وہ راشد کو جنگل سے گزرتے ہوئے ملا۔''عدالت نے انہیں مجرم قرار دے دیا۔'' اس نے راشد کو بتایا۔

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں تھی۔ پورا ملک اسی فیصلے کی توقع کر رہا تھا۔''انہیں کتنی سزا سنائی گئی؟''

''کالا پانی......چودہ سال۔''

راشد کے دل میں اذیت کی لہر اٹھی۔ یہ سزا عمر قید کے برابر تھی۔ چودہ سال کی قید کے بعد قیدی وطن واپس آنے کے لیے آزاد ہوجاتا لیکن اس کے پاس واپسی کا کرایہ نہیں ہوتا تھا۔ اگر اسے کوئی کام مل جاتا تو بھی کرائے کی رقم بچانے میں اس کی زندگی گزر جاتی۔ وہ وہیں مر جاتا۔

واعظ نے افسردگی سے سر ہلایا۔''ان چاروں نے سزا قبول کر لی۔'' اس نے کہا۔''وہ جانتے تھے کہ انہیں ان کے نظریات کی وجہ سے بہت بڑی سزا ملنی ہے لیکن راشد، ایک دن ہم کامیاب ہوں گے۔ کامیابی یقینی ہے۔ ہر چھوٹی فتح ہمیں ہماری منزل کے قریب پہنچا دے گی۔''

راشد نے منہ پھیر لیا۔''کیا ہر کامیابی کی یہی قیمت ہوتی ہے۔'' اس نے سوچا......سزا کاٹتے ہوئے مرد اور بھوک سے سسکتے ہوئے بچے!

وہ گھر پہنچا تو سارہ کچن میں تھی۔ برتن پٹخنے کی آوازوں سے اس کے موڈ کا پتا چل رہا تھا، پھر بھی راشد نے اسے عدالت سے فیصلے کے متعلق بتایا۔

''تو اور کیا ہونا چاہیے۔'' سارہ نے سخت لہجے میں کہا۔ پچھلی بار وہ ڈریم رہ کر آئی تھی تو یونین ازم کے خلاف اس کے جذبات اور پختہ ہو گئے تھے۔''یہ تمہاری حماقت تھی کہ تم نے خود کو اس معاملے میں ملوث کیا۔ مما کا بھی یہی خیال ہے۔''

''تمہاری مما کا اس سے کیا واسطہ۔'' راشد نے چند لمحے غور کرنے کے بعد کہا۔

سارہ کا چہرہ تمتما اٹھا۔''قدرتی بات ہے۔لڑکیاں اپنے مسائل کے بارے میں اپنی ماں سے ہی بات کرتی ہیں۔''

''مجھے احساس نہیں تھا کہ میں مسئلہ بن چکا ہوں۔''

''تم میرا مطلب خوب سمجھتے ہو۔تم اس طرح کے معاملات میں الجھتے ہو تو میں

فکرمند ہو جاتی ہوں۔''

''فکرمند تو سالم صاحب بھی تھے مگر انہوں نے معقولیت سے یونین کے بارے میں میرا نظریہ سنا۔ تمہیں مگر یہ توفیق نہیں ہوئی۔''

''میں اس سے زیادہ اہم چیزوں کو وقت دیتی ہوں۔''

''وہ اہم چیزیں کیا ہیں، میں جانتا ہوں۔ مثلاً بازار جاتے ہوئے نیلا لباس پہننا اچھا رہے گا یا زرد۔'' کہتے کہتے راشد کو اپنی بات کی سختی اور کاٹ کا احساس ہو گیا لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ بات منہ سے نکل چکی تھی۔

سارہ نے ہاتھ میں پکڑا ہوا برتن آہستگی سے ایک طرف رکھا، اپنے ہاتھ دھوئے اور تولیے سے خشک کرتے ہوئے بولی۔''نہیں۔ اس وقت تو میرے ذہن میں اہم ترین بات یہ ہے کہ میں تمہیں شادی کے تحفے میں بیٹا دے پاؤں گی یا نہیں۔''

وہ راشد کے لیے بہت بڑا دھماکہ تھا۔''ارے......تم نے مجھے بتایا ہی نہیں۔'' اس کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔

''تمہیں یونین کے اس احمقانہ چکر سے فرصت ملے تو تم مجھے توجہ دو اور پھر مجھے یقین بھی نہیں تھا۔ اس لیے تو میں ڈریم گئی تھی۔ ڈاکٹر اسکاٹ نے میرا معائنہ کیا اور تصدیق کر دی۔''

''ڈاکٹر کے پاس کیوں گئی تھیں تم؟'' راشد پریشان ہو گیا۔''کوئی گڑبڑ ہے کیا؟''

سارہ مسکرا دی۔''تم نرے دیہاتی ہو۔ بھئی عورت ماں بننے والی ہو تو اسے باقاعدگی سے چیک اپ کرانا ہوتا ہے۔''

''یہاں تو ہر بچہ میری کریب کے ہاتھوں کا ہے۔ جینی بھی کبھی ڈاکٹر کے پاس نہیں گئی۔''

''میں جینی نہیں ہوں۔'' سارہ نے تیز لہجے میں کہا۔ اب وہ ناخوش نظر آ رہی تھی

''اور تم کیسے آدمی ہو۔ تمہیں خوشی بھی نہیں ہوئی۔''

''میں......میں تو اتنا خوش ہوں کہ تمہیں بتا بھی نہیں سکتا۔'' راشد نے اسے بانہوں میں سمیٹ لیا۔

☆......☆......☆

موسمِ سرما آ گیا۔ راشد کا پروگرام تھا کہ عید اور کرسمس وہ اور سارہ ڈریم میں منائیں گے لیکن کان کا انجن مسئلہ بن گیا۔ وہ دگنی رفتار سے چل رہا تھا۔ اس کے باوجود پانی بمشکل نکال پا رہا تھا۔ راشد کان کو اس حال میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ بچے کی پیدائش میں ابھی پانچ ماہ تھے۔ چنانچہ سارہ کے خراب موڈ کے باوجود اس نے فیصلہ کیا کہ وہ نہیں جا سکتا۔

سارہ کو بھیجنے کے لیے سالم نے اپنی بگھی دے دی۔ سامان بگھی میں رکھتے ہوئے راشد سارہ کو سمجھاتا رہا ”دیکھو، اپنا خیال رکھنا۔ سردی سے بچنا۔ میں کرسمس سے ایک دن پہلے ضرور پہنچ جاؤں گا۔“

”تم میرے ساتھ چلو نا۔“ سارہ رونے لگی اور اس سے لپٹ گئی۔

”میں یہی چاہتا تھا لیکن کام ضروری ہے۔ اچھا ہے، اتنے دن تم اپنی فیملی کے ساتھ گزار لو گی۔“

لیکن سارہ کی روانگی کے اگلے ہی روز سے موسم کے تیور بدل گئے۔ درجہ حرارت مسلسل گرنے لگا۔ پھر برفباری شروع ہو گئی۔ ایسا لگتا تھا کہ سرد ہوا اور برفباری میں مقابلہ ہو رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے راستے برف سے ڈھک گئے۔

یہ سلسلہ کرسمس کی شام صرف دو دن کے لیے رکا۔ راشد نے بیڈ روم کی کھڑکی سے دیکھا۔ لگتا تھا پوری دنیا برف سے ڈھک گئی ہے۔ کہیں کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ ڈریم نہیں جا سکتا تھا۔

کرسمس راشد نے اماں اور بابا کے ساتھ گزارا۔ وہ دونوں بھی بہت خوش تھے مگر راشد کو احساسِ جرم ستا رہا تھا۔ اسے اپنی بیوی کے پاس موجود ہونا چاہیے تھا لیکن وہ بے بس تھا۔ نیا سال شروع ہونے کے بعد ڈاک سروس شروع ہوئی تو اس نے سارہ کو خط بھجوایا۔ اسے امید تھی کہ اب وہ گھر آنے والی ہو گی۔ اس کے بغیر گھر سونا سونا لگ رہا تھا۔

برف پگھلنے لگی۔ مشرق کی طرف سے خشک ہوائیں چلنے لگیں لیکن سارہ واپس نہیں آئی۔ اب راشد پریشان ہونے لگا، پھر ایک دن ڈریم سے خط آ گیا۔ سارہ نے لکھا تھا کہ وہ اس کے نہ آنے کی وجہ سے بہت بور ہوئی۔ وہ خفا تھی کہ وہ اس کے ساتھ ہی کیوں نہ آ گیا۔ آخر میں اس نے لکھا تھا کہ افسردہ رہنے کی وجہ سے اس کی طبیعت گری

گری رہنے لگی ہے۔ مما نے طبیعت ٹھیک ہونے تک اسے سفر کی اجازت دینے سے انکار کر دیا ہے۔

اس خط کے لہجے نے راشد کو پریشان کر دیا۔ ویک اینڈ آیا تو وہ بہادر پر بیٹھ کر ڈریم کے لیے روانہ ہو گیا۔ وہ ریاض حسین کے گھر پہنچا تو وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ فورمین نے اس کے لیے گھر کھول دیا اور بتایا کہ سب لوگ کسی دوست سے ملنے گئے ہیں۔

راشد کو بہت کوفت ہوئی۔ گھنٹوں کے انتظار کے بعد بگھی کے گیٹ سے اندر آنے کی آواز سنائی دی۔ خوش و خرم ہنستی ہوئی سارہ اپنی مما اور ماریہ کے ساتھ بگھی سے اتری۔ وہ کہیں سے بھی بیمار نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ راشد کو دیکھ کر پہلے تو وہ چپ ہو گئی مگر پھر اس سے لپٹ گئی ”راشد...... تم یہاں کیسے؟“

”تم نے خط میں لکھا تھا کہ تم بیمار ہو۔ میں پریشان ہو گیا۔“

سارہ شرمندہ نظر آ رہی تھی۔ اس کی مما اس کی مدد کے لیے بڑھیں ”ٹھیک لکھا تھا اس نے۔ آج پہلا دن ہے کہ یہ پہلے والی سارہ لگ رہی ہے۔“

”بہت اچھا ہوا راشد کہ تم آ گئے۔“ سارہ بولی۔

”خدا کا شکر ہے کہ تم ٹھیک نظر آ رہی ہو۔ میں تو گھبرا گیا تھا۔ اسی لیے فوراً چل دیا۔“

ریاض حسین سب سے آخر میں گھر آئے۔ وہ راشد کو دیکھ کر خوش ہو گئے۔ انہوں نے گرم جوشی سے اس سے ہاتھ ملایا۔ ”بہت خوشی ہوئی کہ تم آئے۔ میں بہت تنہائی محسوس کر رہا تھا۔“

”بھائی، آپ کچھ دن رکیں گے نا۔“ ماریہ نے پوچھا۔

راشد نے نفی میں سر ہلایا۔ ”نہیں بھئی۔ کل واپس جانا ہے۔“

”کیوں راشد۔ تمیں کچھ دن کی چھٹی بھی مل سکتی ہے۔“ سارہ نے احتجاج کیا۔

”میرا خیال تھا کہ طبیعت بہتر ہوئی تو تمہیں اپنے ساتھ لے آؤں گا۔“

”یہ تو پاگل پن ہے۔“ بتول بیگم نے کہا۔ ”میری بچی اتنی بیمار رہی ہے۔“

اتنی دیر میں راشد کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی ساس بیٹی کو زچگی تک یہیں روکنے کے چکر میں ہے۔ ”جیسے جیسے وقت گزرے گا، سارہ کے لیے سفر دشوار ہوتا جائے

گا۔''

''تو زچگی یہیں ہونے دو نا۔'' بتول بیگم کے دل کی بات زبان پر آ گئی۔''سارہ کے نکتہ نظر سے یہ بہت بہتر ہوگا۔ ڈاکٹر اسکاٹ بہت ماہر ڈاکٹر ہیں۔''

''ڈاکٹر تو ہمارے ہاں بھی ہیں۔'' راشد نے کہا۔

''کان کنوں کے ڈاکٹر......ہنہ......جانوروں کے ڈاکٹر۔'' بتول بیگم نے حقارت سے کہا۔''میں تو انہیں کسی جانور کا علاج بھی نہ کرنے دوں۔''

ریاض حسین نے مداخلت کی۔''راشد ٹھیک کہتا ہے بتول۔ سارہ کا گھر اب وہ ہے۔ ہمیں ان کے معاملات میں نہیں پڑنا چاہیے۔'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر بیوی کو چپ رہنے کا اشارہ کیا جو کچھ کہنا چاہ رہی تھیں۔''یہ ٹھیک ہے کہ سارہ کی طبیعت خراب تھی مگر اب وہ بالکل ٹھیک ہے۔''

''میں تو صرف سارہ کی بہتری سوچ رہی ہوں۔ اگر اسے مداخلت سمجھا جا رہا ہے تو پھر کہنے کو کیا رہ جاتا ہے۔ آؤ ماریہ، چلو یہاں سے۔'' بتول بیگم واک آؤٹ کر گئیں۔

''واہ......کیا شاہی طور طریقے ہیں۔'' ریاض حسین۔ نے شگفتگی کے ذریعے ماحول کی کشیدگی کو کم کرنے کی کوشش کی۔''تم بیٹھو راشد......میں ذرا فاؤنڈری کی خبر لے آؤں۔''

ان کے جانے کے بعد بھی کچھ دیر راشد اور سارہ خاموش بیٹھے رہے۔''تم گھر چلنا چاہتی ہو سارہ؟'' بالآخر راشد نے پوچھا۔

سارہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ اپنے گود میں رکھے ہاتھوں کو تکنے لگی۔

''میں گھر چلنا چاہتی ہوں راشد لیکن مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔''

''ڈر لگتا ہے! کس سے؟''

''ہر چیز سے۔'' سارہ کے لہجے میں بے بسی تھی۔''تنہا وقت گزارنے سے......جنگل سے......اور سب سے بڑی بات زچگی کے مرحلے سے۔''

''تمہیں بچے کی خواہش نہیں ہے؟''

''ہے۔ بس میں......راشد، میں وہاں کسی کو بھی نہیں جانتی۔ میں وہاں خود کو بالکل اجنبی محسوس کرتی ہوں۔''

''لیکن سارہ، ابھی تمہیں وہاں رہتے تھوڑے ہی دن تو ہوئے ہیں۔ وہاں کے لوگ تمہاری فکر کرتے ہیں۔ سب تمہارے متعلق پوچھتے رہتے ہیں۔ سب تم سے محبت کرتے ہیں۔''

سارہ نے اسے غور سے دیکھا۔''مریم بھی؟''

''ہاں۔''

''راشد، تمہیں خیال آتا ہے کہ کاش تم نے میرے بجائے مریم سے شادی کی ہوتی؟''

''کیا تم یہ سمجھتی ہو؟''

''مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا سمجھتی ہوں۔ بس مجھے یہ معلوم ہے کہ تم جب بھی اس واعظ کے ساتھ کہیں جاتے ہو تو میرا دل گھبرانے لگتا ہے۔ میں سوچتی ہوں، تم مریم سے باتیں کر رہے ہوگے......اس سے میرا موازنہ کر رہے ہوگے۔''

سارہ نے نظریں جھکائیں تو راشد نے سکون کی سانس لی۔''سارہ، میں نے تم سے شادی کی کیونکہ یہ میری خوشی تھی۔ کسی نے مجھے مجبور نہیں کیا تھا اس پر اور تم جیسی بیوی پا کر مجھے فخر کا احساس ہوتا ہے۔ میں مریم کو بچپن سے جانتا ہوں۔ اسے بھولنا چاہوں بھی تو نہیں بھول سکتا لیکن تم میری بیوی ہو اور مریم میرے ایک دوست کی بیوی ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔''

''سوری راشد، اس کی ضرورت بھی نہیں۔'' سارہ اٹھ کر اس کے قریب آئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔''میں تمہیں بہت پریشان کرتی ہوں نا؟ ہم اب گھر چلیں گے اور میں ایک اچھی بیوی بن کر رہوں گی۔'' وہ مسکرائی''تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں۔''

☆......☆......☆

اتوار کو وہ سونا گاؤں واپس چلے آئے۔ اگلے چند ہفتے وہ دونوں بہت خوش رہے۔ فروری کے آخر تک برفباری ہوتی رہی۔ گھر میں آتش دان کے قریب بیٹھنا انہیں بہت اچھا لگتا تھا۔ اب وہ مکان ان کے لیے گھر بنتا جا رہا تھا۔

کان کی مصروفیات اپنی جگہ تھیں۔ مین پمپ کو اوور ہالنگ کی ضرورت تھی۔ راشد نے اپنے معاونین کے ساتھ مل کر یہ کام نمٹایا، پھر وہ مزدوروں کو چڑھانے اتارنے

والی لفٹ کو بہتر بناتا رہا۔ اب وہ باقاعدہ لفٹ بن چکی تھی...... محفوظ۔ ایک بڑا پنجرہ جس کی رفتار بھی زیادہ تھی۔ ایمرجنسی میں وہ اور زیادہ کام آتی تھی۔

ایک شام راشد نے اس لفٹ کے نقشے سالم کے سامنے رکھ دیئے۔ سالم بہت خوش تھا۔ ''تم اسے پیٹنٹ کرالو۔'' اس نے کہا۔

''سالم صاحب، پہلے اس کی افادیت تو ثابت ہو جائے۔'' راشد بولا۔

''اس کی افادیت صاف نظر آتی ہے اور اس کی نقل بھی بننے لگے گی۔ تم نہیں کراتے تو میں اسے پیٹنٹ کرا دوں گا...... تمہارے لیے۔''

اور سالم نے جو کہا تھا، کر دکھایا۔ ایک ماہ بعد لفٹ نصب بھی ہوگئی اور پیٹنٹ بھی۔ اس کے چند روز بعد ایک بڑی کمپنی نے راشد سے معاہدہ کر لیا۔ اسے بہت معقول رائلٹی ملنے لگی۔

مارچ کے اوائل میں راشد کی طمانیت کا عہد اچانک ختم ہوگیا۔ اس رات وہ گھر آیا تو سارہ آرام کرسی پر بے سدھ پڑی تھی۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ ''خدا کا شکر ہے تم آگئے راشد۔'' اس نے بمشکل کہا۔ اگلے ہی لمحے وہ درد سے دہری ہوگئی۔ ''مجھے درد اٹھ رہے ہیں۔ پلیز...... میری مدد کرو۔''

راشد نے اس کا ہاتھ تھاما۔ درد کسی لہر کی طرح گزرنے کے بعد تھم گیا۔ ''تم ہلو مت سارہ۔ میں ڈاکٹر کو لاتا ہوں۔''

''نہیں...... مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔'' سارہ چلائی۔ اس کے لہجے میں دہشت تھی۔

راشد پریشان ہوگیا۔ اسے معلوم تھا کہ ولادت کے وقت میں ابھی سات ہفتے ہیں۔ اس کا مطلب تھا کوئی گڑبڑ ہے۔ وہ سارہ کو چھوڑ کر جا بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ تو دہشت سے ہی مر جاتی۔

اچانک اسے گھر کے قریب کے راستے پر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ ''اے سنو......'' اس نے پکارا۔ وہ ایک دیہاتی لڑکا تھا۔ اس کی آواز سن کر وہ دروازے پر آگیا۔ راشد نے جیب سے چاندی کا سکہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ ''ایک کام کرو۔ سونا گاؤں کی کان پر جاؤ اور ان سے کہو کہ میری بیوی کو ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ جاتے وقت میرے گھر پر بھی بتا دینا۔''

لڑکا سکہ لیتے ہی دوڑ کھڑا ہوا۔

راشد کمرے میں واپس آیا تو سارہ اٹھنے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ ''میں سمجھی تھی، تم چلے گئے۔ راشد...... میری مدد کرو...... اللہ......''

راشد اسے مضبوطی سے تھامے بیٹھا رہا۔ یہاں تک کہ درد کی وہ لہر بھی گزر گئی۔

پھر وہ اسے سہارا دے کر اوپر اپنے بیڈروم میں لے گیا۔ ''میں پانی گرم کرنے کے لیے رکھ دوں۔ جینی کے موقع پر میں نے دیکھا تھا کہ گرم پانی کی ضرورت پڑتی ہے۔'' اس نے کہا۔

''دیر نہ لگانا راشد۔ مجھے اکیلا نہ چھوڑنا۔''

وہ نیچے گیا۔ چولہا جلایا اور پانی گرم ہونے کے لیے رکھ دیا۔ ہر چند سیکنڈ کے بعد وہ کھڑکی سے جھانکتا جا رہا تھا۔ اسے توقع تھی کہ مدد آنے والی ہے۔ اوپر سے دردناک چیخیں سنائی دیں تو وہ اس طرف بھاگا۔

''راشد...... کچھ ہو رہا ہے۔ مجھے صاف محسوس ہوتا ہے راشد۔'' سارہ تڑپ رہی تھی اور سارہ نے غلط نہیں کہا تھا۔ راشد نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب کچھ بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ اسے خود ہی سارہ کی مدد کرنی تھی۔ پھر خدا نے مشکل آسان کر دی۔ جیتا جاگتا گوشت کا لوتھڑا اس کے سامنے تھا۔

سارہ بیڈ پر لیٹی تھی۔ اس کی سانسیں اکھڑی ہوئی تھیں۔ راشد بچے کو دیکھ کر یہ سوچ رہا تھا کہ یہ حرکت کیوں نہیں کر رہا ہے۔ ساکت کیوں ہے۔ اسی لمحے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور پھر فاطمہ نے پکارا ''راشد...... سارہ......''

''جلدی آئیں ماں۔ بچہ ہوگیا ہے۔''

فاطمہ آئی تو وہ بچے کو ہاتھوں پر اٹھائے گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ ''بچہ رویا بھی ہے یا نہیں؟'' فاطمہ نے اس سے پوچھا۔

راشد نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''نہیں...... نہیں تو۔''

فاطمہ نے چادر اتاری اور جلدی سے بچے کو اس سے لے لیا۔ اس نے بچے کا پاؤں پکڑ کر اسے الٹا لٹکایا۔ پھر پہلے اس کا سر تھپتھپایا۔ اس کے بعد کولہے پر چپت لگائی۔ بچہ اب بھی نہیں رویا۔ فاطمہ نے اس کے حلق میں انگلی ڈال کر چیک کیا کہ حلق تو بند نہیں ہے۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر وہ بچے کے کولہے پر تھپڑ برسانے لگی۔ تیسرے تھپڑ پر

بچے کے حلق سے ہلکی سی آواز نکلی۔

''تمہارے بابا میری کریب کو ڈھونڈنے گئے ہیں۔'' فاطمہ نے پرتشویش لہجے میں راشد کو بتایا۔ ''ٹام ڈاکٹر کو لینے گیا ہے۔''

اسی وقت نڈھال سارہ نے آنکھیں کھول دیں اور نحیف آواز میں پوچھا ''کیا ہوا راشد۔ بیٹا ہی ہوا ہے نا۔''

''ہاں۔ بیٹا مبارک ہو۔'' فاطمہ نے کہا۔

''مجھے خوشی ہوئی۔ خدا کا شکر ہے۔ میں اسے گود میں لے سکتی ہوں؟''

''ابھی نہیں میری بچی۔'' فاطمہ نے کہا، پھر وہ راشد کی طرف مڑی۔ ''جاؤ۔ گرم پانی لاؤ۔''

وہ پانی لے کر آیا تو فاطمہ بچے کو پنگورے میں لٹا چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد سعید آ گیا۔ راشد نے اسے خبر سنائی، پھر پوچھا ''بابا...... ڈاکٹر کہاں ہے؟''

''وہ نشے میں دھت تھا۔ اس سے مدد نہیں مل سکتی۔'' سعید نے جواب دیا۔

''سارہ اور بچہ تو خیریت سے ہیں؟''

''اماں مطمئن نظر نہیں آتیں۔ آئیے اوپر چلیں۔''

اوپر فاطمہ مصروف تھی۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''بچہ وقت سے پہلے ہوا ہے۔ بہت کمزور ہے لیکن مجھے سارہ کی زیادہ فکر ہے۔ اب اثرات سامنے آنے شروع ہوں گے۔ کاش میری کریب ہی مل جائے۔''

☆......☆......☆

فاطمہ کی کوششوں کے باوجود بچہ زیادہ دیر نہ جی سکا۔ ادھر سارہ کی حالت بھی بگڑنے لگی۔ ''راشد۔'' فاطمہ نے بیٹے کو پکارا۔ وہ آیا تو اس نے کہا ''بیٹے...... سارہ کو بہت تیز بخار ہے۔ اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھتے رہو۔''

سارہ کا چہرہ دیکھ کر راشد کا دل بیٹھنے لگا۔ اس کا چہرہ ست گیا تھا اور زرد ہو رہا تھا۔ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں بدلتے ہوئے راشد کوشش کر رہا تھا کہ پنگورے کی طرف نظر نہ جائے جہاں اس کا بیٹا بے حس وحرکت پڑا تھا۔

صبح صادق سے کچھ پہلے میری کریب آئی۔ دروازے میں کھڑے ہو کر اس نے کسی داروغہ کی طرح پورے کمرے کا جائزہ لیا۔ پھر راشد سے سخت لہجے میں بولی ''تم

یہاں سے دفع ہو جاؤ اور اسے بھی لیتے جاؤ۔'' اس نے پنگورے کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کا کمرے میں ہونا براشگون ہے۔''

راشد آہستگی سے پنگورا کو اٹھا کر نیچے لے آیا۔ سعید نے بتایا کہ اس نے ڈریم سارہ کے والدین کو خبر بھجوا دی ہے۔ وہ باتیں کرتے رہے۔ کچھ دیر بعد فاطمہ گرم پانی لینے نیچے آئی تو اس نے بتایا کہ میری کریب نے معاملات سنبھال لیے ہیں اور سارہ اب بہتر ہو رہی ہے۔

ان دونوں نے سکون کی سانس لی۔

کافی دیر کے بعد میری کریب نیچے آئی۔ ''اس علاقے میں پہلوٹھی کے بچے کم ہی جیتے ہیں۔ زیادہ تر کی منزل جنگل والا قبرستان ہوتی ہے۔'' وہ بولی۔ ''تمہیں زیادہ محبتیں قبرستان میں دفن ہی ملیں گی۔'' وہ کہتے کہتے رکی اور ذرا توقف کے بعد بولی۔ ''اور مجھے افسوس ہے۔ اس خوبصورت مکان کے لیے محبت بہت قیمتی چیز ہوگئی ہے۔ یہ جنس یہاں مشکل ہی سے ملے گی۔ خیر تمہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔'' یہ کہہ کر وہ خود کو شال میں لپیٹتی ہوئی گھر سے نکل گئی۔

راشد اور سعید نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ سعید نے اداسی سے سر ہلایا۔ ''بہت بوڑھی ہوگئی ہے بیچاری۔ اس کا دماغ جواب دے رہا ہے۔ اسے خود پتا نہیں چلتا کہ کیا کہہ رہی ہے۔ اس کی باتیں بھول جاؤ۔ بس اس کے احسان یاد رکھو۔ یہ بڑے کام کرتی ہے راشد۔''

''جی بابا۔'' راشد نے آہستہ سے کہا۔ اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''بابا، میں اوپر جا رہا ہوں...... سارہ کے پاس۔''

اوپر پہنچ کر اس نے سارہ کی پیشانی کو چھو کر دیکھا۔ وہ اب ٹھنڈی تھی۔ سارہ کے ہونٹ ہلے۔ ''سوری راشد۔''

''ایسی باتیں مت کرو سارہ۔ تم بہت بہادر لڑکی ہو۔ مجھے تم سے محبت ہے اور تم پر فخر ہے۔''

بند آنکھ سے ایک آنسو سارہ کے چہرے پر ڈھلک آیا۔ ''نہیں راشد۔ یہ ہونا ہی تھا۔ یہاں مریم کو ہونا تھا۔ اسے تمہارے بچے کی ماں بننا تھا۔ یہ میں پہلے سے جانتی ہوں۔ وہ اس جنگل کی بیٹی ہے، جیسے تم اس کے بیٹے ہو۔''

”یہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔“ فاطمہ نے کہا۔ وہ اسی وقت کمرے میں آئی تھی۔ اس نے سارہ کی پیشانی پر آئے ہوئے بال نرمی سے ہٹائے اور راشد سے کہا۔ ”تم باہر جاؤ بیٹے۔ اس نے بڑی اذیت اٹھائی ہے۔ اسے نیند کی سخت ضرورت ہے۔ تم بھی پوری رات کے جاگے اور تھکے ہوئے ہو۔ آرام کرو۔ میں سارہ کی دیکھ بھال کروں گی۔“

راشد گھر سے نکلا اور جنگل کی طرف چل دیا۔ اس نے وہاں تین گھنٹے گزارے میری کریب کے الفاظ نے اسے بے چین کر دیا تھا مگر سارہ نے جو کچھ کہا تھا، اس نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ ان دونوں باتوں کو ذہن سے نہیں جھٹک پا رہا تھا۔

☆......☆......☆

بتول بیگم رات کو فارم ہاؤس پہنچیں۔ آتے ہی وہ اوپر بیڈ روم میں گئیں جہاں نڈھال سارہ سو رہی تھی۔ انہوں نے سر کی مختصر سی جنبش سے فاطمہ کو نمٹایا اور بیڈ کے پاس جا کھڑی ہوئیں۔ ان کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ بیٹی کا حال دیکھ کر انہوں نے افسردگی سے سر ہلایا اور کمرے سے نکل آئیں۔

بتول بیگم اور فاطمہ نیچے آئیں تو راشد کچن میں تھا۔ بتول بیگم آتے ہی اس پر برس پڑیں ”خوب خیال رکھا ہے تم نے میری بیٹی کا۔ کیا حشر کر دیا ہے اس کا۔“ انہوں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ ”تم نے کہا تھا، ڈاکٹر یہاں بھی ہے۔ اب مجھے بتاؤ، کہاں ہیں وہ ڈاکٹر؟“

”دیکھیے۔ یہ قبل از وقت ولادت کا کیس ہے۔ ہم اس کے لیے تیار ہی نہیں تھے۔“ راشد نے کہا۔ ”اور قسمت سے کون لڑ سکتا ہے۔“

”قسمت تو سارہ کی پھوٹ گئی۔ اس کا بہت برا حال ہے۔ بہت بیمار ہے وہ۔“

”وہ بہت سخت مرحلے سے گزری ہے اور نڈھال ہے۔ اسے پریشان نہ کریں۔ آرام کرنے دیں اسے۔“

”میں اپنی ہی بیٹی کو پریشان کر رہی ہوں۔“ بتول بیگم پھنکاریں۔ ”میں کوچ میں بدترین جھٹکے سہتی اس طرح یہاں آئی ہوں کہ جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے۔ صرف اس بیٹی کی محبت میں......اور تم کہتے ہو کہ میں اسے پریشان کر رہی ہوں۔“

”وہ آپ کی بیٹی ہے لیکن میری بیوی بھی ہے۔ ہم نے سب سے پہلے آپ کو اطلاع بھجوائی کہ یہ آپ کا حق ہے۔ اگر مجھے یہ گمان ہوا کہ آپ اس کی اذیت بڑھانے آئی ہیں تو میں پہلی کوچ سے ہی آپ کو واپس بھیج دوں گا۔“

”تم جنگلی، جاہل اور اجڈ ہی نہیں، بدتمیز بھی ہو۔“ بتول بیگم غصے سے ہانپ رہی تھیں۔

"بس راشد، بدتمیزی مت کرو۔" فاطمہ نے راشد کو ڈانٹا۔ "تم جا کر آتش دا
کے لیے لکڑیاں لاؤ۔ میں باجی کے لیے چائے بناتی ہوں۔ چلے جاؤ......فوراً۔"
راشد ہچکچاتا ہوا چلا گیا۔ بعد میں فاطمہ نے راشد سے وعدہ لیا کہ آئندہ وہ بتو
بیگم سے بات کرتے ہوئے اپنی زبان قابو میں رکھے گا۔ اس رات راشد نے اپنا بس
دوسرے کمرے میں لگایا۔ اس کے بیڈ روم میں سارہ کے ساتھ بتول بیگم تھیں۔ اسے رہ
رہ کر یہ خیال ستا رہا تھا کہ وہ اپنے ہی گھر میں اجنبی بن کر رہ گیا ہے۔

☆......☆......☆

صبح سویرے بیڈ روم سے باتوں کی آواز آئی۔ راشد اٹھ کر تیزی سے اس طرف
لپکا۔ سارہ تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں ویران لگ رہی تھیں اور ا
کے نیچے گہرے سیاہ حلقے پڑے ہوئے تھے۔ بتول بیگم اس کے ساتھ بیٹھی تھیں۔
"سارہ......میری جان......کیسی ہو تم؟ اب طبیعت کیسی ہے؟" اس نے پوچھا۔
"پہلے سے بہت بہتر ہوں۔ شکریہ۔"
"میں جا کر ہاتھ منہ دھولوں۔ تازہ دم ہو جاؤں۔" بتول بیگم اٹھنے لگیں۔
"نہیں مما پلیز......آپ نہ جائیں۔" سارہ اچانک چلائی اور اگلے ہی
پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ راشد نے اسے لپٹا لیا لیکن اس کی سسکیاں نہ تھمیں۔ بتو
بیگم نے راشد کا ہاتھ ہٹایا، تکیے ٹھیک کیے اور سارہ کو لٹا دیا۔ "تم چلے جاؤ۔ سارہ کو اَ
سیٹ مت کرو۔" انہوں نے سخت لہجے میں راشد سے کہا۔
حواس باختہ راشد کمرے سے نکل آیا اور کام پر جانے کی تیاری میں لگ گیا۔
کام پر جانے کے لیے نکلا تب بھی سارہ رو رہی تھی۔
پورے دن وہ پریشان رہا۔ کام سے گھر واپس آتے ہی وہ اوپر بیڈ روم
گیا۔ سارہ کو بیٹھے دیکھ کر اسے اطمینان ہوا لیکن جیسے ہی اس نے سارہ کو مخاطب کیا، وہ
رونے لگی۔ اس کا جسم اس بری طرح لرز رہا تھا جیسے اس کے قابو میں ہی نہ ہو۔
یہ صورتحال کئی دن چلتی رہی۔ وہ کمرے میں داخل ہوتا، سارہ سے بات کرتا
وہ دہشت زدہ ہو کر رونے لگتی۔ اس نے سارہ سے باتیں کرنے کی، اسے سمجھانے
کوشش کی کہ بچے کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے لیکن سارہ
سننے کے لیے تیار نہیں تھی۔ ایک بار اس نے سارہ کو پیار کرنے کی کوشش کی تو سار

دیوانگی چھا گئی۔ اس نے جھٹکے سے اسے دور کر دیا۔ "نہیں راشد......میں دوبارہ مردہ بچہ
نہیں چاہتی۔ بہت ہو چکا، اب یہ نہیں ہوگا۔" راشد نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی۔ وہ
خاموش رہا لیکن اس خاموشی میں سارہ کی گریہ وزاری اور بلند آہنگ لگ رہی تھی۔
ایک مصیبت یہ تھی کہ کمرے میں ان دونوں کے سروں پر بھنچے ہوئے ہونٹوں
اور نفرت بھری نگاہوں کے ساتھ بتول بیگم مسلط رہتی تھیں۔
دن گزرتے رہے۔ صورتحال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ایک دن بتول بیگم نے
اعلان کیا۔ "میں سارہ کو طویل عرصے کے لیے اپنے ساتھ ڈریم لے جا رہی ہوں۔ صحت
کی بحالی بہت ضروری ہے۔"
یہ سن کر راشد کو جو سکون ہوا، اس کے نتیجے میں احساسِ جرم ابھر آیا۔ پھر بھی
اس نے پوچھا "طویل عرصے سے کیا مراد ہے آپ کی؟"
"جب تک یہ صحت یاب اور خوش و خرم نہیں ہوگی، تب تک میں اسے واپس
نہیں بھیجوں گی۔ بس اس کی ذہنی حالت کی طرف سے فکرمند ہوں۔"
"ٹھیک ہے۔ یہاں سارہ تنہائی بھی محسوس کرتی ہے اور مجھ سے تو یہ ڈرنے لگی
ہے۔"
لیکن راشد اندر سے بہت ناخوش تھا۔ اس مختصر سی رفاقت کے دوران میں اسے
سارہ سے محبت ہو گئی تھی۔ یہ درست ہے کہ اس محبت میں تندی، دیوانگی، وحشت اور جوش
نہیں تھا۔ وہ بہت پرسکون اور خاموش محبت تھی مگر راشد نے سمجھ لیا تھا کہ محبت کئی طرح کی
ہوتی ہے۔ اس کے کئی درجے ہوتے ہیں۔
اور اب وہ لڑکی جو دلہن بن کر اس کے گھر میں آئی تھی، گھر چھوڑ کر جا رہی تھی۔
اس کے ہاں مختصر قیام کی بس ایک ہی نشانی تھی......ننھی سی ایک قبر اور اس پر چھوٹا سا کتبہ!
سارہ چلی گئی تو راشد کی زندگی مقصدیت سے محروم ہو گئی۔ چند ہفتوں تک وہ
ماں باپ اور دوستوں پر تکیہ کرتا رہا۔ وہ ٹام شاول کے ہاں چلا جاتا اور گھنٹوں ٹینس سے
کھیلتا رہتا۔ وہ ان لوگوں سے ملنے چلا جاتا، جن سے بات بھی اتفاقاً ہی ہوتی تھی۔ پہلے
دو ہفتوں میں اس نے سارہ کو تین خط لکھے لیکن جواب ایک کا بھی نہیں ملا۔
پھر اچانک اس کا موڈ بدل گیا۔ وہ شام کو گاؤں کے شراب خانے میں جا
بیٹھتا۔ وہاں وہ شراب میں اپنے خالی گھر اور اس محبوب لڑکی کی یادوں کو ڈبونے کی کوشش

کرتا جو اسے اکیلا چھوڑ گئی تھی۔

اوائل گرما کی ایک رات اس نے شراب خانے میں ساتھی مے نوشوں کو بلند آواز میں خدا حافظ کہا اور لڑکھڑاتے قدموں سے باہر آیا۔ باہر اندھیرا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی نظریں اندھیرے کی عادی ہو گئیں۔

اچانک کسی نے اس کے بے حد قریب سے کہا۔ ''ہیلو راشد۔''

اس نے چونک کر دیکھا اور حیران رہ گیا۔ ''مریم تم؟ یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''میں تم سے ملنے آئی ہوں مگر یہاں سے نکلو۔ آؤ چلیں۔''

راشد نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا۔ ''مجھے تماشا مت بناؤ۔ شرمندہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔''

''میں تمہیں شرمندہ کیا کروں گی۔'' مریم نے دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچنے لگی۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو؟ ولیم کہاں ہے؟''

''وہ گھر میں ہے۔ ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ میں انہیں دیکھنے آئی تھی۔ کل واپس جاؤں گی۔''

راشد نے مزاحمت نہیں کی۔ وہ اس کے ساتھ چلتا رہا۔ وہ خود کو یقین دلا رہا تھا کہ وہ نشے میں نہیں ہے لیکن اسے احساس تھا کہ وہ لڑکھڑا رہا ہے۔ ''تو تم اپنی ماں کی دیکھ بھال کرنے کے بجائے مجھ پر وقت کیوں ضائع کر رہی ہو؟''

''سینٹ کلیئر سے تمہارا ایک خط لائی ہوں۔''

''خط؟ کہاں ہے؟ اور تمہارے پاس کیوں ہے؟''

''ڈریم سے آیا ہے...... آج کی کوچ سے۔ مجھے یہاں آنا تھا، اس لیے خود لے آئی کہ شاید تم اس خط کے منتظر ہو۔''

''وہ تو میں ہوں۔ پتا ہے، سارہ کے جانے کے بعد یہ پہلا خط آیا ہے۔'' راشد کی کیفیت اچانک سنبھل گئی۔ قدموں اور زبان کی لڑکھڑاہٹ کم ہو گئی۔

''مجھے اندازہ تھا۔'' مریم نے کہا۔

گھر پہنچنے کے بعد مریم نے اسے خط دیا۔ راشد نے جلدی سے خط کھولا، پڑھ اور مریم کو دے دیا۔ ''یہ سارہ کی بہن ماریہ کا خط ہے۔ تم بھی پڑھ لو۔''

مریم نے پڑھا۔ لکھا تھا...... ''پیارے بھائی۔ میں دعا کرتی ہوں کہ تم اتنے بڑے گھر میں تنہائی محسوس نہ کرو۔ بہادر کیسا ہے؟ آپی کی طبیعت اب بہتر ہے لیکن میں ان سے زیادہ بات نہیں کر پاتی۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ انہیں تنہائی اور سکون کی ضرورت ہے۔ کل میں نے انہیں بیڈ روم کی کھڑکی میں بیٹھے دیکھا اور ہاتھ ہلایا لیکن انہوں نے دیکھا ہی نہیں۔ بھائی، میرا جی چاہتا ہے کہ آپ یہاں آئیں اور کچھ دن ہمارے ساتھ رہیں لیکن مما کہتی ہیں، اس سے آپی اور اپ سیٹ ہو جائیں گی۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتی یہ بات۔ بھائی، مجھے آپ کے بیٹے کا بہت دکھ ہے۔ وہ میرا بھی تو بھانجا تھا۔ میں خالہ بن کر بھی نہیں بن سکی۔ یہ سوچ کر مجھے رونا آتا ہے۔ اب یہ خط ختم کرتی ہوں، بھائی پھر لکھوں گی۔ بے حد محبت کے ساتھ۔ ماریہ۔''

''میں سمجھی تھی کہ سارہ کا خط ہے ورنہ میں اتنی جلدی نہ مچاتی۔'' مریم کے لہجے میں پچھتاوا تھا۔

''کچھ بھی ہو۔ اس کی بھی اہمیت ہے۔ پہلی بار وہاں کی خیر خبر ملی ہے۔''

''اب میں چلتی ہوں۔'' مریم نے کہا۔ ''ورنہ یہاں افواہیں پھیلنے لگیں گی۔''

''شکریہ مریم۔''

''ایک بات سنو راشد۔ میں ایک بہت اچھے انسان کو تباہ ہوتے نہیں دیکھنا چاہتی۔ تمہارے ساتھ مسائل ہیں اور ان میں سے کچھ کا سبب میں ہوں لیکن راشد کسی مسئلے کا حل شراب خانے میں نہیں ملتا۔''

''تو کیا کروں میں؟ ڈریم جاؤں؟''

''فیصلہ تو تمہی کو کرنا ہے۔''

''ڈریم نہیں جا سکتا میں۔ مجھے دیکھتے ہی سارہ دہشت زدہ ہو جاتی ہے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ہے۔''

''سارہ کی تو دیکھ بھال ہو رہی ہے۔'' مریم نے کہا۔ ''تم اپنی فکر کرو۔ کیا تم انجینئر راشد سے تبدیل ہو کر شرابی راشد بن جاؤ گے؟''

''نہیں مریم۔ اب انشاء اللہ میں شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔''

مریم باہر جاتے جاتے رکی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ''تو کل میرے ساتھ سینٹ کلیئر چلو۔ کھانا ہمارے ساتھ کھانا۔''

"ٹھیک ہے مریم۔ شکریہ۔"

☆......☆......☆

اگلی شام اپنی اسٹڈی کی کھڑکی سے ولیم ٹھاکر نے اپنی بیوی کو راشد کے ساتھ آتے دیکھا۔ اس کا منہ بن گیا لیکن جب وہ اس کے سامنے آئے تو اس کے ہونٹوں پر خیر مقدمی مسکراہٹ کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ "شکر ہے کہ تم واپس آ گئیں۔" اس نے بیوی کے رخسار پر بوسہ دیا، پھر وہ راشد کی طرف مڑا۔ "تمہیں دیکھ کر خوشی ہوئی راشد۔" اس نے گرم جوشی سے راشد سے ہاتھ ملایا۔ "تمہارے بچے کا سن کر بہت رنج ہوا۔ سنا ہے سارہ بھی بہت بیمار ہے۔"

"ہاں۔" راشد نے آہ بھر کے کہا۔ "وہ اپنے والدین کے پاس ہے۔"

"تمہارا ناخوش ہونا بجا ہے راشد۔" اس نے راشد کو تولنے والی نظروں سے دیکھا۔

"اسے اکیلے رہتے ہوئے اتنے دن ہو گئے۔" مریم نے کہا۔ "اسی لیے میں اپنے ساتھ لے آئی۔ پتا نہیں کب سے ڈھنگ کا کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا۔" وہ مسکرائی۔ "میں ذرا دانیال کو دیکھ لوں، پھر کھانا پکاتی ہوں۔"

وہ چلی گئی۔ ٹھاکر راشد کو ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ "تم سے تو بہت باتیں کرنی ہیں۔" اس نے کہا۔ "تم نے کان کنوں کی فنڈز اسکیم کے بارے میں سنا۔ ہر کان کن ہفتے میں دو چاندی کے سکے فنڈ میں دے گا اور اگر وہ بیماری یا زخمی ہو جانے کی وجہ سے چھٹی پر مجبور ہوگا تو بطور امداد اسے ہر ہفتے سونے کا چھوٹا سکہ ملے گا۔ ذرا سوچو تو کیسا تحفظ کا احساس......"

یہ گفتگو اس وقت رکی جب مریم نے آ کر بتایا کہ اس نے کھانا لگا دیا ہے۔ ڈینی ان کے ساتھ ہی تھا۔ کھانے کے بعد وہ موضوعِ گفتگو بنا رہا۔

ڈینی اپنی عمر کے تیسرے سال میں تھا۔ وہ بہت ذہین اور پرکشش بچہ تھا۔ اس کی موجودگی میں راشد کی جیسے زبان سل گئی لیکن اسے بہت شدت سے خواہش تھی کہ اس سے باتیں کرے مگر بچہ اس سے کچھ پوچھتا تو اس سے جواب میں کچھ بولا نہ جاتا۔ بالآخر مریم، ڈینی کے احتجاج کے باوجود اسے سلانے کے لیے لے گئی۔

"یہ لڑکا بہت مضبوط قوتِ ارادی کا مالک ہے۔" راشد نے تبصرہ کیا۔

"میرا خیال ہے، اس معاملے میں وہ ماں پر پڑا ہے۔" ٹھاکر نے کہا۔ "اس کی ماں لاکھوں میں ایک ہے۔ وہ میرے اسکول میں پڑھاتی ہے، میری تقریروں کی تصحیح کرتی ہے۔ ضرورت پڑنے پر یونین کی میٹنگ تن تنہا سنبھال لیتی ہے۔ اس سے اچھی بیوی مجھ جیسے آدمی کو مل ہی نہیں سکتی تھی۔"

"ٹھیک کہتے ہو تم۔" راشد نے کہا۔

"ہاں تو ہم کان کنوں کے فنڈ کے متعلق بات کر رہے تھے۔" ٹھاکر نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میں نہیں سمجھتا کہ اس اسکیم پر کسی کو اعتراض ہوگا۔" راشد بولا۔ "سالم صاحب یونین کے مخالف ہیں لیکن وہ بھی مانیں گے کہ اس میں کان کنوں کی بہتری ہے اور ان کی جیب سے کچھ جا بھی نہیں رہا ہے۔"

☆......☆......☆

لیکن جب راشد کی اس سلسلے میں سالم سے بات ہوئی تو سالم کا ردعمل اس کے اندازے کے برعکس نکلا۔ "ہمارے ہاں ایسی کسی اسکیم کی ضرورت ہی نہیں۔" سالم نے تیز لہجے میں کہا۔ "ہمارے ہاں کام کے دوران میں حادثے کی شرح ہر کان کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ ویسے یہ آئیڈیا ہے کس کا......اس نام نہاد واعظ کا؟"

"جی ہاں۔ یہ آئیڈیا اسی کا ہے۔" راشد نے اعتراف کیا۔

"مجھے یقین تھا اس بات کا۔ یہ واعظ یہاں بڑی طاقت بننا چاہتا ہے۔ اس کے لیے وہ یونین کی سیڑھی استعمال کر رہا ہے۔ میں تو اسے زیادہ اہمیت نہیں دیتا لیکن دوسری کانوں کے مالک اسے کچلنے کی کوشش کریں گے اور اس عمل میں کوئی نہ کوئی بری طرح پسے گا۔ واعظ اتنا چالاک ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں بچا کر کام کرے گا۔ راشد، دھیان رکھنا۔ میں نہیں چاہتا کہ تم پس جاؤ۔"

"تو آپ کو اس فنڈ پر کوئی اعتراض نہیں؟"

"اعتراض تو ہے لیکن میں اپنے کان کنوں کو اس سے روکوں گا نہیں مگر یہ بھی گوارا نہیں کروں گا کہ وہ واعظ آ کر مجھے سمجھائے کہ مجھے کان کس انداز میں چلانی چاہیے۔"

"ایسا نہیں ہوگا سالم صاحب۔"

"سوچو لڑکے سوچو۔ تم انجن کے پاس سے ہٹتے ہو تو دماغ سے سوچنا چھوڑ دیتے ہو۔ خیر...... اب اس یونین کی نحوست کو ہٹاؤ۔ اپنے باپ سے جا کر کہو، مجھے نچلے لیول کا معائنہ کرنا ہے۔"

بعد میں راشد سوچتا رہا۔ سالم کے سامنے تو اس نے ٹھاکر کی وکالت کی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ وقت آنے پر ٹھاکر بے حد خطرناک آدمی ثابت ہوسکتا ہے۔ حارث اور اس کے ساتھیوں کے کالا پانی بھیجے جانے کے بعد یہ افواہ عام ہوگئی تھی کہ انہیں گرفتار کرانے کی سازش واعظ ٹھاکر کی تھی۔ حارث اور اس کے ساتھیوں کی کان کنوں میں مقبولیت ٹھاکر کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ انہیں گرفتار کرا کے سزا دلوا کے اس نے انہیں راستے سے ہٹا دیا تھا۔

مگر ذرا دیر بعد راشد نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ ٹھاکر نے یونین کے لیے اتنا کچھ کیا تھا۔ اس کے بعد اس پر شک کرنا بے انصافی تھی۔

شاید اپنی اس سوچ پر شرمندگی کی وجہ سے ......یا احساسِ جرم کی وجہ سے، بہرحال اس شام راشد بہادر پر سوار ہو کر سینٹ کلیئر گیا۔ واعظ اپنی اسٹڈی میں تھا۔ اس نے بڑی گرم جوشی سے راشد کا خیر مقدم کیا۔ "تمہیں دیکھ کر مجھے ہمیشہ خوشی ہوتی ہے راشد۔" اس نے کہا "میں تمہارے لیے چائے بناتا ہوں۔ مریم لڑکیوں کی شام کی کلاس لے رہی ہے۔" پھر اسے کچھ خیال آیا۔ "آج تمہارا ایک خط آیا ہے۔ تم نہ آتے تو کل مریم تمہیں یہ خط پہنچانے جاتی۔" اس نے میز کی دراز ٹٹولی اور ایک لفافہ نکال کر راشد کی طرف بڑھایا۔ "یہ لو......"

راشد نے خط لیا۔ لفافے پر سارہ کی تحریر پہچان کر اس کا دل خوش ہوگیا۔ اس نے لفافہ کھولا اور خط نکال کر پڑھنے لگا۔ اس کے جسم میں سنسنی سی دوڑ رہی تھی لیکن خط پڑھتے پڑھتے اس کے چہرے کا تاثر بتدریج بدلتا چلا گیا۔ خوشی حیرت میں بدلی اور پھر حیرت مایوسی میں۔

واعظ اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ "کیا کوئی بری خبر ہے؟"

راشد نے جواب دینے کے بجائے خط اس کی طرف بڑھا دیا۔ ٹھاکر پڑھنے لگا...... "ڈیئر راشد، میں نہیں بتا سکتی کہ یہ سب لکھنا میرے لیے کتنا تکلیف دہ ہے لیکن دیانتداری کا تقاضا ہے کہ میں ضرور لکھوں۔ تم جانتے ہو کہ میں سونا گاؤں میں کبھی خوش

نہیں رہی۔ مما ہمیشہ کہتی تھیں کہ یہ شادی ٹھیک نہیں ہے۔ اب مجھے بھی احساس ہوتا ہے کہ یہ سچ ہے۔ یہ شادی نہیں ہونی چاہیے تھی۔ میں نے تمہیں دکھ اور پریشانی کے سوا کچھ نہیں دیا۔ میں تو تمہیں اولاد بھی نہیں دے سکی۔ مجھے ڈر ہے کہ میرے آنسو اس خط کو دھو دیں گے لیکن مجھے لکھنا ہے۔ راشد...... میں اب کبھی تمہارا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔ تم اپنی زندگی اپنی پسند کے مطابق گزارنے کے لیے آزاد ہو۔ میں ہمیشہ تمہاری خوشیوں اور کامیابی کے لیے دعا کروں گی۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ سارہ!"

"اس خط کو اہمیت نہ دو راشد۔" واعظ ٹھاکر نے خط پڑھنے کے بعد کہا۔ "یہ خط خود سارہ کی ذہنی کیفیت کا ثبوت ہے۔ پتا نہیں، بیچاری پر کیا گزر رہی ہوگی۔"

راشد نے اسے خالی خالی نظروں سے دیکھا۔ "میں جانتا تھا کہ وہ یہاں ناخوش ہے لیکن نوبت یہاں تک......" وہ بات پوری کیے بغیر اٹھ کھڑا ہوا۔ "مجھے ڈریم جانا پڑے گا۔"

☆......☆......☆

راشد کی اچانک آمد پر ڈریم میں ہر شخص کا ردعمل مختلف تھا۔ ماریہ کی خوشی دیدنی تھی۔ بتول بیگم کا انداز کھلم کھلا معاندانہ تھا۔ سارہ نیچے موجود نہیں تھی۔ بتول بیگم نے واضح کر دیا کہ وہ کسی قیمت پر راشد کو اس کے کمرے میں جانے کی اجازت نہیں دیں گی۔ "مجھے اس کو وہ احمقانہ خط لکھنے کی اجازت ہی نہیں دینی چاہیے تھی۔" انہوں نے غصے سے لرزتے ہوئے کہا۔

"میں اس کا شوہر ہوں۔ اسے پورا حق ہے کہ وہ مجھے جو چاہے لکھے۔" راشد کو بھی غصہ آگیا۔ "آپ کون ہوتی ہیں اسے روکنے والی؟"

اسی وقت ریاض حسین آگئے۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟" انہوں نے کہا اور راشد کو لپٹا لیا۔ پھر وہ بتول بیگم کی طرف مڑے۔ "یہ ایسے شخص کے استقبال کا کون سا طریقہ ہے جو ساری رات گھوڑے کی پیٹھ پر تکلیف دہ سفر کر کے اتنی دور آیا ہو۔"

"یہ ایک ہفتے کا سفر کر کے آیا ہو تو بھی مجھے پروا نہیں۔" بتول بیگم بولیں۔ "یہ سارہ سے نہیں مل سکتا۔"

اسی لمحے دروازہ کھلا اور سارہ اندر آئی۔ وہ نارمل اور صحت مند لگ رہی تھی لیکن راشد کی صورت دیکھتے ہی سب کچھ بدل گیا۔ اس کا ہاتھ اپنے منہ کی طرف گیا۔ وہ جیسے

بت بن گئی۔ اس کی آنکھوں میں دہشت کا جو تاثر ابھرا، اس نے راشد کو دہلا دیا۔

''سارہ......'' راشد نے کہا اور ایک قدم آگے بڑھا۔ دہشت زدہ سارہ بدن چرانے لگی۔

''سارہ...... میں تمہیں نقصان تو نہیں پہنچاؤں گا۔ میں تو بس تمہیں دیکھنے کے لیے آیا ہوں۔'' راشد نے کہا۔

سارہ نے کسی گھرے ہوئے جانور کی طرح ادھر ادھر دیکھا جیسے راہِ فرار تلاش کر رہی ہو۔ اس کا چہرہ دہشت سے مسخ ہونے لگا۔ خدوخال بدل کر رہ گئے۔

''دیکھا تم نے؟ کیسے سہم گئی ہے میری بچی۔'' بتول بیگم نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔

''سارہ...... یہ میں ہوں، راشد۔''

سارہ پیچھے ہٹنے لگی۔ یہاں تک کہ دیوار سے جا لگی، پھر وہ دیوار سے لگی لگی دروازے کی طرف کھسکنے لگی۔

''سارہ...... راشد سے کیوں ڈرتی ہو۔ یہ تمہیں کوئی نقصان تھوڑا ہی پہنچائے گا۔'' ریاض حسین نے شفقت بھرے لہجے میں کہا۔

اب سب سارہ کو اپنے اپنے طور پر سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے اور سارہ کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کسی طوفان میں گھری ہوئی ہے۔ کھسکتے کھسکتے اس کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل سے ٹکرایا۔ اس نے ہینڈل گھمایا، دروازہ کھلا اور وہ نکل کر بھاگی۔ راشد اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا مگر بتول بیگم نے اسے پکڑ لیا۔ ''اس کا پیچھا چھوڑ دو۔ اسے تباہ کر تو دیا تم نے۔'' وہ غرائیں۔

''ٹھیک ہے۔ آپ کی بات ثابت ہوگئی لیکن یہ بتائیں، مجھے اس سے بات کرنے کا موقع کب ملے گا؟'' راشد کے لہجے میں تھکن تھی۔

''جب ڈاکٹر اور میں اجازت دیں گے۔''

راشد کی طبیعت بگڑنے لگی۔ رات بھر کی جاگ اور سفر کی تھکن کے بعد یہ کچھ دیکھنے اور سننے کو ملا تھا مگر سارہ کا ردِعمل دیکھنے کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش نہیں تھی۔ ''آپ مجھے یقین دلا دیں کہ وہ ٹھیک ہے تو میں ابھی واپس چلا جاؤں گا۔'' وہ بولا۔

''یہ کیا حماقت ہے۔ اتنے تھکے ہوئے ہو۔ آرام کرو۔ کھانا کھا کر جانا۔'' ریاض حسین کے لہجے میں شفقت تھی۔

''میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں انکل...... لیکن رکنا بیکار ہے۔''

اسی وقت اوپر سے ماریہ کی چیخ سنائی دی۔ ''مما...... پاپا...... آپی اپنے کمرے میں نہیں ہیں۔''

بتول بیگم جھپٹ کر اوپر گئیں۔ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آوازوں سے پتا چل رہا تھا کہ وہ ایک ایک کمرا دیکھ رہی ہیں۔ پھر وہ نیچے آئیں تو انہوں نے نفرت بھری نظروں سے راشد کو دیکھا۔ ''وہ اوپر نہیں ہے۔ میری بیٹی کو کچھ ہوا تو اس کے ذمہ دار تم ہو گے ملعون۔''

''بس بتول، بہت ہوگیا۔'' ریاض حسین بگڑ گئے۔ ''سارہ کو کیا ہوگا۔ وہ شاید باغ میں ہوگی۔''

وہ سب باہر نکلے۔ راشد کو ایک نظر میں بہادر کی غیر موجودگی کا احساس ہوگیا۔ اس نے بہادر کو گیٹ کے ساتھ باندھا تھا مگر اب وہ وہاں نہیں تھا۔ اس نے باہر نکل کر پوچھا۔ ایک بوڑھے نے بتایا کہ اس نے گھوڑے پر سوار ایک لڑکی کو مشرق کی طرف جاتے دیکھا ہے۔

راشد اور ریاض حسین جلدی سے گھوڑوں پر سوار ہوئے ''کہاں گئی ہو گی وہ؟'' ریاض حسین بڑبڑائے۔ ''تم دونوں کی کوئی فیورٹ جگہ بھی تھی؟''

''جی ہاں۔ پہاڑی کی طرف چلیے۔'' راشد نے چیخ کر کہا۔ ''خدا کرے، وہ ادھر نہ گئی ہو۔ وہ جگہ خطرناک ہے۔''

لیکن راشد کا اندیشہ حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔ پہاڑی پر بہادر گھاس چرتا نظر آیا۔ سارہ کا کہیں پتا نہیں تھا۔ راشد اس چھجے کی طرف لپکا جہاں سے وہ اکثر نیچے دریا کا نظارہ کرتے تھے۔

راشد تیزی سے ڈھلوانی راستے پر نیچے اترنے لگا۔ کئی بار اس کا پاؤں پھسلا اور وہ گرتے گرتے بچا۔ لمبی گھاس پکڑ کر لٹک نہ گیا ہوتا تو وہ سینکڑوں فٹ نیچے دریا میں جا گرتا۔

لیکن سارہ کا وہاں بھی نام ونشان نہیں تھا۔

ڈریم سے فاؤنڈری کے ملازم آ گئے۔ انہوں نے دریا کے کنارے میلوں تک چھانا لیکن سارہ نہیں ملی۔ دوپہر کو کسی نے دریا میں چٹانوں کے درمیان کوئی چیز الجھی ہوئی

دیکھی اور دوسروں کو بتایا۔ کچھ لوگ کشتی لے کر گئے۔ وہ واپس آئے تو سارہ کی لاش ان کے ساتھ تھی۔

☆......☆......☆

''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں بیٹے۔ سارہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی۔'' اپنے بہت بڑے دکھ کے باوجود ریاض حسین عالی ظرف انسان ثابت ہوئے۔ وہ الٹا راشد کو دلاسا دے رہے تھے جبکہ بتول بیگم چیخ چیخ کر اسے قاتل کہہ رہی تھیں۔ انہوں نے اسے سارہ کی تدفین میں بھی شریک نہیں ہونے دیا۔

راشد بہادر پر سوار ہو کر سونا گاؤں واپس چلا آیا۔ وہ ایک ٹوٹا ہوا شکست خوردہ انسان تھا۔ اس کے پاس اس خوبصورت لڑکی کی یادوں کے سوا کچھ نہیں تھا جو بمشکل ایک سال اس کی بیوی رہی تھی اور پھر دنیا چھوڑ گئی تھی۔ وہ ریاض حسین سے شرمندہ تھا۔ ان کی فیملی کے لیے وہ تباہ کن ثابت ہوا تھا۔

سارہ کی موت کے بعد وہ پوری تندہی سے کام میں مصروف ہو گیا۔ اس نے کان کے سب سے نچلے لیول کی گھٹن دور کرنے کے لیے ایک پمپ ڈیزائن کیا، پھر مزدوروں کو چڑھانے اتارنے والی لفٹ کو اور بہتر بنانے کی کوششوں میں لگ گیا۔ اسے لفٹ سے ملنے والی رائلٹی کی رقوم میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔

اس سال موسم سرما میں اور مسائل بھی کھڑے ہوئے۔ گندم کی درآمد اور برآمد کی حکومتی پالیسیاں برسوں سے مسائل کھڑے کر رہی تھیں۔ اس کا سب سے زیادہ نقصان کان کنوں کو ہو رہا تھا۔ اب بھی کان کن احتجاج کر رہے تھے۔ راشد بھی اس کاز میں تن من دھن کے ساتھ ان میں شامل ہو گیا۔

اس پورے سال راشد، ولیم ٹھاکر اور مریم پورے علاقے میں گھومتے رہے۔ جلسوں سے خطاب کرتے رہے۔ کان کنوں کی یونین اب ایک مسلمہ حقیقت تھی۔ اس کی وجہ سے اب جلسے بڑے ہوتے تھے۔ پچھلے جلسے میں تین ہزار کان کنوں نے ان کی تقریریں سنی تھیں۔

گھوڑوں پر بیٹھ کر واپس آتے ہوئے واعظ ٹھاکر نے راشد سے کہا ''میرا خیال ہے کہ پارلیمنٹ نے ہمارا کام پکا کر دیا ہے۔ گندم کی پالیسی کی وجہ سے کان کنوں میں وہ اتحاد پیدا ہوا ہے جس کا ہم خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ یہی صورتحال رہی تو ہم ان کی

بھلائی کے لیے سینکڑوں کام کر گزریں گے۔''

''لیکن ملیشیا والوں کو میدان میں اتارا گیا تو خون خرابا ہو گا۔'' راشد نے خدشہ ظاہر کیا۔

''بزدلی کی باتیں مت کرو۔ خون خرابا ہو گا تو عوام کی ہمدردیاں بھی تو کان کنوں کے ساتھ ہو جائیں گی۔ کاز کی خاطر تو خون بہانا پڑتا ہے۔'' ٹھاکر نے کہا۔

''یہ سب مرنے والوں کے لواحقین کو سمجھانے کی کوشش کرنا۔'' راشد نے خشک لہجے میں کہا۔

ٹھاکر نے راشد کو عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ ''کبھی کبھی میرے لیے تمہیں سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بھائی، ہم انقلاب کی باتیں کر رہے ہیں......اور انقلاب میں خون بھی بہتا ہے، لوگ مرتے بھی ہیں۔''

''میرا خیال ہے، ہمارے کاز ہی مختلف ہیں۔'' راشد نے پُرسکون لہجے میں کہا ''تم مستقبل میں کسی بڑی تحریک کا خواب دیکھ رہے ہو۔ تم وہ طاقت حاصل کرنا چاہتے ہو جس کا دباؤ پارلیمنٹ کو تسلیم کرنا پڑے۔ میں یونین ازم پر صرف کان کنوں کی بہتری اور سہولتوں کی خاطر یقین رکھتا ہوں۔''

''بہت قابلِ ستائش جذبات ہیں تمہارے لیکن ترقی پسندانہ نہیں ہیں۔''

راشد مسکرا دیا۔ ''تین برس پہلے تم خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ تمہارا جلسہ تین ہزار کارکن اٹینڈ کریں گے۔ اب یہ ہو گیا تو تم تیس ہزار کے خواب دیکھو گے۔''

''یہی زندگی ہے میرے دوست۔ ارتقا ضروری ہے۔'' ٹھاکر نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ ''مریم نے خرگوش کا قورمہ پکا رکھا ہے۔ کل کی فکر نہ کرو۔ کل آپ اپنا خیال کر لے گی۔''

کھانے کے بعد یہ موضوع پھر اٹھا۔ مریم اپنے شوہر کی ہوسِ اقتدار سے آگاہ تھی۔ اس نے ٹھاکر سے کہا ''جس روز تمہارے جلسے میں تیس ہزار افراد شریک ہوں گے، اس روز کیا ہو گا۔ تمہارا کیا خیال ہے، تم اپنے پیروکاروں کو کہاں تک لے جا سکتے ہو؟''

''سوری مریم۔ میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکا۔'' ٹھاکر نے کہا۔

''جلسے کرنا اور کان کنوں کا معیارِ زندگی بلند کرنے کے طریقوں پر بات کرنا اور بات ہے۔ یہ تو ایک پادری کا فرض ہے لیکن تیس ہزار آدمیوں کو لے کر مارچ کرنا ایک

مختلف بات ہے۔ اس کا ردِ عمل بھی مختلف ہوگا۔''

''میں مارچ نہیں کرنا چاہتا۔ میرا منصوبہ یہ ہے کہ کان کن پرامن طریقے سے بندرگاہوں کو بلاک کر دیں تاکہ غلہ باہر نہ جا سکے۔ یہ کوئی انصاف نہیں کہ ہم ترسیں اور غلہ برآمد کر دیا جائے۔''

''تمہارا خیال ہے کہ ایسا کر کے تم سب کو حیران کر دو گے؟ اس کی تشہیر ہو چکی ہے۔ خبر گرم ہے کہ اس علاقے میں ملیشیا کے دستے بھیجے جا رہے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھتا کہ پرامن کان کنوں کے خلاف طاقت کا استعمال عقل مندانہ ہوگا۔'' ٹھاکر نے کہا ''اس طرح تو تشدد کا راستہ ہموار ہوگا۔''

''نوبت یہاں تک پہنچے گی ہی نہیں۔ فوج آتے ہی لیڈروں کو گرفتار کر لے گی یعنی تمہیں اور راشد کو۔''

''مریم، تم بھی میری سمجھ میں نہیں آتیں۔'' ٹھاکر غصے میں اٹھ کر کھڑا ہوا ''تم کیا چاہتی ہو۔ میں ڈر جاؤں اور خود کو تحریک سے علیحدہ کر لوں؟''

''نہیں۔'' مریم نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''میں کہہ رہی ہوں کہ جلسوں میں اپنی تقریروں کو کان کنوں کی فلاح و بہبود تک محدود رکھو۔ باقی باتیں صرف لیڈروں کے درمیان ہونی چاہئیں۔''

ایک لمحے کو ایسا لگا کہ ٹھاکر گونگا ہو گیا ہے، پھر اس نے جوش سے میز پر گھونسا مارا ''راشد، مریم ٹھیک کہتی ہے۔ ہم اس انداز میں چلتے رہے تو انجام طے ہے لیکن میں تقریروں میں اعتدال کی تلقین کرتا رہوں تو ان کے پاس میری گرفتاری کا کوئی جواز نہیں ہوگا۔ ہمیں سنجیدگی سے ازسرِ نو منصوبہ بندی کرنی ہوگی۔''

☆......☆......☆

لیکن یہ تبدیلی لانا آسان نہیں تھا۔ جلسوں میں آنے والے کان کن غلے کی پالیسیوں پر بے باک تنقید کے عادی ہو چکے تھے۔ اور جارحانہ تقریروں کی توقع رکھتے تھے مگر اب لیڈروں کے لہجے بدل گئے۔ ان سے غلے کی پالیسیوں کے بارے میں سوال کیے جاتے تو وہ کنی کاٹ جاتے۔ البتہ سینٹ کلیئر کے چرچ میں لیڈر جمع ہوتے تو کچھ اور فیصلے ہوتے اور ماسٹر پلان کے سلسلے میں ہدایات دے کر قاصد ہر طرف دوڑائے جاتے۔

منصوبے پر خاموشی سے کام شروع کر دیا گیا۔ ایک زمیندار غلے سے بھرا ہوا

چھکڑا لے کر بندرگاہ پہنچا تو دو سو کان کنوں نے اس کا راستہ روک دیا۔ نہ زیادہ بحث ہوئی اور نہ تشدد کی نوبت آئی۔ زمیندار کان کنوں کے دلائل سے اتنا متاثر ہوا کہ وہ خود ہی چھکڑے کو منڈی میں لے گیا اور غلہ وہاں فروخت کر ڈالا۔ یہ پارلیمنٹ کے پاس کیے ہوئے قانون کی خلاف ورزی تھی۔

اگلے زمیندار کے ساتھ بھی یہی ہوا، پھر تو یہ سلسلہ چل نکلا۔ کان کنوں کی اس فتح کو پورے ملک میں سراہا گیا۔ سادہ لوح لوگوں کا خیال تھا کہ اب قانون میں ترمیم کر دی جائے گی لیکن پارلیمنٹ کچھ اور ہی سوچے بیٹھی تھی۔ فوج کے دستوں کو ہر بندرگاہ پر مامور کر دیا گیا۔ ملیشیا کے دستے سونا گاؤں اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں بھیج دیئے گئے۔

علاقے میں آنے والے دستوں میں مورون ٹریگو بھی تھا۔ وہ وہاں پہنچتے ہی اپنے بہنوئی واعظ ٹھاکر سے ملنے پہنچ گیا۔ مریم اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ فوج مورون کو خوب راس آئی تھی۔ وردی میں وہ بہت شاندار لگ رہا تھا۔ ولیم ٹھاکر نے خود کو پس منظر میں رکھا۔ بہن بھائی پرانی یادیں تازہ کرتے رہے۔ ٹھاکر بس مورون کا جام بھرتا رہا۔ مناسب موقع آتے ہی وہ گفتگو میں شریک ہو گیا۔

''تم نے فوج میں بہت دلچسپ زندگی گزاری ہے مورون۔'' ٹھاکر نے کہا۔ ''یہاں کی پرسکون زندگی تمہیں بور نہیں کرے گی؟''

مورون کے معدے میں اس وقت تک شراب کی خاصی مقدار اتر چکی تھی۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ ''ہم یہاں تفریح کے لیے نہیں آئے ہیں واعظ۔ فوجی مفت کی روٹیاں نہیں توڑتے۔''

''تو پھر فوج کی یہاں موجودگی کیا معنی رکھتی ہے؟''

''ہمیں بتایا گیا ہے کہ غلہ پالیسی کے خلاف احتجاج ایک بڑے انقلاب کی تمہید ہے۔ بغاوت ہے۔ حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش ہے لیکن ہم سازشیوں کو حیران کر دیں گے۔''

''مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔'' ٹھاکر نے نشے میں دھت سالے کو غور سے دیکھا۔ ''لیکن تمہاری رجمنٹ پورے ملک کو تو شکست نہیں دے سکتی۔''

''صرف ہماری رجمنٹ نہیں، ملیشیا اور نیوی والے بھی تیار ہیں۔ کان کن گندم

کی برآمد میں رخنہ ڈال رہے ہیں۔ اب ان سے سختی سے نمٹا جائے گا۔''

ٹھاکر نے دیکھا کہ مورون کی آنکھیں چڑھ رہی ہیں۔ اس نے مریم سے کہا ''مورون کو فاضل بیڈروم میں سلا دو۔''

مورون کے جانے کے بعد ٹھاکر مضطربانہ انداز میں ٹہلنے لگا۔ ''تو یہ بات ہے۔'' اس نے خودکلامی کے انداز میں کہا ''پارلیمنٹ کو انقلاب کا خوف ہے۔ انہوں نے اس علاقے میں فوج بھی بھیج دی ہے اور ملیشیا کے دستے بھی۔'' اس نے مریم کی طرف دیکھا۔ ''ایک بات طے ہے۔ مورون کو تحریک سے میری وابستگی کا علم نہیں ورنہ وہ اتنی بات نہ کرتا۔ اس کا مطلب ہے کہ میری پوزیشن صاف ہے۔ سب جانتے ہیں کہ میری دلچسپی صرف کان کنوں کی فلاح و بہبود میں ہے۔''

☆......☆......☆

فوجیوں نے جوابی طریقۂ کار متعارف کرایا۔ اب کاشتکاروں کو قریبی مجسٹریٹ کو مطلع کرنا ہوتا تھا کہ گندم ڈلیوری کے لیے تیار ہے۔ ملیشیا کے جوان اپنی نگرانی میں گندم سے لدے ہوئے چھکڑے ان گوداموں میں پہنچا دیتے تھے جو پہلے ہی کرائے پر حاصل کر لیے گئے تھے۔ گوداموں پر پہرا لگا دیا گیا تھا۔ گوداموں سے دستے کی حفاظت میں جمع شدہ گندم کو قریب ترین بندرگاہ پر پہنچا دیا جاتا تھا۔ یہ طریقہ کار اتنا موثر ثابت ہوا کہ حکومت نے پارلیمنٹ میں صورتحال قابو میں ہونے کا فخریہ اعلان کر دیا۔

یہ کان کنوں کی شکست تھی۔ وہ احتجاج کے متشددانہ طریقوں پر غور کرنے لگے۔

راشد پریشان ہو گیا۔ ''طاقت کے استعمال کا کوئی جواز نہیں ہے۔'' اس نے کان کنوں کے نمائندوں سے کہا۔ ''کم سہی لیکن تقریباً تمام لوگوں کو گندم میسر ہے۔''

اگر ٹھاکر نے ساتھ دیا ہوتا تو راشد کان کنوں کو قائل کرنے میں کامیاب ہو جاتا لیکن اب وہ راشد کی مقبولیت سے حسد کرنے لگا تھا۔ اس نے راشد کی اعتدال پسندی کو ٹھکرا دیا۔

شاید ان کے تعلقات کی سردمہری کے اور اسباب بھی تھے۔ مورون کے رخصت ہونے سے پہلے ٹھاکر اور مورون باغ میں ٹہلتے رہے تھے۔ ان کے درمیان بہت سی باتیں ہوئیں۔ ٹھاکر نے راشد کی ایجاد کا تذکرہ کیا۔ اس پر مورون نے تاسف کا اظہار کیا کہ واعظ کے راشد سے اچھے تعلقات ہیں۔ اس نے کہا کہ مریم اور راشد کے درمیان جذباتی

وابستگی ہے۔ اس کے پیش نظر واعظ کو راشد کو اپنے گھر سے دور ہی رکھنا چاہیے۔ پھر اس نے دھاکہ کیا ''میں نے اپنے آفیسرز کو باتیں کرتے سنا ہے۔ وہ راشد کو کان کنوں کی یونین کا بڑا لیڈر سمجھتے ہیں۔''

واعظ نے کہا تو کچھ نہیں لیکن مورون نے جذبۂ رقابت کو ہوا دے دی تھی جو واعظ کو پہلے ہی ستا رہا تھا۔

☆......☆......☆

اگست کے اواخر میں جینی شاول کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ شام ڈھل رہی تھی کہ گھر اطلاع آئی کہ جینی مرحلے میں ہے۔ فاطمہ نے جلدی سے شال میں خود کو لپیٹا اور گھر سے نکل آئی۔ راشد اس کے ساتھ تھا۔ ٹام شاول کے ہاں گاؤں کی کچھ عورتیں پہلے ہی سے موجود تھیں۔ مرد گھر کے باہر تھے۔ میری کریب آئی تو انہوں نے اسے راستہ دیا۔ دروازے پر پہنچ کر میری کریب یوں پلٹی جیسے کسی نے اسے آواز دی ہو۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور اس کی نظریں راشد کے چہرے پر جم گئیں۔ ''راشد سعید، تم اس گھر سے دور چلے جاؤ۔'' وہ چلائی ''ورنہ تمہاری نحوست اس بچے کو بھی لپیٹ میں لے لے گی۔ چلے جاؤ ورنہ میں زچگی نہیں کراؤں گی۔''

سب سناٹے میں آ گئے۔ ٹام شاول کبھی بدمزگی سے میری کریب کو دیکھتا اور کبھی معذرت طلب نظروں سے راشد کو۔ ''کوئی بات نہیں ٹام۔ میں جا رہا ہوں۔'' راشد نے کہا۔

''اس پگلی کو نظرانداز کر دو۔'' ایک کان کن نے کہا۔ ''آج پورا چاند ہے۔ پورے چاند کی راتوں میں اس کا دماغ الٹ جاتا ہے۔''

''ہاں، یہ پورا چاند ہے۔ ایک اور چاند پھر آئے گا۔ تب تم دیکھ لینا کہ میں پاگل ہوں یا نہیں۔'' میری کریب نے غصے سے کہا۔

''چھوڑو نا میری۔'' ایک اور کان کن بولا۔ ''راشد بیچارہ ویسے ہی پریشانیوں میں گھرا ہوا ہے۔ اس کے متعلق اچھی بات کرو کوئی۔''

''فائدے کا امکان ہوتا تو ضرور کرتی۔'' میری نے کہا۔ ''لیکن آدمی دوسروں کے پھڈے میں ٹانگ اڑائے گا تو دوسروں کے عذاب بھی جھیلے گا۔ بس اب میں کچھ اور نہیں کہنا چاہتی۔''

راشد بغیر کچھ کہے وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ میری ٹھیک کہہ رہی ہے۔ میری کی کوئی پیش گوئی آج تک غلط نہیں ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

اگلے روز فاطمہ نے راشد سے اس سلسلے میں بات کی۔ میری کریب کی پیش گوئی نے اسے بہت پریشان کر دیا تھا۔ ''یہ تمہاری یونین کا چکر سارے فساد کی جڑ ہے۔'' فاطمہ نے کہا۔ ''سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارا کیا بنے گا۔ تم شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ کون سی ایسی لڑکی ہے جو تم سے شادی نہیں کرنا چاہے گی۔ اچھی ملازمت ہے تمہاری، اچھا گھر ہے۔''

''مجھے گھر نہیں چاہیے۔ میں یہاں بھی رہ سکتا ہوں اور شادی میں کرنا ہی نہیں چاہتا کہ دوبارہ اس گھر میں جاؤں۔'' راشد بولا۔

اس گفتگو کے دوران میں سعید اپنی آرام کرسی پر بظاہر سو رہا تھا۔ اچانک وہ اٹھا اور کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ ''میں نے بھی بہت کچھ سنا ہے۔ یہ فوجی یونہی نہیں آئے۔ آؤ...... دیکھو ذرا۔''

راشد لپک کر کھڑکی کی طرف گیا۔ ساٹھ کے قریب فوجی مارچ کرتے ہوئے کارڈن کی طرف جا رہے تھے۔

''آؤ۔ کان کی طرف چلیں۔'' سعید نے کہا۔ ''میں فوجیوں کو اپنی کان سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔''

وہ باہر نکلے۔ انہوں نے پہاڑ پر چڑھ کر دیکھا۔ فوجی ان کی کان کی طرف نہیں، دھاتی پہاڑ نامی کان کی طرف جا رہے تھے۔ ''یہ تو اچھی بات نہیں۔'' راشد نے کہا۔ ''اگر دھاتی پہاڑ کے باغی کان کن زیر زمین نہیں چلے گئے ہیں تو یہ تصادم بھی ہو سکتا ہے۔''

''چلو...... جا کر کچھ کرتے ہیں۔'' سعید نے کہا۔

''آپ یہیں رکیں اور اپنے کان کنوں پر نظر رکھیں۔ میں دھاتی پہاڑ جاتا ہوں۔''

راشد نے کئی شارٹ کٹ لگائے۔ وہ بھاگا بھی لیکن فوجیوں سے پہلے دھاتی پہاڑ نہیں پہنچ سکا۔ فوجی دھاتی پہاڑ پر پہنچ کر پرغرور انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ ایک کان کن جا کر کیپٹن کو بلا لایا۔ کیپٹن نے آتے ہی کہا ''تم لوگ یہاں کس لیے آئے ہو؟

اپنے آدمیوں سے کہو کہ مشینری سے دور رہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہارا جانی اور ہمارا مالی نقصان ہو۔''

''ہمیں پانی کی ضرورت ہے......اور ایک ایسی جگہ کی جہاں بیٹھ کر میرے آدمی کھانا کھائیں اور تھوڑی دیر آرام کر لیں۔'' دستے کے انچارج نے کہا۔

''پانی تو مل جائے گا۔'' کیپٹن نے ایک لڑکے کو بلا کر دو بالٹی پانی لانے کو کہا۔ پھر وہ انچارج کی طرف مڑا۔ ''جہاں تک کھانے اور آرام کا تعلق ہے تو اس کی یہاں کوئی تک نہیں۔ میں اپنی کان میں کام کا حرج نہیں ہونے دوں گا۔''

''یہ تو بڑا غیر مناسب رویہ ہے۔'' دستے کے انچارج نے کہا۔ ''ہمارا تعلق بھی اسی ملک سے ہے بلکہ ہم میں سے ایک آدمی تو اس علاقے کا بھی ہے۔''

''میں مورون ٹریگو کو دیکھ چکا ہوں۔'' کان کے کیپٹن نے کہا۔ ''لیکن وہ فوجی وردی میں ہے۔ سادہ لباس میں ہم ضرور اس کا خیر مقدم کرتے۔''

''تو ٹھیک ہے۔ ہم دوسری کان کی طرف چلے جاتے ہیں۔'' انچارج فوجی نے کارڈن کی طرف اشارہ کیا۔ ''شاید وہاں کچھ مہذب لوگوں سے ملاقات ہو جائے۔''

''اپنا وقت ضائع مت کرو۔'' راشد نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ''وہاں بھی تمہاری وجہ سے کام کا حرج ہو گا اور یہ مناسب بات نہیں۔''

انچارج کی آنکھوں میں غصے کی چمک ابھری۔ ''کیا اس کان کے لوگ تمام کانوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔''

''میں یہاں کا نہیں ہوں۔ میرا نام راشد سعید ہے۔ میں سونا گاؤں کی کان میں انجینئر ہوں۔''

''راشد سعید؟ سنا ہوا نام ہے۔ خیر...... میں غیر مہمان نواز لوگوں سے خود بھی دور ہی رہنا چاہتا ہوں۔'' انچارج نے کہا۔ ''سارجنٹ، قطار لگواؤ۔'' پھر اس نے براہِ راست راشد کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''مجھے یقین ہے راشد سعید کہ عنقریب ہم پھر ملیں گے۔''

فوجی مارچ کرتے ہوئے پہاڑی کی طرف چلے گئے لیکن راشد کو یقین ہو گیا کہ تصادم اور تشدد کے دن قریب آ گئے ہیں۔

☆......☆......☆

اور وہ ستمبر کے اواخر کا ایک خوبصورت دن تھا۔ راشد انجن ہاؤس میں کام کر رہا

تھا۔ حمزہ کوئلوں سے لدی ہوئی ویگن لے کر آیا۔ ”کارڈن والے خود کو مصیبت میں پھنسا رہے ہیں۔“ اس نے ویگن سے اترتے ہوئے چیخ کر کہا۔

راشد فکر مند ہو گیا۔ ”کیا ہوا؟“

”انہوں نے کام چھوڑ دیا ہے اور بندرگاہ کی طرف گئے ہیں۔ کہتے ہیں گندم لے جانے والے جہاز کو رکوائیں گے۔ احمق کہیں کے۔“

”یہ کیا حماقت ہے۔“ راشد بڑبڑایا۔ ”انہیں معلوم ہے کہ وہاں فوج موجود ہے جو گولی چلانے سے نہیں ہچکچائے گی۔“

”راشد بابو، کان کن خود بھی لڑنے کا ارادہ لے کر گئے ہیں۔“ حمزہ نے بتایا۔

”واعظ ٹھاکر ان کے ساتھ ہے؟“

”وہ؟“ حمزہ نے حقارت سے کہا۔ ”وہ کفگیر ہے۔ صرف ہانڈی کو ہلاتا ہے۔ خود کبھی آگ پر نہیں بیٹھتا۔“

راشد کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ کان کن پیدل ہوں گے۔ اگر وہ گھوڑے پر جائے تو بندرگاہ پہنچنے سے پہلے انہیں روک کر سمجھا سکتا ہے۔ ”کتنی دیر ہوئی انہیں چلے؟“ اس نے پوچھا۔

”مجھے ایک گھنٹہ پہلے معلوم ہوا تھا۔ اب تک تو وہ خاصا فاصلہ طے کر چکے ہوں گے۔“

یعنی بندرگاہ پہنچنے سے پہلے انہیں روکنے کے امکانات کم ہیں مگر کوشش تو کی جائے۔ راشد نے سوچا۔ وہ کام چھوڑ کر گھر کی طرف بھاگا اور بہادر کو لے کر نکل کھڑا ہوا۔

کارڈن کے کان کنوں کی فکر کرنے والا وہ اکیلا نہیں تھا۔ ایک شخص اور بھی تھا۔ علی......! وہ اسے راستے میں بندرگاہ کی طرف جاتا ملا۔ وہ بھی گھوڑے پر تھا۔ راشد نے اس کے قریب پہنچ کر بہادر کی راسیں کھینچیں۔ ”علی...... کچھ پتا ہے، ان لوگوں کا منصوبہ کیا ہے؟“

”منصوبہ کیا، احمق کہتے ہیں کہ گندم جہاز پر لدنے ہی نہیں دیں گے۔ میرا خیال ہے، اس کے آگے انہوں نے کچھ سوچا ہی نہیں ہے۔“

”تم نے انہیں روکا کیوں نہیں؟ وہ تو تمہاری بات مانتے ہیں۔“

”میں کان کے ایک کام سے قصبے گیا ہوا تھا ورنہ ضرور سمجھاتا انہیں۔ واپس آیا

تو کان خالی پڑی تھی۔“ علی نے کہا، پھر پوچھا ”تمہیں کیسے پتا چلا؟“

راشد نے حمزہ کے بارے میں بتایا، پھر بولا ”کاش ہم اس خون خرابے کو روک سکیں۔“

اب وہ پہاڑی سے اتر رہے تھے۔ بندرگاہ قریب تھی۔ اچانک انہیں نعروں کی گونج سنائی دی۔ اندازہ ہوتا تھا کہ مجمع بہت بڑا ہے۔

بندرگاہ کی سڑکوں پر کان کنوں اور فوجیوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ راشد اور علی دوسرے راستے سے گودی کی طرف بڑھے۔ وہ بلندی پر تھے اور دور تک دیکھ سکتے تھے۔ صورتحال ان کی توقع سے زیادہ خراب تھی۔ کان کنوں کی تعداد سات سو سے کم نہیں تھی اور فوجی دستے میں گھڑسوار بھی تھے۔

گودی کے قریب غلے سے لدی پچاس ویگنیں کھڑی تھیں۔ زمیندار گھبرائے ہوئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ ویگنوں اور مشتعل کان کنوں کے درمیان فوجیوں کی قطار تھی۔ ہر فوجی کی بندوق تیار تھی۔ کچھ کان کن ایک فوجی افسر سے بحث کر رہے تھے۔ راشد نے اس افسر کو پہچان لیا۔ وہ وہی تھا جس سے اس کا دھاتی پہاڑ پر سامنا ہوا تھا۔

راشد نے گھوڑے کو آگے بڑھایا۔ ایک مجسٹریٹ کان کنوں کو بلوا ایکٹ کے بارے میں بتا رہا تھا۔ پھر اس نے اعلان کیا کہ وہ اس مجمع کو غیر قانونی قرار دیتا ہے۔ اگر وہ منتشر نہ ہوئے تو انہیں بلوائی سمجھا جائے گا۔ راشد گھبرا گیا۔ فائرنگ کا قانونی جواز بنا لیا گیا تھا۔ کاش...... وہ کسی طرح انہیں روک سکے۔

اچانک بحث کے دوران میں فوجی افسر نے ایک کان کن کا گریبان تھام لیا۔ کان کن نے اندھا دھند ہاتھ گھمایا۔ اس کے دو ساتھی بھی افسر پر پل پڑے۔

سارجنٹ کے لیے اتنا کافی تھا۔ اس نے چیخ کر حکم دیا۔ فوجیوں کی قطار میں ہر دوسرا فوجی گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور سنگین لگی بندوقیں کان کنوں پر تان لی گئیں۔ راشد کے کچھ کہنے یا کرنے سے پہلے ہی بندوقیں گرج اٹھیں۔ دھواں چھٹا تو سات آٹھ کان کن زمین پر گرے نظر آئے۔

مجمع میں شور مچ گیا۔ لوگ فوجیوں سے دور ہٹنے کی کوشش کر رہے تھے مگر عقب میں گھڑسوار دستہ ان کا راستہ روکے کھڑا تھا۔

راشد فوجیوں کی طرف بڑھا۔ ''خدا کے لیے......فائر نہ کرنا۔'' وہ چلایا لیکن اسے دیر ہوگئی تھی۔ کچھ اور گولیاں چلیں۔ کچھ اور کان کن گرے۔ راشد گھڑسوار دستے کے درمیان الجھ گیا تھا۔ فائر کی آواز سن کر بہادر بدکا اور ایک فوجی کے گھوڑے سے ٹکرا گیا۔ گھوڑے کا پاؤں پھسلا اور وہ گر گیا۔ سوار اس کے ساتھ تھا۔

اب راشد تنی ہوئی سنگینوں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ ایک سنگین اس کی پشت سے ٹکرائی اور اس کے کندھے میں درد کی تند لہر دوڑ گئی۔ بہادر لڑکھڑایا۔ راشد گھوڑے سے گر پڑا۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہوا تو اسے اپنے سامنے پندرہ فٹ دور وہ افسر کھڑا نظر آیا جو دھاتی پہاڑ پر ملا تھا۔ وہ زخمی تھا۔ اس نے راشد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا۔ ''اس آدمی کو پکڑ لو۔ گرفتار کر لو اسے۔''

مگر وہاں افراتفری مچی ہوئی تھی۔ ہر طرف کان کن، فوجی اور گھڑسوار دستے کے جوان آپس میں الجھے ہوئے تھے۔ راشد کو راستہ نظر آیا اور وہ اس کی طرف لپکا۔ عقب سے ایک بندوق گرجی۔ گولی راشد کے بائیں بازو میں لگی۔ اسی لمحے علی نمودار ہوا۔ وہ گھوڑے پر تھا اور اس کے ہاتھ میں بہادر کی باگیں بھی تھیں۔ ''راشد جلدی کرو۔ گھوڑے پر بیٹھ جاؤ۔'' اس نے پکارا۔

راشد نے رکاب پر پاؤں رکھا اور گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ اسے نہیں معلوم کہ وہ قصبے سے کیسے نکلا۔ اسے ہوش ہی نہیں تھا۔ بہادر، علی کے گھوڑے کے پیچھے دوڑا جا رہا تھا۔

پہاڑ میں ایک میل آگے جانے کے بعد انہوں نے راسیں کھینچیں۔ اس وقت تک راشد کی حالت تباہ ہو چکی تھی۔ اس کی پیٹھ میں آگ بھری ہوئی تھی اور بازو میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

''راشد......تمہارا تو برا حال ہے۔'' علی نے کہا ''نہر کے پاس رکنا۔ زخم دھونا ضروری ہے۔''

نہر کے پاس علی نے راشد کی قمیض اتاری اور اپنا رومال بھگو بھگو کر زخم صاف کرنے لگا۔ بازو جلدی صاف ہو گیا۔ گولی صرف گوشت کو پھاڑتی ہوئی گزری تھی۔ ہڈی محفوظ تھی لیکن پشت پر لگا سنگین کا زخم خطرناک تھا۔ بائیں کندھے سے لے کر کمر کے داہنے حصے تک ایک لمبا زخم تھا۔ ''گھر پہنچتے ہی ڈاکٹر کو دکھانا ہوگا۔ یہ زخم خراب ہے۔'' علی نے پریشانی سے کہا۔

''ڈاکٹر کوئی دور کا ہی ہو۔'' راشد نے کراہتے ہوئے کہا۔ ''اس افسر نے اپنے آدمی علاقے میں پھیلا دیئے ہوں گے۔ اس روز میں نے اسے اپنا نام بتایا تھا اور اس نے کہا تھا کہ سنا ہوا لگتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ گولی مجھے اتفاقاً لگی ہے۔''

''ارے......میں نے خود موورون ٹریگو کو تم پر گولی چلاتے دیکھا ہے۔'' علی نے کہا۔ ''سنو، وہ سونا گاؤں ضرور آئیں گے تمہارے لیے۔ تمہیں پھانسا گیا ہے۔''

''پہلے وہاں پہنچ تو جائیں پھر دیکھیں گے۔ تم پٹی باندھ سکتے ہو۔''

علی نے اپنی قمیص اتاری اور اسے پھاڑ کر جس حد تک ممکن تھا، زخم پر پٹی لپیٹ دی۔ کمر کا زخم دشوار ثابت ہوا۔ ''یہ زیادہ دیر ٹھہرے گی نہیں۔'' اس نے کہا۔

انہوں نے دوبارہ سفر شروع کیا۔ اب وہ نہر کے ساتھ ساتھ جنگل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جنگل تک پہنچتے پہنچتے راشد نڈھال ہو چکا تھا۔ ''اب تم گھوڑے پر نہیں بیٹھ سکتے۔'' علی بولا۔

''چند منٹ میں بہتر ہو جاؤں گا۔'' راشد نے دانت بھینچ کر کہا۔ وہ کوشش کر رہا تھا کہ تکلیف کو نظرانداز کر دے۔

تین میل اور چلنے کے بعد وہ سینٹ کلیئر کے قریب پہنچ گئے۔ ''ہم ان چٹانوں تک جائیں گے۔'' علی نے اشارہ کیا۔ ''پھر تم وہاں رکنا۔ میں ڈاکٹر کو لے آؤں گا۔''

وہاں پہنچ کر چٹانوں کے درمیان لیٹنے کے بعد راشد نیم بے ہوش ہو گیا۔ بہادر کی راسوں کو اس نے اپنے ہاتھوں پر لپیٹ لیا تھا۔ ''میں آدھے گھنٹے میں آتا ہوں۔'' علی نے جاتے ہوئے وعدہ کیا۔

''سینٹ کلیئر کے واعظ ٹھاکر کو اطلاع دے دینا۔''

رات ہو چکی تھی۔ راشد کی غنودگی ٹوٹی تو اس نے دیکھا آسمان پر پورا چاند نکلا ہوا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ علی کو گئے بہت دیر ہو چکی تھی۔ ضرور کوئی گڑبڑ تھی۔

پھر اسے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ وہ چٹانوں کا سہارا لے کر اٹھا لیکن احتیاطاً دبکا رہا۔ وہ احتیاط کام آ ہی گئی۔ بیس گز دور پگڈنڈی سے کچھ فوجی گزر رہے تھے۔ وہی یقیناً اس کی تلاش میں تھے۔ ان کے جانے کے بعد راشد جیسے تیسے بہادر پر سوار ہوا۔ اس مشقت کے نتیجے میں اس کے زخموں سے پھر خون رسنے لگا۔ وہ گھوڑے کو پگڈنڈی سے ہٹا کر چلاتا رہا۔ اس کا رخ والدین کے کاٹیج کی طرف تھا۔ اچانک بہادر

کے سم سے ٹکرا کر ایک پتھر لڑھکا......اور اس کے ردعمل سے ایک آواز سنائی دی۔ ''کون ہے؟'' وہ سمجھ گیا کہ فوجی اس کا راستہ گھیرے بیٹھے تھے۔

اس نے گھوڑے کو تیز دوڑایا۔ فوجیوں کو گھوڑے پر سوار ہونے میں ذرا سا وقت لگا مگر اس کے لیے یہ مہلت بہت کافی تھی۔ آگے جا کر اس نے گھوڑے کی رفتار کم کی اور اسے ایسے راستے پر چلایا جہاں ٹاپوں کی آواز نہ ابھرے۔ کچھ آگے جا کر اس نے چھلانگ لگائی اور گھوڑے سے اتر گیا۔ ''جاؤ بہادر'' اس نے گھوڑے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ''ذرا دوڑاؤ انہیں۔''

بہادر پوری رفتار سے دوڑ گیا۔

فوجی چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ کئی بار وہ ایک ایک کر کے وہاں سے گزرے جہاں وہ چھپا ہوا تھا۔ وقفہ ملا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے معلوم تھا کہ اسے کہاں جانا ہے۔ اسے پناہ گاہ کا رخ کیے برسوں ہو چکے تھے لیکن راستہ اب بھی اسے یاد تھا۔ وہ بغیر کسی دشواری کے وہاں پہنچ گیا۔ سرنگ میں گھاس لمبی ہو گئی تھی۔ پناہ گاہ میں پہنچ کر اسے کچھ ہوش نہ رہا۔

☆......☆......☆

علی نے واعظ ٹھاکر کے کاٹیج کا رخ کیا تھا۔ وہ سیدھا سادہ کان کن تھا ورنہ اتنے گھوڑے بندھے دیکھ کر ہوشیار ہو جاتا۔ اس نے نہایت اطمینان سے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ مریم نے کھولا جس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ ''واعظ ٹھاکر کہاں ہے؟'' علی نے بے تابی سے کہا ''مجھے اس سے ملنا ہے۔ راشد بری طرح زخمی ہو گیا ہے۔''

اسی لمحے مریم کے عقب سے اس کے باوردی بھائی مورون ٹریگو نے جھانکا۔ اگلے ہی لمحے علی قیدی بن چکا تھا۔ وہ اسے اندر لے گئے۔ مورون نے فاتحانہ لہجے میں کہا ''تو میرا فائر رائیگاں نہیں ہوا۔ یہ بتاؤ راشد کہاں ہے؟''

علی نے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔

''بے وقوفی مت کرو علی۔ عدالت میں یہ بتایا گیا ہے کہ تم نے راشد کو تحفظ دیا تو تمہارا کیس اور بگڑے گا۔''

''کیسی عدالت، کیسا مقدمہ۔ میں اور راشد کان کنوں کو سمجھانے لگے تھے۔'' علی نے احتجاج کیا۔

''تم تو یہی کہو گے۔'' مورون مسکرایا۔ ''حقیقت یہ ہے کہ تم دونوں ان کی رہنمائی کر رہے تھے۔ تم نے انہیں تشدد پر اکسایا۔''

''تم جھوٹے ہو مورون ٹریگو......اپنے باپ کے بیٹے جو ٹھہرے۔'' علی نے نفرت سے کہا۔ ''واعظ ٹھاکر کو بلاؤ۔ وہ گواہی دے گا کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔''

''میرے بہنوئی کا ان باتوں سے کیا واسطہ؟'' مورون نے عیاری سے کہا۔ ''جس وقت وہاں گڑبڑ ہو رہی تھی، وہ تو یہاں تھا۔ اپنے گھر میں اور اب وہ کان کنوں کو سمجھانے......دلاسا دینے گیا ہے۔ تم نے اور راشد نے ان بیچاروں کو اس احمقانہ ایڈونچر پر اکسایا تھا۔'' اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ ''اسے باندھ دو۔''

☆......☆......☆

وہ رات بڑی اذیت ناک تھی۔ اذیت نے اسے سونے نہیں دیا۔ دو بار اسے جھاڑیوں کے قریب گزرتے ہوئے سپاہیوں کی آوازیں سنائی دیں لیکن وہ اسے تلاش نہیں کر سکتے تھے۔

بالآخر اس کی آنکھ لگ گئی۔ وہ جاگا تو دن چڑھ چکا تھا۔ یہ سمجھنے میں اسے کچھ دیر لگی کہ وہ کہاں ہے۔ اسے اپنی کان کے انجن کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ زندگی رواں دواں تھی۔ سب کچھ پہلے جیسا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ اب اس کی زندگی کبھی پہلے جیسی نہیں ہوگی۔ سوتے ہوئے اس نے کروٹیں بدلی ہوں گی۔ زخموں سے خون رسنے لگا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ وہ بہت کمزور ہو گیا تھا......اپنی سوچ سے بھی زیادہ۔

بڑی مشکلوں سے پتھروں کے سہارے وہ اٹھا اور اس نے باہر سرنگ میں جھانکا۔ دور جھاڑیوں سے فوجی گزرتے نظر آئے۔ ان کا رخ دوسری طرف تھا لیکن راشد دن کی روشنی میں پناہ گاہ چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ وہ دوبارہ لیٹ گیا۔ اتنی سی دیر میں وہ نڈھال ہو گیا تھا۔

دن گزر گیا۔ سورج غروب ہو گیا۔ اچانک مریم آ گئی۔ سینٹ کلیئر پہنچنے والی خبروں نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ راشد کے گھوڑے کو سعید حسن کے کاٹیج کے قریب پکڑا گیا تھا۔

فوجیوں نے سعید کے کاٹیج کی تلاشی لی تھی لیکن وہ انہیں وہاں نہیں ملا تھا۔ ایک لمحے میں مریم سمجھ گئی کہ وہ کہاں ہوگا۔

وہ ساکت و صامت پڑا تھا۔ مریم گھبرا گئی کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں۔ وہ بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے کو چھوا تو پلکیں لرزیں اور اس کے ہونٹ ہلے۔ وہ کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''شش۔'' مریم نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ اس نے موم بتی جلا کر دراڑ میں رکھی۔ ''بولو مت، میں کھانا اور مرہم پٹی کا سامان لائی ہوں۔ کیا تم بہت زخمی ہو؟''

''پتا نہیں لیکن تم کیسے......؟''

''علی نے گرفتاری سے پہلے ہمیں بتا دیا تھا۔''

''گرفتاری؟ مگر اس نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ ہم تو کان کنوں کو روکنے کے لیے گئے تھے۔''

''تم دونوں پر کان کنوں کو بلوے اور تشدد پر اکسانے کا الزام ہے۔ علی کو کل مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔''

''مگر ٹھاکر تو جانتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میں نے ہمیشہ تشدد کی مخالفت کی ہے۔''

مریم کے چہرے کا تاثر بدل گیا۔ ''تم ولیم ٹھاکر سے کوئی اچھی امید نہ رکھو۔''

''لیکن اسے میرا ساتھ دینا چاہیے۔ وہ جانتا ہے کہ میں اور علی بے قصور ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ میں نے میٹنگ میں تشدد کی مخالفت کی تھی۔ وہ انہیں بتاتا کیوں نہیں؟''

''بتانے کا مطلب یہ اعتراف کرنا ہوگا کہ وہ بھی یونین لیڈر ہے۔ نہیں راشد، تم ولیم سے کوئی امید نہ رکھو۔ اسی طرح مایوسی سے بچ سکتے ہو۔'' مریم کے لہجے میں تلخی در آئی۔ ''اور وہ یہاں زیادہ دن رہے گا بھی نہیں۔ اسے مرکزی چرچ والوں نے وضاحت کے لیے طلب کر لیا ہے...... قابلِ اعتراض سرگرمیوں کی وجہ سے اور وہ چرچ کو چھوڑ کر بڑا لیڈر بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ خبر گرم ہے کہ پارلیمنٹ نے غلے کی برآمد مکمل طور پر روک دی ہے۔ یہ ولیم کے لیے بہت بڑی کامیابی ہے۔''

راشد ہل کر رہ گیا۔ ''تو کان کن درست تھے نا؟''

''نہیں۔'' مریم گیلے کپڑے سے نرمی کے ساتھ زخم کے گرد جمے ہوئے خون کی پپڑیاں صاف کر رہی تھی۔ ''پارلیمنٹ یہ فیصلہ بندرگاہ والے واقعے سے پہلے ہی کر چکی تھی۔ اگر کان کنوں نے بے صبری نہ کی ہوتی تو سات آدمی مرتے بھی نہیں۔'' اس نے

زخم صاف کر کے مرہم لگایا اور پٹی باندھ دی۔ پھر اس نے راشد کے سامنے کھانا رکھ دیا۔ راشد کو اچانک احساس ہوا کہ وہ بہت بھوکا ہے۔ وہ کھانا کھا چکا تو مریم نے پوچھا ''اور کیا کروں میں تمہارے لیے۔''

''تمہیں اتنا زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنے اور دانیال کے بارے میں سوچو۔ تم یہاں تک آ کیسے گئیں؟''

راشد کے منہ سے ڈیڈی کے بجائے دانیال سن کر مریم خوش ہوئی لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔ ''ماں کی طبیعت خراب ہے۔ میں ان سے ملنے سونا گاؤں آئی ہوں۔''

''خیر......تم خود کو اس چکر سے دور رکھو۔''

''چکر میں تو میں پڑ چکی ہوں۔ ولیم کو معلوم ہو گیا ہے کہ ہم لڑکپن ہی سے ایک دوسرے سے کتنے قریب تھے۔ پچھلے چند ماہ سے وہ رقابت کی آگ میں جل رہا تھا اور پھر اسے کان کنوں میں تمہاری مقبولیت اور عزت بھی بری لگنے لگی تھی۔ تم اس کے لیے خطرہ بن رہے تھے۔ مورون ہمارے ہاں آیا تو اس سے بہت باتیں ہوئیں۔ ایک روز مورون اپنے افسر کو بھی لے کر ہمارے گھر آیا تھا۔ میں کمرے میں گئی تو وہ باتیں کرتے کرتے چپ ہو گئے۔ وہ کہتے کہتے رکی، پھر بولی ''مجھے یقین ہے کہ تمہاری موجودہ مصیبت کا ذمہ دار ولیم ہی ہے۔ اسی لیے وہ تمہاری مدد بھی نہیں کر رہا ہے۔''

''لیکن اسے یہ تو نہیں معلوم تھا کہ میں بندرگاہ کی طرف دوڑ جاؤں گا۔'' راشد نے اعتراض کیا۔

''پتا نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے کسی ذریعے سے تمہیں خبر بھجوا دی ہو کہ بلوا ہونے والا ہے۔ جو لوگ تم سے واقف ہیں، جانتے ہیں کہ ایسی خبر پر تمہارا ردِعمل کیا ہوگا اور وہاں تمہارے پہنچنے کے بعد مورون اور اس کے افسر کے لیے تمہیں شکار کرنا کچھ مشکل نہیں ہوتا۔''

''نہیں مریم۔ ایسا تو کوئی بھی نہیں کر سکتا۔''

''تم نہیں کر سکتے۔ ولیم ٹھاکر کر سکتا ہے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''اب میں جا رہی ہوں۔ کل پھر کھانا لاؤں گی۔ نہیں بحث مت کرو، اس میں میری خوشی ہے۔''

وہ رات اور زیادہ اذیت ناک تھی۔ آدھی رات کو بارش شروع ہو گئی۔ وہ گیلے میں پڑا رہا۔ اگلے روز مریم آئی تو وہ بخار میں تپ رہا تھا۔ مریم نے چمچے سے دلیا کھلایا

لیکن اسے سردی چڑھ رہی تھی۔ جسم بری طرح لرز رہا تھا۔

''میں نے انکل جان کے ذریعے تمہارے بابا سے کہلوا دیا ہے کہ وہ تمہارے لیے زیادہ پریشان نہ ہوں۔'' مریم نے بتایا۔ ''لیکن راشد، تم یہاں نہیں رہ سکتے اور پھر علاج بھی ضروری ہے۔ تم صرف ایک جگہ جا سکتے ہو......اپنے گھر کیونکہ فوجی وہاں کی تلاشی لے چکے ہیں اور وہ تمہارے گھر کی نگرانی بھی نہیں کر رہے ہیں۔ اصطبل میں بھوسے کی کوٹھری ہے نا، تم وہاں چھپ سکتے ہو۔''

راشد نے تفہیمی جنبش دی۔

''ہم جنگل کے راستے چلیں گے۔ وہ زیادہ دور بھی نہیں پڑے گا۔ بس تم ہمت کرلو۔''

سرنگ سے نکلنا تو دشوار نہیں تھا۔ باہر نکل کر مریم نے اسے سہارا دیا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے تھوڑی دور چلے، پھر راشد گر گیا۔ مریم بھی گر گئی۔ ''سوری مریم، میرا خیال ہے، یہ ممکن نہیں۔''

''ہمت کرو، یہ تو کرنا ہی ہے ورنہ سپاہی تمہیں پکڑ لیں گے۔''

بڑی جدوجہد کرکے وہ اٹھا۔ اس بار گرنے سے پہلے اس نے پہلے کے مقابلے میں دگنا فاصلہ طے کیا تھا۔ ایسے ہی گرتے پڑتے وہ گھر پہنچ گیا جو کبھی اجاڑ فارم ہاؤس کہلاتا تھا۔ مریم نے سہارا دے کر قدم قدم کرکے اسے بھوسے کے ڈھیر پر چڑھایا۔ اوپر پہنچتے ہی وہ ڈھیر ہو گیا۔ ''میں نے کہا تھا نا۔'' مریم نے فخریہ لہجے میں کہا۔ ''ہم پہنچ گئے نا۔''

اس رات مریم کہیں بہت دور سے ایک شرابی ڈاکٹر کو پکڑ لائی۔ اس نے زخموں پر ٹانکے لگائے، مرہم پٹی کی۔ گولی کے زخم کی صفائی کے دوران میں راشد بے ہوش ہو گیا۔ اس ڈاکٹر کے طور طریقے پرانے تھے لیکن راشد کو بہرحال فائدہ ہوا۔ تیسرے دن وہ اٹھ کر کھڑے ہونے کے قابل ہو گیا۔ مریم بہت خوش تھی۔ ''آج تم پرانے والے راشد لگ رہے ہو۔'' اس نے کہا۔

''مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے۔''

صحن کی طرف سے آہٹ سن کر وہ دونوں بت بن گئے۔ قدموں کی آہٹ اصطبل کے دروازے پر آ کر رک گئی، پھر مورون ٹریگو کی آواز سنائی دی۔ ''ہمیں معلوم ہے راشد کہ تم یہاں ہو، خود ہی نیچے آجاؤ ورنہ میں اوپر آ کر تمہیں شوٹ کرکے بہت خوش ہوں گا۔''

مریم کی آنکھوں میں بے یقینی اور دہشت جھلکی۔ ''یہ میرا پیچھا کرتا ہوا آیا ہوگا۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''میں اس سے بات کرتی ہوں۔''

''نہیں۔'' راشد نے اس کا ہاتھ تھام لیا، پھر بلند آواز میں کہا ''مورون! تم جانتے ہو۔ میں یہاں اکیلا ہوں۔''

ایک لمحے کے توقف کے بعد مورون نے کہا ''اگر تم کہتے ہو تو ٹھیک ہی ہوگا۔''

''میں یہ کہہ رہا ہوں اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تم تلاشی کے نام پر میری پراپرٹی تباہ کرو۔''

''تو پھر نیچے آجاؤ۔''

''نہیں راشد......کوئی اور صورت بھی تو ہوگی۔'' مریم نے پھر سرگوشی کی۔

''میں جا رہا ہوں۔ تم ہمارے جانے کے بعد بھی تھوڑی دیر رکنا، پھر باہر نکلنا۔''

راشد سیڑھی کی طرف بڑھا۔ اس نے پکار کر کہا ''مورون میں آ رہا ہوں۔''

سپاہیوں نے نیچے اترتے ہی راشد کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے۔ وہ اسے گھسیٹتے اور مارتے ہوئے اصطبل سے باہر لائے۔ خوش قسمتی سے راشد کے زخم ان کی دست برد سے محفوظ تھے۔ اسے لے کر سعید کے کاٹیج کے سامنے سے گزرے تو دیکھنے والوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فاطمہ نے کھڑکی سے اسے دیکھا تو چیختی ہوئی باہر آئی۔ سپاہی اسے دھکے دے کر پیچھے ہٹا رہے تھے لیکن سعید کی دہاڑ نے انہیں روک دیا۔

''یہ ہمارا بیٹا ہے۔ اس کی ماں کو اس سے بات کرنے دو ورنہ کان کنوں کے اس علاقے سے زندہ واپس نہیں جاؤ گے۔''

ٹام شلڈل اور کچھ اور کان کن بھی آ گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ سپاہیوں کو اندازہ ہو گیا کہ چیلنج سچا تھا ''ٹھیک ہے مگر مختصر بات کرنا۔'' مورون نے

رعونت سے کہا۔

فاطمہ رو رہی تھی۔ راشد نے اسے دلاسا دیا۔ ''اماں...... میں مجرم نہیں ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''علی نے بھی مجسٹریٹ سے یہی کہا تھا'' فاطمہ روئے جا رہی تھی۔ ''لیکن انہوں نے اسے جیل بھیج دیا۔''

''عدالت میں سچ جھوٹ کا فیصلہ ہو جائے گا اماں۔ تم فکر مت کرو۔ مجھے جانے دو۔''

☆......☆......☆

دارالحکومت کی جیل ''جدید طرز'' کی تھی۔ بس وہاں بدبو بہت تھی۔ انسانوں کی، ان کے پسینوں کی، ان کی غلاظت کی اور ان کے خوف کی بدبو۔ ایک بڑی کوٹھڑی میں راشد، علی اور ان کے سامنے نو اور کان کن بند تھے۔ وہ سب اسی بندرگاہ میں گرفتار کیے گئے تھے۔

''مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی تمہیں یہاں دیکھ کر۔'' علی نے راشد سے کہا۔ ''میں دعا کرتا تھا کہ تم ان کے ہاتھ نہ آؤ۔ تمہارے زخم اب کیسے ہیں؟''

راشد نے علی کو سب کچھ بتایا۔ یہ سن کر کہ ممکن ہے ولیم ٹھاکر ہی ان کے مصائب کا ذمہ دار ہو، علی حیران نظر آنے لگا مگر فوراً ہی اس کے تاثرات بدل گئے۔ ''اب مجھے یاد آتا ہے جس کان کن نے مجھے بتایا تھا کہ مزدور کام چھوڑ کر بندرگاہ کی طرف گئے ہیں، اس نے یہ بھی کہا تھا کہ حمزہ کو تمہیں اطلاع دینے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ ممکن ہے اسے واعظ ٹھاکر نے ہی بھیجا ہو مگر کیوں؟ ٹھاکر یہ سب کچھ کیوں کرتا؟'' راشد نے کندھے جھٹک دیئے۔ جواب میں کچھ نہیں کہا۔

''خیر تم فکر نہ کرو راشد۔ ہمارے کان کن بھائی ہمیں جیل میں سڑنے نہیں دیں گے۔ وہ ٹھاکر کو ضرور کوئی قدم اٹھانے پر مجبور کر دیں گے۔'' علی نے اسے دلاسا دیا۔

''اس گمان میں مت رہو علی۔ جج ہمیں اور لوگوں کے لیے مثال بنا دے گا۔ ہم بری ہو گئے تو کان کنوں کو قانون اپنے ہاتھ میں نہ لینے کا سبق کیسے سکھایا جائے گا۔ نہیں علی، مان لو کہ ولیم ٹھاکر جیت گیا، ہم ہار گئے۔''

رات کو جیل کا بدبودار کھانا دیکھ کر راشد حیران بھی ہوا اور دکھی بھی۔ اس پر اسے اور دکھ ہوا کہ قیدی اس کھانے پر ٹوٹ پڑ رہے تھے۔ اس کے لیے آپس میں لڑ مر رہے تھے۔

اگلے روز راشد کو ڈھنگ کا کھانا ملا۔ گائے کا گوشت اور تازہ سبزی۔ اسے

حیرت ہوئی۔ جیلر نے اسے بتایا کہ اس کے لیے کھانا باہر سے بھجوایا گیا ہے اور یہ سالم کی عنایت ہے۔ کھانا اتنا تھا کہ راشد کے ساتھ علی نے بھی ڈٹ کر کھایا۔ پھر ڈاکٹر آیا، اس نے زخموں کی نئی ڈریسنگ کی اور اطمینان کا اظہار کیا کہ زخم بھر رہے ہیں، اسی دن ایک وکیل بھی آیا جسے سالم نے راشد کا کیس لڑنے کے لیے مقرر کیا تھا۔ اس کا نام روبن تھا۔

روبن کا اعتماد دیدنی تھا۔ خود اعتمادی جیسے اس کے بدن کے ہر مسام سے چھلک رہی تھی۔ ''اب مجھے شروع سے بتاؤ کہ درحقیقت ہوا کیا تھا؟'' اس نے کہا۔

راشد نے اسے سب کچھ تفصیل سے بتایا۔ روبن بڑے غور سے سن رہا تھا۔

''تمہیں یقین ہے کہ کوئی بات رہ نہیں گئی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں......میرا گھوڑا ایک سپاہی کے گھوڑے سے ٹکرایا تھا مگر اس میں میرے ارادے کا دخل نہیں تھا۔ میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ میں اپنا کام چھوڑ کر بندرگاہ صرف اس لیے گیا تھا کہ کان کنوں کو حماقت سے باز رکھوں۔''

''تو پھر تمہاری گرفتاری کے لیے اتنی سرتوڑ کوشش کیوں کی گئی؟''

''اس کی دو وجوہ ہوسکتی ہیں۔ ایک تو مورون ٹریگو۔ وہ شروع سے ہی مجھے ناپسند کرتا ہے، پھر ہمارے بڑوں کے درمیان دشمنی تھی۔ مجھ پر گولی اسی نے چلائی تھی۔ وہ فوج میں ہے۔''

''بہت خوب اور دوسری وجہ؟''

راشد نے اس فوجی افسر کے بارے میں بتایا جس سے اس کا ٹکراؤ دھاتی پہاڑ پر ہوا تھا۔ ''اسی نے مجھے گرفتار کرنے کا حکم دیا تھا۔''

روبن نے کچھ اور سوالات کیے، پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''معاملہ بہرحال سنگین ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بلوائیوں کا ہجوم تھا لیکن ہمارے پاس بھی دفاعی کیس خاصا دلچسپ ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔ کچھ اور معاملات دیکھنے ہیں۔'' جاتے جاتے وہ پلٹا۔ ''سالم صاحب بہت مہربان اور بڑے دل کے انسان ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''انہوں نے کہا ہے کہ تمہیں ہرممکن سہولت بہم پہنچائی جائے۔ میں تمہارے لیے الگ کوٹھڑی کا بندوبست کر رہا ہوں۔''

''میں سالم صاحب کا شکرگزار ہوں۔'' راشد نے کہا، پھر پوچھا ''کیا میں اس سہولت میں علی کو شریک کرسکتا ہوں؟''

''ہاں، کیوں نہیں۔''

دن ایک ہی انداز میں، ایک ہی رفتار سے گزرتے رہے۔ روبن یا علی کے وکیل کے سوا کوئی ملنے نہیں آتا تھا۔ راشد کے زخم مندمل ہو گئے، پھر انہیں پتا چلا کہ ان پر ایک اور الزام عاید کر دیا گیا ہے۔ ملک کی سلامتی کے ایکٹ کی خلاف ورزی اور غداری کا۔ اس سے پہلے حارث اور ان کے ساتھیوں کو اسی الزام کے تحت کالا پانی کی سزا ہوئی تھی۔

پھر ایک روز فاطمہ اور سعید اس سے ملنے آئے۔ فاطمہ دکھ سے نڈھال تھی۔ اس کی تیز وطراری ختم ہو چکی تھی۔ سعید بھی بجھا بجھا تھا۔ ان کے بعد سالم راشد سے ملنے آیا۔ وہ گورنر کی معیت میں آیا تھا۔ اس نے راشد کو ملنے والی سہولتوں پر اطمینان کا اظہار کیا۔ اس نے راشد کو یقین دلایا کہ وہ اس کے لیے سب کچھ کرے گا۔ ''لیکن یہ تباہی تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے۔'' اس کے لہجے میں غم وغصہ تھا۔ ''میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ تم کان کنوں کے معاملات میں خود کو مت الجھاؤ لیکن خیر......یہ دلچسپی تمہیں مجرم تو نہیں بنا سکتی۔ تم انجینئر ہو اور مجھے اپنی کان کے لیے تمہاری ضرورت ہے۔''

سالم کے جانے کے بعد راشد نے سوچا کہ بدلا کچھ بھی نہیں ہے، پھر بھی سالم کی آمد نے اسے خود اعتمادی بخشی تھی۔

مقدمے سے ایک روز پہلے راشد کے دو بہت خاص مہمان آئے......مریم اور دانیال۔ راشد انہیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ''تمہیں یہاں ہرگز نہیں آنا چاہیے تھا۔'' اس نے کہا۔ ''دانیال کے لیے یہ کوئی اچھا ماحول نہیں ہے۔''

مریم زبردستی مسکرائی۔ ''میرے خیال میں تو تمہارے لیے بھی یہ کوئی اچھا ماحول نہیں ہے۔''

وہ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر علی کو ایکسرسائز کے لیے لے جایا گیا۔ یہ سہولت بھی انہیں سالم نے دلوائی تھی۔ علی کے جانے کے بعد راشد نے مریم سے پوچھا ''ولیم کو تمہارے یہاں آنے کا علم ہے؟''

مریم نے نفی میں سر ہلایا۔ ''لیکن اس سے فرق بھی نہیں پڑتا۔ تمہاری گرفتاری کے بعد سے ہم اپنے اپنے انداز میں جی رہے ہیں۔''

''کیا مطلب؟ تم اسے چھوڑ آئی ہو؟''

''نہیں۔ ہم ایک ہی چھت کے نیچے رہے ہیں۔ بس رہ رہے ہیں۔''

"مریم۔ میں نہیں چاہتا کہ تم میری خاطر اپنی زندگی برباد کرو۔"

"سب صرف تم نہیں ہو راشد۔ ولیم کو معلوم تھا کہ میں نے اس سے محبت کی وجہ سے شادی نہیں کی ہے۔ ہاں، میں اسے پسند کرتی ہوں۔ اس کی عزت کرتی ہوں۔ اب اس نے وہ گنوا دی تو اب ہمارا ساتھ رہنا ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے مریم۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" مریم نے کہا۔ "میں اس حقیقت کو تسلیم کر چکی ہوں اور ولیم کی اپنی مصروفیات اس کے لیے بہت ہیں۔ میٹنگ میں ان کانوں کے عدالتی دفاع کی باتیں ہوتی ہیں جو اپنے آئیڈیلز کے لیے لڑ رہے ہیں مگر مجھے یقین ہے کہ تمہارے خلاف ولیم نے مورون سے مل کر سازش کی تھی۔ یہ یقین پختہ ہو چکا ہے۔"

"تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے اس کا؟"

"نہیں۔ ولیم یا مورون میں سے کوئی خود اعتراف کر لے تو بات اور ہے لیکن وہ ایسا کیوں کرنے لگے۔ یہ بتاؤ راشد، امکانات کیا ہیں؟"

راشد نے کندھے جھٹک دیئے۔ "میرا وکیل تو پُرامید ہے لیکن مجھے کوئی امید نہیں۔ تمام الزامات ثابت ہو گئے تو استغاثہ سزائے موت کا مطالبہ کرے گا۔" راشد نے بے نیازی سے کہا۔

مریم دہشت زدہ ہو گئی۔ اس کے ہونٹ لرزنے لگے۔ آنکھیں بھر آئیں۔ "یہ کیسے ممکن ہے۔ تم بے قصور ہو۔" وہ راشد سے لپٹ گئی۔ جسموں کا ردعمل ان کی محبت کے زندہ ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔

"مریم اب جاؤ اور کچھ بھی ہو، اپنا اور دانیال کا خیال رکھنا۔" راشد نے نرمی سے اسے خود سے علیحدہ کیا۔

☆......☆......☆

نومبر میں راشد، علی اور نو کان کنوں کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ انہیں ایک بڑے کٹہرے میں پابہ زنجیر رکھا گیا تھا۔ عدالت کا کمرا کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

جج کے بیٹھنے کے بعد پیش کار نے ملزموں کے نام پکارے اور الزامات سنائے۔ ملزموں سے فرداً فرداً پوچھا گیا۔ ان میں سے ہر ایک نے الزامات کو غلط اور بے بنیاد قرار دیا۔ پہلے ہی انکار پر لوگوں نے تالیاں بجائیں۔ اس پر جج نے تنبیہ کی کہ اگر عدالت کے

آداب کا خیال نہ رکھا گیا تو عدالت خالی کرا لی جائے گی اور سماعت بند کمرے میں ہوگی۔

ملزمان کو بیٹھنے کی اجازت دے دی گئی اور مقدمے کی باقاعدہ سماعت کا آغاز ہوا۔ "یہ بالکل سیدھا اور غیر پیچیدہ کیس ہے۔" وکیلِ استغاثہ نے کہا۔ "وقوعے سے پہلے راشد، سعید اور علی جیسے لوگ کان کنوں کو مسلسل اکسا رہے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کان کنوں کی یونین بنائی جو کہ سراسر خلافِ قانون ہے۔ انہوں نے غلے کی پالیسیوں کے بارے میں پارلیمنٹ سے کھلم کھلا اختلاف کیا۔ انہوں نے غیر قانونی اقدامات کے ذریعے پارلیمنٹ کو قانون تبدیل کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی۔ جس روز بندرگاہ پر بلوا ہوا، اس واقعے سے چند گھنٹے پہلے غلے کا قانون تبدیل کر دیا گیا لیکن اس روز بندرگاہ پر جو کچھ ہوا، وہ کسی وقتی اشتعال کا نتیجہ نہیں تھا۔ وہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا گیا تھا۔

"جنابِ والا! آپ کے سامنے کھڑے ملزمان میں دو کو چھوڑ کر سب سادہ لوح کان کن ہیں۔ راشد سعید اور علی، یہ دونوں کان کنوں کی برادری میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر اس غیر قانونی ہجوم کی قیادت کر رہے تھے۔ ہجوم کا مقصد انارکی پھیلا کر انقلاب کی راہ ہموار کرنا، حکومت کا تختہ الٹنا اور ریاست کے وفاق کو نقصان پہنچانا تھا۔ یہ ہے مختصر سا کیس۔ اب میں گواہوں کی مدد سے اسے ثابت کروں گا۔"

سب سے پہلے مجسٹریٹ کو بلایا گیا۔ اس نے بتایا کہ سینکڑوں کان کن شرارت پر آمادہ تھے۔ اس نے انہیں خبردار کر دیا تھا کہ ان کا مجمع غیر قانونی ہے۔ انہیں بلوائی قرار دیا گیا تھا۔

روبن نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے وکیل سے سرگوشی میں کچھ کہا۔ وکیل اٹھ کھڑا ہوا۔ "مسٹر فلپ مجھے یقین ہے کہ آپ نے بڑی جرات اور حوصلے سے کام لیا۔" اس نے گواہوں کے کٹہرے میں کھڑے مجسٹریٹ کو مخاطب کیا۔ "مطلب یہ ہے کہ آپ نے صورتحال کا تجزیہ پرسکون رہ کر بہت بہادری سے کیا۔ یہ درست ہے نا۔"

حیران مجسٹریٹ کی باچھیں کھل گئیں۔ "میری کوشش یہی تھی جناب۔"

"تو آپ نے ہجوم کا جائزہ بھی لیا ہوگا۔ وہ پیدل تھے یا گھوڑوں پر؟"

"وہ پیدل تھے۔"

"لیکن وکیلِ استغاثہ نے ابھی کہا کہ میرا موکل راشد سعید اور ملزم علی گھوڑوں پر

سوار تھے۔ اس کا مطلب ہے جس وقت آپ نے مجمع کو خبردار کیا، یہ دونوں وہاں موجود نہیں تھے یعنی یہ دونوں اس غیر قانونی مجمع کا حصہ نہیں تھے؟''

''جی......وہ......ممکن ہے، یہ پیچھے رہ رہے ہوں۔''

''بہرحال آپ نے تو انہیں نہیں دیکھا؟''

مجسٹریٹ نے مجبوراً تسلیم کیا کہ اس نے انہیں نہیں دیکھا تھا۔

اس کے بعد کان کنوں کے وکیل نے مجسٹریٹ پر جرح کی اور اس سے کہلوا لیا کہ مجمع میں نظم و ضبط تھا۔ مجسٹریٹ نے اس کی تردید کی کوشش کی لیکن اسے خود بھی اپنے دلائل کے بے وزن ہونے کا احساس تھا۔

پھر سپاہیوں نے گواہی دی۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے افسر کو مجمع سے بچانے کی غرض سے انہیں فائرنگ کا حکم دیا گیا تھا۔ یہی نہیں، انہیں اپنے دفاع میں بھی گولی چلانی پڑی ورنہ مجمع ان کے لیے خطرناک ثابت ہوتا۔ ان کی گواہی موثر ثابت ہوئی۔ اس سے وہی اختلاف کرسکتا تھا جو موقع پر موجود رہا ہو۔

گھڑسوار دستے کی گواہی اور زیادہ تباہ کن تھی۔ وہ جس وقت پہنچے، راشد اور علی مجمع کا حصہ بن چکے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ راشد نے ان پر حملہ کیا تھا اور اسے گھوڑے سے گرا دیا تھا۔ اس کا اصرار تھا کہ وہ اتفاق نہیں تھا، راشد نے دانستہ اس پر حملہ کیا تھا۔

راشد کے وکیل نے جرح کرتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا میرا موکل مسلح تھا؟''

''میرا خیال ہے، نہیں۔'' گھڑسوار دستے کے جوان نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''اس کے باوجود تم نے اس پر سنگین تانی اور پھر بھی تم کہتے ہو کہ نہتا ہونے کے باوجود وہ ایک مسلح فوجی پر حملہ آور ہوا۔''

''جی ہاں جناب۔ اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا تھا۔''

''خود کو تمہاری سنگین کے وار سے بچانے کے لیے اٹھایا ہوگا۔''

''نہیں جناب، اس نے باقاعدہ مجھ پر حملہ کیا۔''

''اس صورت میں وہ پاگل ہی کہلائے گا کہ ایک مسلح اور حملے کے لیے تیار فوجی پر ہاتھ اٹھانے کی غلطی کرے اور میں یہ ثابت کر دوں گا کہ وہ نہ پاگل ہے نہ بے وقوف۔'' وکیلِ صفائی نے کہا۔

اگلا گواہ مورون ٹریگو تھا۔ اس نے حلفیہ بیان دیا کہ کان کن بندرگاہ پہنچے تو راشد ان کے ساتھ موجود تھا۔ وہ کان کنوں کو فوجیوں پر حملہ کرنے پر اکسا رہا تھا۔ اس نے اسے گھڑسوار فوجی پر حملہ کرتے بھی دیکھا تھا اور جب وہ ایک اور فوجی پر حملہ کرنے والا تھا تو اس نے یعنی مورون نے اس پر گولی چلا دی جو ملزم راشد کے بازو میں لگی۔

وکیلِ صفائی نے جرح کرتے ہوئے مورون سے پوچھا۔ ''کیا یہ درست ہے کہ تم ملزم راشد کو بچپن سے جانتے ہو؟''

''جی ہاں، ہمارے گھر قریب قریب تھے۔''

''تم اسے پسند کرتے تھے؟''

مورون نے کندھے جھٹک دیئے۔ ''پسند بھی نہیں کرتا تھا اور ناپسند بھی نہیں کرتا تھا۔''

''اوہ۔ تمہاری یادداشت کچھ اچھی نہیں ہے مورون ٹریگو۔'' وکیل نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''کیا تم اپنے باپ کی موت کا ذمہ دار راشد کے باپ کو نہیں سمجھتے۔''

''بالکل سمجھتا ہوں۔''

''اور تمہارے باپ نے اس لڑکی کی آبرو لوٹی تھی جو راشد کے گھر میں رہتی تھی۔'' وکیل نے کہا۔ ''اس واقعے کے بعد تمہارا باپ اپنے پیچھے آنے والوں سے گھبرا کر بھاگا تھا اور پاؤں پھسلنے کی وجہ سے ایک متروک کان میں گر کر مر گیا۔''

''جی نہیں۔ وہ گرا نہیں تھا، اسے دھکا دیا گیا تھا۔'' مورون نے تند لہجے میں کہا۔

''تمہارے پاس اس کا کوئی ثبوت ہے؟ تمہارے باپ کے قاتلوں پر مقدمہ چلا؟ انہیں سزا ہوئی؟''

''نہیں، لیکن واقعہ یہی ہے۔''

''یہ تو تمہارا خیال ہے بلکہ قیاس ہے۔ خیر، اس کے باوجود تم کہتے ہو کہ تم راشد کو ناپسند نہیں کرتے جبکہ تمہارے گمان کے مطابق وہ تمہارے باپ کے قاتل کا بیٹا ہے؟''

اس بار مورون ٹریگو نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''خاموشی لفظوں کے مقابلے میں زیادہ چیختی ہے۔'' وکیل نے کہا۔ ''سچ یہ ہے کہ تم نے اس روز راشد سعید کو کان کنوں کے ساتھ آتے نہیں دیکھا۔ سچ یہ ہے کہ اگر تم سچے

گواہی دو تو تمہیں یقین ہے کہ راشد بری ہو جائے گا' بلکہ اگر تم اس روز کے واقعات سچ سچ بیان کرو تو عدالت راشد کو سراہے گی کہ اس نے خون خرابہ روکنے کی مخلصانہ کوشش کی تھی۔''

''جی نہیں...... یہ درست نہیں ہے۔'' مورون نے کہا لیکن اس کی آواز عدالت میں موجود کان کنوں کے نعروں میں ڈوب گئی۔

''کوئی اور گواہ تمہارے بیان کی تائید نہیں کرتا۔'' وکیل نے آخری ضرب لگائی ''حالانکہ وہاں فوجیوں کے دو دستے تھے۔''

مورون کے بیان کے بعد جج نے سماعت اگلے روز تک کے لیے روک دی۔

جیل واپس آتے ہوئے ملزم پر امید تھے۔ انہیں یقین تھا کہ پبلک کی ہمدردیاں جیوری کے اراکین کو متاثر کریں گی لیکن اگلے روز جب دفاع نے کیس پیش کیا تو راشد کی سمجھ میں آ گیا کہ ان سے ہمدردی رکھنے والے چند ایک ہی ہیں۔

کٹہرے میں موجود ملزموں میں سے صرف راشد کا بیان سنا گیا۔ اس نے بتایا کہ کس طرح وہ اور علی مزدوروں کو روکنے کی نیت سے بندرگاہ پہنچے۔ راشد نے بتایا کہ اس کا گھوڑا فوجی کے گھوڑے سے ٹکرا گیا تھا۔ محض گھوڑے کے بدکنے کی وجہ سے اور اس کے نتیجے میں فوجی گر گیا تھا۔ اس نے گھڑ سوار فوجی کے بیان کو غلط اور بدنیتی پر مبنی قرار دیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ ایک افسر سے کان کنوں کی ہاتھا پائی کے سوا اس نے کان کنوں کو تشدد پر آمادہ ہرگز نہیں دیکھا۔

اس کے انداز کا سکون اور لہجے کی سچائی بے حد متاثر کن تھی۔ وکیلِ استغاثہ نے اس پر جرح شروع کی۔ ''راشد سعید، تم نے کہا کہ جب تمہیں کان کنوں کے اقدام کا پتا چلا تو تم افراتفری میں بندرگاہ کی طرف لپکے یعنی تمہیں علم تھا کہ تم ان سے بات منوا سکو گے؟''

''مجھے امید تھی کہ وہ میری بات مانیں گے۔'' راشد نے جواب دیا۔

''کیونکہ وہ پہلے بھی تمہاری بات مانتے رہے تھے۔ اسی وقت سے جب تم ان کے جلسوں میں ان سے خطاب کرتے تھے۔''

''میں نے بہت کم جلسوں سے خطاب کیا ہے۔''

''کیا یہ درست نہیں کہ کان کن تمہیں اپنی یونین تحریک کا لیڈر سمجھتے ہیں؟''

''یونین کان کنوں کی ہے۔ ہاں، میں کبھی کبھی اس سے خطاب کرتا رہا ہوں۔''

''شکریہ، گویا ہم متفق ہیں۔ تم اس نام نہاد یونین کے لیڈر ہو۔ اب ہم آگے چلتے ہیں۔ تو تم مزدوروں کو اس اقدام سے روکنے کی بے سود کوشش میں بندرگاہ آئے تھے جسے تم اب احمقانہ سمجھتے ہو۔ ٹھیک ہے؟''

''جی ہاں۔''

''لیکن جب تم نے دیکھا کہ وہ گندم سے لدی ویگنیں لوٹنے پر تلے ہوئے ہیں تو تم بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے؟''

''یہ غلط ہے۔''

''اور جب تم نے دیکھا کہ گھڑ سوار دستے کان کنوں کی راہ میں حائل ہیں تو تم نے خود حملہ کر کے کان کنوں کو تشدد پر اکسایا؟''

''یہ غلط ہے۔ میں اصل بات بتا چکا ہوں۔''

''اگر میں اور جیوری تمہاری بات پر یقین نہ کریں مسٹر راشد سعید تو برا مت ماننا۔''

اس کے بعد ملزموں کے چال چلن کی تصدیق کرنے والے گواہ پیش کیے گئے۔ کارڈن کے دو شیئر ہولڈرز نے عدالت کو بتایا کہ علی ایک بے حد ذمہ دار اور اصول پرست انسان ہے۔ راشد کے لیے گواہی دینے والوں میں سالم پہلا تھا۔ اس نے اپنے مخصوص دو ٹوک انداز میں راشد پر لگائے گئے الزامات کو بے بنیاد اور مضحکہ خیز قرار دیا۔ ''راشد ایک اعلیٰ درجے کا انجینئر ہے۔ کان کنوں کے تحفظ کے لیے اس نے عملاً جو کچھ کیا ہے، اسے ملک میں ہی نہیں، بیرونِ ملک بھی سراہا جا رہا ہے۔ اس نے مزدوروں کو کان میں لے جانے کے لیے جو لفٹ بنائی ہے، وہ کان کنوں کے تحفظ کے معیار کو کہیں کا کہیں پہنچا دے گی۔ یہ لفٹ اس کے نام پیٹنٹ ہے۔ وہ ہر اعتبار سے ایک معزز شہری ہے۔ میں نے کبھی اسے تشدد کی تلقین کرتے نہیں دیکھا۔ کان کنوں کی یونین میں اس کی دلچسپی محض انسان نوازی کی وجہ سے ہے۔ اس سلسلے میں میری اس سے بات بھی ہوئی تھی۔ میں جانتا ہوں کہ اسے کان کنوں کی فلاح و بہبود کے سوا کسی چیز میں دلچسپی نہیں۔''

اگلے گواہ انصاف فاؤنڈری کے ریاض حسین تھے۔ ان کی مسکراہٹ میں راشد کے لیے ہمدردی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ راشد اچھا انجینئر ہے اور اس کے سامنے روشن

مستقبل ہے۔

''آپ کا ملزم سے گہرا تعلق ہے؟''

''جی ہاں، یہ میرا داماد تھا۔''

''تھا؟''

''جی، میری بیٹی زچگی کے دوران میں ختم ہو گئی۔ بچہ بھی نہیں جی سکا تھا۔''

اس پر جیوری کے اراکین نے راشد کو ہمدردانہ نگاہوں سے دیکھا۔

''گویا بیوی اور بچے کی موت کے بعد ملزم تنہائی کا شکار ہے۔ ایسے میں ذہین لوگ مصروفیت تلاش کرتے ہیں تاکہ تنہائی کا احساس انہیں نہ ستائے۔ کوئی کاز...... مثلاً کان کنوں کی یونین۔''

''جی نہیں۔ تشدد اس کے مزاج میں ہے ہی نہیں۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔ شکریہ مسٹر حسین۔''

استغاثہ نے ریاض حسین پر جرح کی لیکن کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا۔ پھر استغاثہ کے وکیل نے اپنا کیس مکمل کرتے ہوئے اختتامی خطاب کیا۔ ''می لارڈ اور اراکین جیوری، یہ ایک سنگین نوعیت کا مقدمہ ہے۔ آپ نے گواہوں کے بیانات سنے۔ اس میں ایک یونین ملوث ہے جو خود کو قانون سے بالاتر سمجھتی ہے۔ جو اپنی مرضی، اپنے فیصلے دوسروں پر تھوپنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ جرم درحقیقت ہمارے قوانین، ہمارے طرز زندگی اور سوسائٹی کے ڈھانچے پر حملے کا ہے۔ گواہوں کے بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ ملزمان نے مشتعل ہجوم کے ساتھ بندرگاہ کی طرف مارچ کیا۔ انہیں علم تھا کہ وہاں فوج موجود ہے۔ یہ جانتے تھے کہ تصادم ہی ہوگا۔ ان کے اس عمل کی وجہ سے انسانی جانیں بھی ضائع ہوئیں اور لوگ بھی زخمی ہوئے۔

''راشد سعید نے تسلیم کیا کہ وہ یونین کے جلسوں سے خطاب کرتا رہا ہے۔ کان کنوں کی میٹنگز میں بھی شریک ہوتا رہا ہے۔ اس نے یہ اعتراف نہیں کیا کہ کان کنوں کے بندرگاہ تک مارچ کی سازش کا وہ ذمہ دار ہے لیکن کوئی ہوش مند انسان اس کا اعتراف کر بھی نہیں سکتا۔ اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ حقیقت آپ پر روشن ہو چکی ہے۔ راشد کا ساتھی علی سادہ لوح ہے لیکن راشد کی طرح مجرم وہ بھی ہے۔ یہاں موجود تمام ملزمان درحقیقت مجرم ہیں۔''

وکیل صفائی نے جوابی تقریر میں کوئی نئی بات نہیں کی۔ صرف اپنے دلائل دہرائے۔ پھر راشد کا وکیل روبن جوابی تقریر کے لیے اٹھا۔ ''می لارڈ، میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ صرف ان حقائق کا تذکرہ کروں گا جو مقدمے کی کارروائی کے دوران میں ابھر کر سامنے آئے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ 24 ستمبر کو بندرگاہ پر نقضِ امن اور بلوے کی صورتحال پیدا ہوئی۔ مجسٹریٹ جس نے مجمع کو سمجھایا کہ وہ قانون کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور انہیں منتشر ہو جانا چاہیے، آپ نے وہاں راشد سعید کو نہیں دیکھا۔ یہ ذہن میں رکھیں کہ مجسٹریٹ مضبوط اعصاب کا ایک ہوش مند انسان ہے۔ گویا اس وقت راشد سعید وہاں نہیں تھا۔

آپ سوچیں کہ سپاہیوں نے اپنے بیانات میں وہاں اس کی موجودگی کا تذکرہ کیا ہے مگر میں اس سے اختلاف کروں گا۔ میں انہیں جھوٹا نہیں کہتا۔ بات اتنی سی ہے کہ اس خراب صورتحال میں وہ سب کنفیوژ تھے۔ ان کی تعداد کم تھی اور کوئی بھی فوجی نہتے عوام پر گولی چلانا پسند نہیں کرتا۔ کاش...... انہوں نے راشد کو کان کے اس مجمع کو سمجھانے کا موقع دیا ہوتا۔

راشد سعید کان کنوں کو احمقانہ اقدام سے باز رکھنے کی نیت سے بندرگاہ گیا تھا لیکن اسے وہاں پہنچنے میں کچھ دیر ہو گئی۔ اس سوچ اور اس کا یہ عمل اس کی شخصیت کے عین مطابق ہے۔ اس کی کان کا مالک تک یہ کہتا ہے کہ وہ صرف کان کنوں کی فلاح و بہبود میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اگر راشد تشدد کا حامی ہوتا تو ان کی کان کا مالک کبھی اس کے حق میں بات نہ کرتا۔ محض انسانی ہمدردی راشد کو کان کنوں کی بہبود میں دلچسپی پر اکساتی ہے ورنہ وہ خود انجینئر ہے...... معاشرے کا ایک معزز فرد۔ اس کے سابق سسر نے جو خود بہت بڑے انجینئر ہیں، گواہی دی ہے کہ وہ بہت اچھا انجینئر ہے جس سے مستقبل میں بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔ معزز جج اور اراکینِ جیوری، اب آپ کو اس شخص کے بارے میں فیصلہ کرنا ہے جو بہت اچھا انجینئر ہے۔ جسے کان کنوں سے ہمدردی ہے۔ وہ ان کے دکھوں پر کڑھتا ہے۔ اس کی ذاتی زندگی میں دکھ ہی دکھ ہیں مگر وہ انہیں بھول کر عام اور غریب لوگوں کے دکھ دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیا ایسے شخص سے آپ ان کاموں کی توقع کر سکتے ہیں جن کے الزام اس پر عاید کیے گئے ہیں جبکہ وہ اس کی شخصیت سے

متصادم ہیں۔ میں آپ سے صرف انصاف چاہتا ہوں اور انصاف کا تقاضا ہے کہ راشد سعید اس عدالت سے ایک آزاد اور معزز انسان کی طرح رخصت ہو۔ وہ اس کا مستحق ہے۔''

عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ جج نے جیوری کے اراکین کے لیے مقدمے کے حقائق سنائے۔ وہاں کوئی گڑبڑ تھی۔ اس نے دفاع کے نکتۂ نظر سے بعض بہت اہم حصے چھوڑ دیئے اور بعض پر زور نہیں دیا۔ لگتا تھا اپنے طور پر وہ کیس کا کچھ اور فیصلہ کر چکا ہے۔

جیوری کے اراکین کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ انہوں نے ایک گھنٹہ لگایا۔ ''اراکینِ جیوری، آپ کسی نتیجے پر پہنچ گئے ہیں؟'' جج نے پوچھا۔

''جی ہاں، می لارڈ۔'' جیوری کے فورمین نے کہا۔

''عدالت کو بتائیں کہ آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔''

''بلوے کی نیت سے اکٹھا ہونے کے الزام سے راشد سعید اور علی مبرا ہیں۔ باقی سب مجرم ہیں۔''

پبلک گیلری میں ہلچل مچ گئی۔ جج کا منہ بن گیا۔ ''اور سازش اور غداری کے الزام میں؟'' اس نے پوچھا۔

''اس معاملے میں تمام ملزمان مجرم ہیں۔''

اس بار پبلک گیلری سے صاف آوازیں سنائی دیں۔ ''نہیں......نہیں......یہ غلط ہے...... یہ زیادتی ہے۔''

جج نے پہلے الزام کے تحت مجرموں کو کالا پانی میں سات سال کی سزا سنائی، پھر اس نے دوسرے الزامات پر بات کی۔ ''غداری اور سازش...... یہ بدترین جرم ہے۔ غداری ریاست سے اور سازش معاشرے کو اس کی بنیادوں سے اکھاڑ پھینکنے کی، تشدد کی اور انارکی کے ذریعے خونی انقلاب کا راستہ ہموار کرنے کی۔ ایسے جرائم کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان مجرموں کو دوسروں کے لیے مثال بنانا ہے۔ اس لیے میں علی اور راشد کو چھوڑ کر ان مجرموں کو چودہ سال کالا پانی کی سزا سناتا ہوں۔ ان کی دو سزائیں ہیں، وہ الگ الگ پوری کرنی ہوں گی۔''

اس بار پبلک گیلری میں کہرام مچ گیا۔ ''راشد اور علی کے علاوہ باقی مجرموں کو جیل پہنچا دیا جائے۔'' جج نے حکم سنایا۔ بھیڑ چھٹی اور خاموشی ہوئی تو جج علی اور راشد کی

طرف متوجہ ہوا۔ ''علی، میرے نزدیک تم ایک ایسے شخص ہو جو اپنے ساتھی کے بہکائے میں آ گیا۔'' جج نے کہا۔ ''اس کے باوجود میں اس جرم میں تمہاری شمولیت کو نظرانداز نہیں کر سکتا۔ اس لیے میں تمہیں بھی چودہ سال کیلئے کالا پانی بھجوا رہا ہوں۔''

علی کو چکر آ گئے۔ راشد نے ہمدردی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے بھی سخت سزا ملے گی۔ ہر خوش فہمی دور ہو چکی تھی۔

''اور راشد سعید، تمہارے حق میں کہنے کو میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔'' جج نے راشد سے کہا۔ ''تم اس جرم کے مرتکب پائے گئے جو تمہاری جیسی ذہانت کا آدمی سوچے سمجھے بغیر، منطقی نتائج کا اندازہ لگائے بغیر کر ہی نہیں سکتا اور جو کچھ تم نے کیا، اس کے نتیجے میں ایک مستحکم حکومت ختم ہو سکتی تھی۔ خانہ جنگی بھی ہو سکتی تھی۔ اس طرح کے جرم کی سزا موت ہے۔ میں تمہیں صاف بتا رہا ہوں کہ میں تمہیں یہی سزا دینا چاہتا تھا لیکن انجینئر ریاض حسین کی گواہی نے مجھے متاثر کیا۔ تمہاری ذاتی زندگی کے المیوں نے تمہاری فہم و فراست اور سوجھ بوجھ کو یقیناً منفی انداز میں متاثر کیا ہوگا۔ صرف اس وجہ سے میں تم پر رحم کرتے ہوئے تمہیں تمہاری باقی عمر کے لیے کالا پانی بھجوا رہا ہوں۔''

''یہ انصاف نہیں ہے۔ تم ایک معصوم آدمی کو سزا دے رہے ہو۔''

راشد نے مریم کی آواز پہچان لی۔ اسی لمحے ہنگامہ شروع ہو گیا۔ سپاہی اسے نیچے لے گئے۔ گیلری میں لوگ چیخ رہے تھے......نعرے لگا رہے تھے۔

☆......☆......☆

سالم کورٹ سے باہر آ چکا تھا۔ وہ بہت غصے میں تھا۔ اس کے نزدیک یہ بہت بڑی بے انصافی تھی۔ جو لوگ بلند آواز میں کہہ رہے تھے، انہیں عدالتی اہلکاروں نے عملاً اٹھا کر عدالت سے باہر پھینک دیا۔

دو سپاہی مریم کو اپنے درمیان میں لیے عدالت سے باہر آئے تو سالم، مریم کی طرف بڑھا۔ ''چھوڑ دو اسے۔'' اس نے سپاہیوں سے کہا۔

سپاہیوں نے مرعوب ہو کر مریم کا ہاتھ چھوڑ دیا اور خود عدالت میں چلے گئے۔

''بیٹی تم ٹریگو کی بیٹی ہو نا، جس نے واعظ ٹھاکر سے شادی کی ہے۔'' سالم نے مریم سے پوچھا۔

مریم کا غصہ سرد ہو چکا تھا اور اب وہ نڈھال لگ رہی تھی۔ ''جی ہاں۔'' اس نے

بڑی مشکل سے کہا۔

''میں نے تمہیں عدالت میں پہچانا تھا۔'' سالم نے کہا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے ایک طرف لے چلا۔ مریم کو وہ کبھی اچھا نہیں لگا تھا مگر اس کے بعد سالم نے جو کچھ کہا، یقیناً وہ سن کر اس کے جذبات تبدیل ہو گئے۔ ''تمہارے چہرے پر شکست خوردگی کا تاثر میرے لیے ناقابل یقین ہے۔ موسیٰ ٹریگو کے بچوں کو تو شکست سے واقف ہی نہیں ہونا چاہیے۔'' سالم نے کہا۔ ''تمہارے پاس گاڑی ہے؟''

مریم نے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ بھی اچھا ہے۔ میں اپنی بگھی میں تمہیں گھر پہنچا دوں گا۔ راستے میں تم مجھے بتانا کہ تمہیں راشد کی معصومیت کا اتنا پختہ یقین کیسے ہے؟''

☆......☆......☆

واعظ ٹھاکر اپنی اسٹڈی میں بیٹھا ایک خط لکھ رہا تھا کہ ایک بگھی اس کے کاٹیج کے سامنے آ کر رکی۔ اس میں سے سالم کو اترتے دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔ پھر سالم نے سہارا دے کر مریم کو اتارا۔ ان دونوں کے درمیان چند منٹ باتیں ہوئیں، پھر سالم بگھی میں بیٹھا اور بگھی چل پڑی۔

مریم گھر میں داخل ہوئی تو ٹھاکر نے سخت لہجے میں اس سے پوچھا ''تم سالم کے ساتھ کیوں تھیں؟''

''وہ مجھے دارالحکومت سے واپس لائے ہیں۔''

''اور تمہارا دارالحکومت میں کیا کام تھا؟''

''دارالحکومت وہ جگہ ہے جہاں راشد کے تمام دوست آج موجود تھے اور دشمن بھی، جن میں کھل کر دشمنی کرنے کا حوصلہ ہے۔''

''اور فتح کس کی ہوئی؟ راشد کی یا اس کے دشمنوں کی؟''

''اسے تاحیات کالا پانی کی سزا سنا دی گئی۔''

''افسوس، صد افسوس۔ بیچارے راشد نے کان کنوں کے لیے کتنا کچھ کیا ہے۔''

''تو پھر تم کورٹ میں موجود کیوں نہیں تھے۔ تم اس کی مدد کر سکتے تھے۔''

''اگر یہ ممکن ہوتا تو میں بخوشی اس کی مدد کرتا لیکن جن لوگوں نے وہ سب کچھ ہوتے دیکھا، ان کے مقابلے میں میری بات کو کون اہمیت دیتا۔''

''تم ایسا کر ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ تمہی نے تو راشد کو پھنسانے کے لیے مورون اور اس کے افسر کے ساتھ مل کر سازش کی تھی۔ تم تو ویسے ہی فکرمند تھے کہ کہیں وہ بری نہ ہو جائے۔''

''کیسا احمقانہ اور بے بنیاد الزام ہے مگر تمہاری حالت اور تمہارا دکھ دیکھتے ہوئے میں یہ سمجھ لیتا ہوں کہ میں نے کچھ سنا ہی نہیں۔''

''تمہارا جو جی چاہے سمجھو لیکن سالم صاحب نے میری بات توجہ سے سنی ہے۔''

''سالم؟ تو کیا تم نے اپنا احمقانہ تخیل سالم کو بھی سنا دیا؟''

وہ پہلا موقع تھا کہ مریم نے ٹھاکر کے چہرے پر حقیقی خوف کا سایہ لہراتے دیکھا۔ ''نہیں ولیم، میں نے انہیں تمام حقائق بتا دیئے۔ میں نے انہیں تمہاری اور مورون کی ملاقاتوں کے بارے میں بتایا۔ وہ تاریخ بھی بتائی جب مورون اپنے افسر کو لے کر تم سے ملنے آیا تھا۔'' مریم رکی اور اس نے اندھیرے میں تیر چلایا۔ ''میں نے انہیں تمہاری اور اس افسر کی گفتگو بھی سنا دی جو میں نے چھپ کر سنی تھی۔''

ولیم ٹھاکر غصے میں پاگل ہو گیا۔ اس نے مریم کے رخسار پر تھپڑ رسید کر دیا۔

''فاحشہ، غدار عورت۔ میں نے تجھے گھر دیا، اپنا نام دیا اور اس کا یہ صلہ دیا تو نے۔ تو سمجھتی ہے کہ مجھے نہیں معلوم، تیرے اور راشد کے درمیان کیا چکر ہے۔ میں سب جانتا ہوں لیکن میں نے تجھے معاف کر دیا اور اب تو یہ سب کچھ گنوانا چاہتی ہے۔ تباہ کرنا چاہتی ہے...... اس شخص کے لیے جسے بھلا دینا ہی بہتر تھا۔''

''ولیم ٹھاکر۔ میں نے تو سب کچھ اس سے بہت پہلے تباہ کر دیا تھا۔'' مریم نے اپنے رخسار کو سہلاتے ہوئے کہا۔ ''کل صبح میں یہاں سے جا رہی ہوں، دانیال کو لے کر۔ تم مجھے جانتے نہیں، میں تمہیں اس تھپڑ کا ہاتھ سے بھی جواب دے سکتی ہوں اور میں تمہارا کچا چٹھا لکھ کر مرکزی چرچ بھی بھیج سکتی ہوں' لیکن ایسا کروں گی نہیں۔ اب تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔ مجھے اوپر جا کر اپنا سامان پیک کرنا ہے۔''

☆......☆......☆

لیکن مریم کی اپنے شوہر سے ایک بار اور گفتگو ہوئی۔ تب کہیں وہ تعلق ٹوٹا۔

ولیم ٹھاکر کو چرچ والوں نے دارالحکومت طلب کیا تھا۔ وہ ان کے سامنے پیش ہوا تھا۔ یہ پیشی اس کے لیے کسی بھی زاویئے سے حوصلہ افزا نہیں تھی۔ اس کی بہت کھنچائی

ہوئی۔ جس انداز میں اپنے گھوڑے پر سر جھکائے بیٹھا وہ واپس آیا، اُس سے دیکھنے والوں کو اندازہ ہو گیا۔

دستک پر مریم نے اپنی ماں کے گھر کا دروازہ کھولا۔ ولیم ٹھاکر کو دیکھ کر راستہ دینے کے بجائے وہ باہر آ گئی اور دروازہ بھیڑ دیا۔

ولیم ٹھاکر نے پرانے تحکمانہ انداز سے کام چلانے کی کوشش کی۔ ''میں تمہیں اور ڈینی کو لینے آیا ہوں۔''

''تب تو تم نے خوامخواہ خود کو تھکایا ولیم۔'' مریم نے سرد لہجے میں کہا۔

''تم میری بیوی ہو مریم اور ڈینی میرا بیٹا ہے۔ ضرورت پڑی تو میں عدالت میں جاؤں گا۔''

''تم اتنی جرات نہیں کر سکتے۔ جو کچھ میں عدالت میں کہوں گی، اس سے ڈرتے ہو اور اب تم میرے شوہر ہو بھی نہیں۔''

''مجھے کسی بات کا ڈر نہیں اور میں تمہارا شوہر ہوں۔ میں عدالت میں جاتے ہوئے ذرا بھی نہیں ہچکچاؤں گا۔'' ٹھاکر نے کہا۔ ''مجھے دارالحکومت طلب کر لیا گیا ہے۔ تم میرے ساتھ چلو۔ ہم وہیں رہیں گے۔''

''جو کچھ میں کہوں گی ولیم، وہ قبر تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ مجھ سے مت کہلواؤ وہ بات۔ تم میرے شوہر نہیں رہے۔''

''دیکھو مریم! جو کچھ ہوا، اسے بھول جاؤ۔ ہم نئے سرے سے زندگی شروع کریں گے۔ جیسے ہم یہاں لوگوں کی خدمت کرتے تھے، دارالحکومت میں بھی کریں گے۔''

''یہاں ہم نے تمہیں لیڈر بنانے کے سوا کیا کیا تھا اور اس کی کتنی بھاری قیمت ادا کی ہے میں نے۔ تم چلے جاؤ۔ میں تمہاری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔''

''لیکن تم کیا کرو گی میرے بغیر۔ ڈینی کا خیال کرو۔''

''تم ہماری فکر مت کرو۔ تم میرے شوہر نہیں رہے۔''

''یہ تم کیسے کہتی ہو؟''

''میں اسلام قبول کر چکی ہوں۔ اس لیے اب تم میرے شوہر نہیں ہو۔ سمجھے کچھ۔''

ولیم ٹھاکر یوں سمٹا جیسے جسم پر کوئی کوڑا لگا ہو، پھر سنبھل کر کہا۔ ''لیکن ڈینی میرا

بیٹا ہے۔''

''میں رعایت کر رہی ہوں کہ اس وقت جواب نہیں دے رہی۔ جاؤ عدالت میں اسے مانگو، پھر میرا وعدہ ہے کہ چیخ چیخ کر حقیقت کا اعلان کروں گی۔ بس اب جاؤ......دفع ہو جاؤ یہاں سے۔''

ولیم ٹھاکر کے کندھے جھک گئے۔ وہ شکست خوردہ انداز میں واپسی کے لیے پلٹا تھا۔ مریم نے گھر میں جا کر دروازہ بند کر لیا۔

☆......☆......☆

جن قیدیوں کو سزا سنائی گئی تھی، انہیں عدالت سے پابہ زنجیر سیدھا جیل کے بحری جہاز سلطان پر پہنچا دیا گیا جو دارالحکومت کی بندرگاہ کے قریب لنگرانداز تھا۔ وہاں سے انہیں نو آبادی لے جایا جاتا جو ان کے لیے جیل کی حیثیت رکھتی تھی۔ انہیں اپنی سزا وہیں کاٹنا تھی۔ جہاز پر پہنچتے ہی راشد کو علی سے اس تیزی سے جدا کیا گیا کہ انہیں ایک دوسرے کو خدا حافظ کہنے کا موقع بھی نہیں ملا۔

سلطان نامی جہاز بھی ایک جیل ہی تھا۔ قیدیوں کو اس وقت تک وہاں رکھا جاتا جب تک ان کو نو آبادی بھجوانے کے لیے ٹرانسپورٹ کا بندوبست ہوتا۔ سلطان اصل میں جہاز نہیں تھا بلکہ تباہ شدہ جہاز کا ڈھانچہ تھا۔ وہ خود سمندر کے سفر کے قابل نہیں تھا۔ وہاں سیلن کی بدبو ایسی تھی کہ دماغ پھٹتا محسوس ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی مجموعی طور پر گندگی کی وجہ سے اُن کا ماحول انسانی صحت کے لیے تباہ کن تھا۔

راشد نے اس کے بعد علی کو کبھی نہیں دیکھا۔ تین ماہ بعد علی بدبودار جہاز پر ٹائیفائیڈ میں مبتلا ہو کر ختم ہو گیا۔

راشد اور دوسرے قیدیوں کو جہاز کے تہہ خانے میں اتار دیا گیا۔ وہاں روشنی کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ انہیں ٹٹول ٹٹول کر چلنا ہوتا تھا۔ وہاں بے شمار قیدی پہلے سے موجود تھے۔ بڑی مشکل سے انہیں جگہ ملی۔ ہر طرف قیدی لیٹے ہوئے تھے۔ کراہوں، باتوں اور خراٹوں کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔

وہاں سونا ناممکن تھا۔ انہیں لگتا تھا کہ وہ ایک جیتا جاگتا ڈراؤنا خواب دیکھ رہے ہیں۔ ہر طرف گندگی تھی اور قیدیوں کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ سرخ آنکھیں اور بے ترتیب داڑھیوں والے قیدی انسان نہیں، حیوان لگتے تھے۔ وہ نئے آنے والوں سے طرح

طرح کے سوال کرتے۔ اس دنیا کے بارے میں پوچھتے جو خود ان کے لیے اب خواب و خیال کی طرح تھی۔

راشد پانچ ہفتے وہاں رہا۔ وہ اس کی زندگی کا بدترین دور تھا۔ کبھی اسے محسوس ہوتا کہ وہ پاگل ہو جائے گا۔ اپنے ساتھی قیدی کی طرح۔اس نے بھی کھانے کے لیے جانوروں کی طرح لڑنا سیکھ لیا۔ کھانا دوبار اوپر سے اتارا جاتا تھا اور اس کے لیے قیدی ایک دوسرے کو بھنبھوڑ ڈالتے تھے۔ انصاف کے نام پر انہیں ایک ایسے قید خانے میں پھینک دیا گیا تھا جہاں جنگل کا قانون رائج تھا' جبکہ سزا انہیں قانون کی خلاف ورزی کی ملی تھی۔

ایک روز تہہ خانے کا کور اٹھایا گیا اور جیلر نے راشد کا نام پکارا۔ سیڑھی لٹکائی گئی اور اسے اوپر آنے کو کہا گیا۔ اوپر آنے کے بعد اسے جہاز کے اوورسیئر کے پاس لے جایا گیا۔

''تم راشد سعید ہو؟'' اوورسیئر نے پوچھا۔

''ہاں۔''

''تو شاندار اور غیر معمولی انجینئر ایسے ہوتے ہیں۔'' اوورسیئر نے نفرت آمیز انداز میں نتھنے سیکوڑے۔ ''یہ تو میں سوچ بھی نہیں سکتا۔''

راشد کے دل میں امید کی کرن پھوٹی۔ ''میں انجینئر ہی ہوں۔'' اس نے کہا۔

''مجھے ریاض حسین صاحب کا خط ملا ہے۔'' اوورسیئر نے کہا۔ ''انہوں نے لکھا ہے کہ تمہیں تمہاری فیملی کے ساتھ نوآبادی بھیج دیا جائے۔ آبادکاروں کے جہاز میں شاید تانبے کی کانیں دریافت ہوئی ہیں اور وہاں انجن لگائے جا رہے ہیں۔ خط کے ساتھ تمہاری رہائی کا پروانہ بھی ہے جس میں مجسٹریٹ کے دستخط کے علاوہ شاہی مہر بھی ہے۔ ایک اور خط سالم صاحب کا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ تمہارے سفر کے تمام اخراجات وہ ادا کریں گے۔'' اوورسیئر نے گہری سانس لی ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک مجرم سے کسی کو اتنی دلچسپی کیوں ہے۔'' اس نے پھر نتھنے سیکوڑے۔ ''بہرحال تمہیں لے جانے والا جہاز بندرگاہ پر موجود ہے۔تم کپڑے بدلو تاکہ وہاں بھجوا دیا جائے مگر یاد رہے کہ وہاں بھی تم قیدی ہوگے۔''

راشد کو وہ خواب لگ رہا تھا۔ جیٹی پر کھڑے ہوکر اس نے دور خوفناک سائے کی

طرح نظر آنے والے ''سلطان'' کو دیکھا تو بھی اسے یقین نہیں آیا اور جس جہاز سے اسے سوار ہونا تھا، وہ بہت بڑا تھا۔ وہاں اسے ایک کیبن میں لے جا کر اس کے نئے جیلر کے سپرد کر دیا گیا۔ وہ ایک صاف ستھرا کیبن تھا اور نیا جیلر جوڈی کہیں سے جیلر نہیں لگ رہا تھا۔ وہ بال بچے دار آدمی تھا اور اس سے اس طرح بات کر رہا تھا جیسے ایک انسان دوسرے سے کرتا ہے۔ ''ہیلو راشد، میں اس حقیقت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کہ تم ایک سزا یافتہ قیدی ہو۔ جب تک ہم لنگرانداز ہیں، تمہیں کیبن میں قید رہنا ہوگا لیکن سمندر میں پہنچتے ہی تم آزاد ہو گے مگر تم میری ذمہ داری ہو۔ وعدہ کرو کہ فرار ہونے کی کوشش نہیں کرو گے۔''

''یہ میرا وعدہ ہے مسٹر جوڈی اور میں آپ کا شکرگزار ہوں۔''

''بس تو یہ طے ہوگیا۔ سالم صاحب تمہارے کچھ کپڑے اور سامان دے گئے ہیں۔ صبح روانگی ہے۔تم خوش قسمت ہو راشد سعید کہ معزز اور صاحبِ ثروت لوگ تمہارے دوست ہیں۔''

اس رات راشد آرام دہ بستر پر سونے کے لیے لیٹا تو اسے رونا آ گیا۔ ''سلطان'' والا ڈراؤنا خواب معجزاتی طور پر ختم ہوگیا تھا اور تعبیر بہت خوبصورت تھی۔

صبح جہاز روانہ ہوگیا۔ راشد عرشے پر آ گیا۔ ساحل دور ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اداسی سے دیکھتا رہا۔ گھر چھوٹ رہا تھا۔ بابا، اماں اور مریم......اس کا جسم دھیرے سے تھرتھرایا۔ سردی ہو رہی تھی۔ وہ بچھڑے ہوئے لوگوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ پھر اس کی سوچ صرف اور صرف مریم پر مرکوز ہوگئی۔

عقب سے ہلکی سی آہٹ سنائی دی۔ پھر ایک ہاتھ اس کے کندھے پر جما اور جم کر رہ گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک اور حیرت......ایسی حیرت کہ اس نے اپنے ہاتھ میں دانت گاڑ دیئے۔ پھر وہ پاگلوں کی طرح اس سے لپٹ گیا۔ ''مریم......مریم......یہ تم ہی ہو......نہیں......یہ تو ممکن ہی نہیں۔ یہ تم کیسے ہو سکتی ہو؟''

''یہ میں ہی ہوں راشد......تمہاری مریم۔''

اب راشد کو یقین ہو گیا کہ یہ سب کچھ خواب ہی ہے۔ حقیقت میں وہ ابھی تک ''سلطان'' پر ہی ہے مگر اس کا لمس گواہی دیتا تھا کہ یہ حقیقت ہے۔ ''تم یہاں کیسے اور دانیال کہاں ہے؟''

''دانیال میرے ساتھ ہے۔''

''اور ولیم؟''

''وہ دارالحکومت میں ہے اور راشد آج کے بعد ہم کبھی اس کا نام نہیں لیں گے......تذکرہ نہیں کریں گے۔'' مریم نے کہا۔ ''میرے کیبن میں چلو۔ بہت پیارا کیبن ہے۔ چل کر اپنے بیٹے سے اس طرح ملو جیسے باپ ملتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ تم اس کو ترستے رہے۔''

''تمہارا کیبن؟'' راشد کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

''یہ سب بندوبست سالم صاحب نے کیا ہے۔'' مریم نے کہا۔

''سالم صاحب؟ یہ سب کیا ہے۔ تمہارا سالم صاحب سے کیا تعلق ہے؟''

''تمہارا تو ہے۔'' مریم ہنس دی۔ ''میرے ساتھ چلو۔ تب پوری کہانی سناؤں گی۔''

مریم کا کیبن واقعی بہت پیارا تھا۔ وہاں دو بستر تھے۔ ایک پر دانیال سو رہا تھا۔

''اب میں تمہیں بتاتی ہوں۔ تم بیٹھو۔'' مریم نے کہا۔ وہ دونوں بستر پر بیٹھ گئے۔ ''میں تمہارے فیصلے والے دن عدالت میں موجود تھی۔''

''مجھے معلوم ہے۔ میں نے تمہیں چیختے سنا تھا۔''

''سالم صاحب نے بھی سنا تھا۔ پھر مجھے دو سپاہیوں نے عدالت سے باہر پھینک دیا۔ وہاں سالم صاحب موجود تھے۔ وہ پہچان چکے تھے کہ میں مورون کی بہن ہوں۔ انہیں حیرت تھی کہ میں تمہارے حق میں کیسے ہوں۔ میں نے انہیں ولیم ٹھاکر اور مورون کی سازش کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ انکوائری کرائیں گے۔ ولیم نے مجھے ان کے ساتھ دیکھ لیا تھا۔ میں نے ولیم کو بتا دیا کہ میں سالم صاحب کو سب کچھ بتا چکی ہوں۔''

''یہ تو تم نے حماقت کی۔''

''میں بہت غصے میں تھی۔ ولیم نے مجھے پہلا اور آخری تھپڑ مارا۔ اگلی صبح میں دانیال کو لے کر اپنی ماں کے گھر چلی گئی۔''

''مگر یہاں تک کیسے پہنچیں تم؟''

''تحمل سے سنو تو۔ سالم صاحب نے انکوائری کرائی مگر کوئی نئی شہادت نہیں ملی۔ انہوں نے تمہارے بابا کے ذریعے مجھے اس بات کی اطلاع بھجوائی۔ ہاں، تمہارے بابا اور

اماں کو یہاں میرے آنے کا بھی علم ہے۔''

''وہ خوش ہیں کہ نہیں؟''

''پہلے تو انہیں بڑا شاک لگا لیکن کل مما مجھ سے ملنے آئیں۔ انہوں نے کہا کہ میں تمہیں ان کی اور بابا کی دعائیں اور پیار پہنچا دوں۔ وہ خوش تھیں، انہیں یقین تھا کہ میں تمہارا خیال رکھوں گی۔ انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ میں اسلام قبول کر چکی ہوں۔ انہوں نے مجھے انگوٹھی بھی پہنائی۔ یہ دیکھو......''

راشد نے انگوٹھی کو دیکھا۔ وہ بہت پیاری تھی۔'' بیچاری اماں لیکن تم......''

''بتاتی ہوں۔ بتاتی ہوں۔ دو ہفتے پہلے سالم صاحب مجھ سے ملنے آئے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میرا مستقبل کے بارے میں کیا ارادہ ہے۔ انہوں نے مجھ سے ذاتی سوال کیے، پھر یہ خوشخبری سنائی۔ انہوں نے بتایا کہ ریاض صاحب کو نو آبادی میں انجن نصب کرنے کے آرڈر ملے ہیں۔ وہاں تانبے کے بہت بڑے ذخائر دریافت ہوئے ہیں۔ پارلیمنٹ کو اس میں بہت دلچسپی ہے۔ اب نو آبادی میں زیادہ آبادکار بسائے جانا ممکن ہو جائے گا۔ انجن منگوانے والوں کو انجینئر کی ضرورت بھی تھی۔ سالم صاحب کو ریاض صاحب نے بتایا، پھر وہ دونوں دارالحکومت جا کر بڑے اور اہم لوگوں سے ملے اور بالآخر تمہارے لیے اجازت لے لی۔ راشد، وہ دونوں تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔ تمہاری سزا کے بعد سے وہ صرف تمہارے لیے بھاگ دوڑ کرتے رہے ہیں۔''

راشد کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ''حالانکہ میں اتنی محبت کا مستحق نہیں۔'' اس نے کہا۔ ''چلو، اس کے نتیجے میں میں یہاں پہنچ گیا مگر تم اور دانیال......''

''سالم صاحب نے مجھ سے پوچھا تھا کہ مجھے تمہاری فکر کیوں ہے۔ میں نے انہیں وجہ بتا دی تھی؟

''کیا بتایا تھا تم نے؟''

''یہی کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ ہمیشہ سے کرتی رہی ہوں۔ ولیم ٹھاکر سے میں نے صرف اس لیے شادی کی کہ میرے ڈیڈ کا معاملہ مجھے ڈسٹرب کر رہا تھا۔ میں نے سوچا، اس واقعے کے بعد تم سے شادی کرنا اپنے باپ سے دغا کرنا ہوگا اور تمہیں تمہارے بیٹے سے دور رکھ کر میں تمہیں سزا دینا چاہتی تھی۔ انہوں نے پوچھا کہ اگر موقع ملے تو میں تم سے شادی کروں گی۔ میں نے جواب دیا......ضرور کروں گی۔ اس کے بعد

انہوں نے اسی جہاز میں میرے لیے سفر کا بندوبست کر دیا۔''

''سالم صاحب نے مجھ پر جو احسانات کیے ہیں، میں زندگی دے کر بھی اس کا صلہ انہیں نہیں دے سکتا۔'' راشد نے کہا، پھر اس نے مریم کو غور سے دیکھا۔ ''مجھے نہیں معلوم کہ تم مجھ سے اتنی محبت کرتی ہو۔''

وہ جواب میں اس سے لپٹ گئی۔ ''تم کیا جانو جو قرآن پاک تم نے مجھے دیا تھا، وہ میں روز پڑھتی تھی۔ اپنے گناہ پر اللہ سے توبہ کرتی تھی۔ دل سے تو میں پہلے ہی ایمان لا چکی تھی۔ اللہ مجھے معاف کرے اور ایمان پر رکھے۔ اس تبدیلی کی بنیاد تمہاری بے پناہ محبت پر ہی تھی۔ سنو راشد، نو آبادی پہنچتے ہی تم مجھ سے شادی کر لینا۔ میں تمہارے لیے بہت بڑی رقم بھی لائی ہوں۔ سالم صاحب نے کہا تھا، یہ تمہارے انجن کی رائلٹی سے ملنے والی رقم ہے جو وہ جمع کرتے رہے تھے۔''

''وہ بہت اچھے انسان ہیں۔'' راشد نے کہا مگر اچانک ہی فکر مند ہو گیا۔ ''اور دانیال؟ اسے تم کیا بتاؤ گی؟''

''وہ چھوٹا سا بچہ ہے اور تم اس کے باپ ہو۔ ولیم کی مصروفیات اتنی تھیں کہ اس نے کبھی اسے وقت ہی نہیں دیا۔ میرا بیٹا اپنے باپ کو ہی اپنا باپ سمجھے گا۔ تم فکر نہ کرو۔ یہ تم سے محبت کرے گا۔ اتنی ہی جتنی میں کرتی ہوں۔'' مریم کہتے کہتے رکی۔ ''پتا ہے میں بیگم راشد کے نام سے سفر کر رہی ہوں اور میرا بیٹا دانیال راشد ہے۔''

''یہ مت بھولو کہ میں بہر حال سزا یافتہ مجرم ہوں۔''

''نہیں۔ سالم صاحب نے سب ٹھیک کر دیا ہے۔ نو آبادی میں تم ایک معزز شخص ہو گے......انجینئر۔'' مریم نے جھک کر بیڈ کے نیچے سے ٹین کی صندوقچی نکالی۔ اسے کھول کر اس نے تڑا مڑا ایک کاغذ نکالا۔ ''وہ دن یاد ہے تمہیں؟'' اس نے پوچھا اور بڑے پیار سے کاغذ کی سلوٹیں دور کرنے لگی۔

''یاد ہے۔'' راشد نے وہ کاغذ لے کر دیکھا جس پر بچوں کی سی کچی تحریر میں مریم کا نام لکھا تھا۔ ''اور وہ جس پر میں نے تمہارا نام لکھا تھا جسے دیکھ کر تم نے نقل کی تھی۔''

''وہ بھی ہے۔'' مریم نے دوسرا کاغذ نکالا اور اسے چوم لیا، پھر اس نے ایک سادہ کاغذ راشد کی طرف بڑھایا۔ ''اب اس پر اپنے ہاتھ سے میرا نام لکھو۔''

راشد اس کی بات سمجھا نہیں تھا۔ اس نے کاغذ پر مریم کا نام لکھ کر اس کی طرف بڑھایا۔ ''کتنی خوبصورت تحریر ہے تمہاری لیکن نامکمل ہے۔ چلو میں اسے مکمل کر دوں۔'' اس نے اپنے نام کے آگے اس سے ملا کر راشد کا نام لکھ دیا۔ ''اب ہم دونوں ایک ہو گئے نا۔'' وہ خوشی سے چہکی۔

راشد نے کاغذ کو دیکھا......مریم راشد۔ اسے افسوس ہوا کہ اسے یہ خیال کیوں نہیں آیا۔ ''ہم دونوں اب ایک ہو گئے۔'' اس نے کہا۔

''تم نے ہی مجھے لکھنا سکھایا تھا۔'' مریم نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔ ''لیکن اب تمہیں مجھ کو ایک بہت اہم چیز سکھانی ہے۔ مجھے جینا سکھاؤ۔ پھر سے ایک مکمل شخصیت بنا دو۔ سکھاؤ گے نا؟''

''میں تمہیں وہی کچھ سکھا سکتا ہوں مریم جو میں جانتا ہوں۔'' راشد نے کہا۔

''جو تم نہیں جانتے، وہ ہم مل کر سیکھیں گے۔'' مریم نے کہا اور ہنس دی۔ راشد اٹھا ''دوسرے بستر کے پاس جا کر گھٹنوں کے بل بیٹھا اور اپنے سوتے ہوئے بیٹے دانیال کو وارفتگی سے چومنے لگا۔''

''ختم شد''